ولی اللّٰہی سلسلہ تصوف کی معرکہ آرا کتاب
انفاس العارفین
مصنف
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۱۱۱۴ھ ——— ۱۱۷۶ھ
مترجم
پیر سید محمد فاروق القادری ایم اے
فرید بک سٹال لاہور

ولی اللّٰہی سلسلۂ تصوف کی معرکہ آرا کتاب

مصنف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱۴ھ ـــــ ۱۱۷۶ھ

مترجم

پیر سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرست

انفاس العارفین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

سالہا در کعبہ و بُت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اگر بارہویں صدی ہجری کے شب و روز اور مہ و سال کو ایک شخصیت فرض کر لیا جائے تو وہ بلاشبہ بطلِ جلیل، جامع علوم ظاہر و باطن، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات رفیع الدرجات ہے۔ یوں تو برصغیر کی سرزمین نے بے شمار قابل فخر سپوت جنم دیئے ہیں، لیکن ان میں سے چند ایک نے تو پورے عالم اسلام پر اپنے گہرے اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی ذاتِ والا صفات انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے کہ جن کی باکمال شخصیت جہاں آج طالبانِ حق اور سالکانِ معرفت کے لیے روشنی کا ایک سدا فروزاں مینار ہے، وہاں ان کے فکر کی ضیا اور عمل کا فیض مستقبل کے لیے بھی قندیلِ راہ ہے۔ آپ کا نام نامی قطب الدین احمد ہے، لیکن ولی اللہ کے نام سے زیادہ معروف ہوئے۔ آپ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء میں ضلع مظفر نگر کے قصبے پُھلت میں پیدا ہوئے[1]

[1] چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جامع شخصیت اور دینی خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اسی کتاب کے آخر میں ان کے خودنوشت حالات تفصیل سے آ بھی رہے ہیں، اس لیے ہم آپ کی زندگی، تصنیفات، اس وقت کے سیاسی حالات اور آپ کے علمی کارناموں پر تفصیلی تبصرہ ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم صرف اپنے موضوع یعنی انفاس العارفین کے مندرجات، شاہ صاحب بطور ایک صوفی اور مرشدِ راہ اور خاندان ولی اللّٰہی کے معمولات اور معتقدات کے بعض ضروری گوشوں کی نشاندہی کریں گے۔

آپ کا خاندان علمی اور روحانی اعتبار سے ایک معروف حیثیت کا حامل تھا۔ اگر آپ کے سلسلۃ الذہب میں علم وفضل کی روایت جاری رہی تو سلوک ومعرفت بھی اس خاندان کو ورثے میں ملی۔ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ہمارے خاندان کا ہر رخصت ہونے والا بزرگ نئے آنے والے کی پہلے بشارت دیتا رہا ہے۔ (انفاس العارفین مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مطبوعہ مجتبائی:۴)

سات برس کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ختم کیا' دس سال کی عمر میں شرح ملاّ جامی تک کتابیں پڑھ لیں اور کتابوں کے مطالعے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ چودہ برس کی عمر میں آپ کی شادی کر دی گئی۔ بقول شاہ ولی اللہ ان کے والد بزرگوار شاہ عبد الرحیم نے ان کی شادی میں عجلت اس لیے کی تھی کہ انہیں بذریعہ کشف آئندہ رونما ہونے والے حادثات اور خاندانی اموات کے واقع ہونے کا علم ہوگیا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ نے اپنے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کی اور مشائخ صوفیا بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال واوراد میں مصروف ہو گئے اور توجہ وتلقین' آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیا حاصل کر کے انہوں نے اپنی نسبت کی تکمیل کی۔ اسی سال آپ نے تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کی' چنانچہ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ نے اس موقع پر ایک دعوت کا اہتمام کیا' جس میں وسیع پیمانے پر عوام وخواص کو مدعو کیا اور مسندِ درس وتدریس شاہ ولی اللہ کے حوالے کی۔

آپ ابھی سترہ برس ہی کے تھے کہ آپ کے والد گرامی شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار پڑ گئے۔ اسی مرض کے دوران شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت اور باقاعدہ خلافت عطا فرمائی اور فرمایا: ''یَدہٗ کَیَدِیْ'' (ولی اللہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے)۔ آپ کے والد بزرگوار کا انتقال اسی بیماری میں ۱۱۳۱ھ میں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی عمر مبارک کے تقریباً تیس (۳۰) قیمتی سال اپنے والد کے مدرسے رحیمیہ میں درس وتدریس میں گزارے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے' جہاں آپ نے اس وقت کے نامور محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ شیخ ابوطاہر مدنی شافعی سے خرقۂ جامعہ حاصل کیا' جو تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع تھا۔ آپ کا تمام تر تصنیفی کام حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ہی انجام پایا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں تمام علوم کے لیے مستقل مدرس مقرر کر دیئے اور خود تصنیف وتالیف اور سالکانِ طریقت کی

تربیت ایسے اہم کاموں میں مصروف ہو گئے' جو تا دمِ واپسیں جاری رہے۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی: ۲۸،۷' مطبوعہ نفیس اکیڈمی' کراچی)

آپ نے زوال پذیر مغلیہ حکومت کے دس بادشاہوں کا عہد حکومت اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سیاسی انتشار' فکری پراگندگی' محلاتی سازشیں' دین و مذہب سے بیزاری' الغرض وُہ کون سی ایسی خامی اور نقص تھا' جس میں پوری قوم اس وقت مبتلا نہ تھی' مرکزیت کے فقدان اور رات دن بادشاہوں کے قتل اور خوں ریزی کے سارے واقعات آپ کے سامنے ہوئے۔ علماء کی عدم فرض شناسی' فقراء کے بھیس میں نام نہاد متصوفین کی تلبیس کے ذریعے تصوّف اور صوفیاء کے خلاف نفرت یہ سب کچھ اپنے عروج پر تھا۔ بعض شخصیتوں کو اُبھارنے کے لیے ہمارے مؤرخین خواہ مخواہ ایک تباہ حال پس منظر بناتے ہیں' لیکن یہاں یہ صورتِ حال نہیں تھی بلکہ واقعتاً حالات اس سے بھی کہیں بدتر تھے' جیسا کہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ نباضِ ملّت کی حیثیت سے معاشرے کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر اصلاحِ احوال کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے فروعات میں اُلجھنے والے علماء' عیش کوشیوں میں غرق امراء اور غافل عوام کو نئے سرے سے قرآن و حدیث کی دعوت دی۔ تقلید و عدم تقلید کی بحثوں کی وضاحت فرمائی۔ فقہ و عقائد میں تشدد و تصلّب کے برعکس اسلام کی وسعت و ہمہ گیری کو اذہان میں اُجاگر کیا اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی مؤثر تصانیف کے ذریعے اسلامی فکر کی وضاحت کی۔ آپ نے تفسیر' حدیث' فقہ و کلام' عقائد' تصوّف' سیر و سوانح اِن تمام موضوعات پر ایک منفرد انداز سے لکھا جسے بجا طور پر ایک حکیمانہ طرزِ استدلال کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بعض شہرۂ آفاق کتابیں پوری دنیائے اسلام میں بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور مدارسِ دینیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔ تصنیفات کے بیش بہا ذخیرے کے علاوہ آپ نے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد چھوڑی' جس نے برِصغیر کے کونے کونے کو علمِ حدیث سے روشن کیا اور چپے چپے میں آپ کے فکر کو پھیلایا۔ آپ کے چاروں صاحبزادگان عالم باعمل' متقی اور اپنے والد گرامی کے نقشِ قدم پر ساری عمر علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے' چاروں صاحبزادگان کو آپ نے وصال سے پہلے مشائخ صوفیاء کے طریقے کے مطابق دستارِ خلافت بندھوائی۔ آپ کے

بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز آپ کے جانشین اور آپ کی جامع زندگی کے مثالی پیکر تھے۔

تحریک آزادی کے معروف مجاہد اور برصغیر کے نامور عالم معقولات علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

اس کتاب (ازالۃ الخفاء) کا مصنف (شاہ ولی اللہ) ایسا بحرِ ذخّار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمہ اللہ نے آپ کے متعلق یہ ریمارکس دیئے:

شاہ ولی اللہ ایک ایسا شجرِ طوبیٰ ہیں' جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی ٹھکانا ایسا نہیں جہاں اس درخت کی شاخیں سایہ فگن نہ ہوں۔ اس کے باوجود اکثر لوگ بے خبر ہیں کہ اس درخت کی جڑ کہاں ہے۔ (نزہۃ الخواطر مصنفہ حکیم محمد عبدالحئ ج ۱ ص ۴۰۶' مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ' حیدر آباد دکن)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ اور ابن رُشد کے بعد بلکہ خود اُنہی کے زمانے میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا' اُس کے لحاظ سے یہ اُمید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا' لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا' شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی' رازی اور ابن رُشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (علم الکلام مصنفہ شبلی نعمانی ج ۱ ص ۸۷' مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس' کراچی)

تقریباً نصف صدی تک علوم و معارف' فیوض و برکات عام کرتے رہنے کے بعد ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کو یہ مردِ خدا آگاہ رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوا۔ آپ کی تاریخِ وفات بعض اہل علم نے یوں نکالی ہے:

او بود امام اعظم ویں ۱۱۷۶ھ (رودِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۵۵۱' مطبوعہ فیروز سنز' لاہور) اور ہائے دل روزگار رفت۔

ولی اللہی مسلکِ تصوّف

تصوّف' اس کی تعلیمات اور معمولات کے بارے میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان

کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی ہے‘ وہ برصغیر کی مذہبی تاریخ کا ایک عظیم المیہ ہے‘ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ شاہ ولی اللہ ایسے معتدل اور طریقِ اسلاف پر گامزن صوفی بزرگ کو محض نام نہاد متصوفین پر تنقید کی بناء پر بہ تکلف ایک مخصوص اندازِ فکر کا ترجمان بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کی حکمت اور فکر پر ہزاروں صفحات لکھے گئے ہیں‘ کئی اکیڈیمیاں معرضِ وجود میں آ گئی ہیں‘ لیکن بہ طور ایک صوفی و مرشد طریقت کے شاہ صاحب کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ تحفۃ الموحدین ایسی فرضی اور جعلی کتابوں اور حجۃ اللہ البالغہ یا تفہیمات کے مصنف شاہ ولی اللہ کو تو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں‘ لیکن (۱) انفاس العارفین (۲) فیوض الحرمین (۳) الدر الثمین (۴) القول الجمیل (۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اور (۶) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم کے مؤلف شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہمیں آج تک کچھ نہیں بتایا گیا۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟ اس کی بہ ظاہر دو بڑی وجوہ ہیں: پہلی یہ کہ جو حضرات اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں‘ وہ توحید و رسالت اور تصوف کے متعلق اپنے مخصوص ذہنی سانچے رکھتے ہیں‘ جن پر وہ ہر شخصیت کو پرکھنے اور منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ ایسے خود ساختہ پیمانوں سے شاہ ولی اللہ کے آفاقی فلسفہ وفکر کے تمام پہلو ہرگز اُجاگر نہیں ہو سکتے۔ اس کی دوسری وجہ ہمارے وہ سہل انگار محققین ہیں‘ جو محض سُنی سنائی باتوں پر سوچے سمجھے بغیر قلم کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ میں اس مختصر تعارف میں شاہ صاحب کے مسلک تصوف‘ ان کے شرک و بدعت کے تصوّر اور اس جلیل القدر خاندان کے بعض معمولات کا ذکر کروں گا اور اربابِ علم و فضل کو دعوت دوں گا کہ وہ شاہ صاحب کے تصوّف کو انفاس العارفین‘ فیوض الحرمین اور القول الجمیل کی روشنی میں دیکھیں۔

انفاس العارفین

انفاس العارفین سات مختلف رسائل کا مجموعہ ہے‘ جس میں پہلے دو رسالے ”بوارق الولایۃ“ اور ”شوارق المعرفۃ“ شاہ صاحب کے والد گرامی قدر شاہ عبدالرحیم اور عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد کے حالات‘ ملفوظات‘ کشف و کرامات اور معمولات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح الامداد فی مآثر الاجداد اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات‘ عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ شیخ محمد پھلتی کے حالاتِ زندگی اور النبذۃ الابریزیہ جدِ اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بارے میں لکھے ہیں‘ آخری دو رسائل مشائخ حرمین کے تذکرے اور شاہ صاحب کے اپنے حالات

سے متعلق ہیں۔

بظاہر تو اس کتاب کی حیثیت ایک تذکرے کی ہے' لیکن درحقیقت یہ کتاب علمِ شریعت ومعرفت کا خزینہ اور حکمت و دانش کا ایسا گنجینہ ہے کہ جس میں تاریخ' فقہ' تصوف' کلام اور عقائد کے سینکڑوں مسائل باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کو بجا طور پر خاندان ولی اللٰہی کے فکرِ تصوّف کا صحیح ترجمان کہا جا سکتا ہے اور یہ کتاب بقول مولانا عبید اللہ سندھی' شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور تصوف کی رُوح ہے۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مصنفہ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۱۵' مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی' لاہور) عجیب اتفاق ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندانی حالات پر تمام لکھنے والوں کے لیے پہلا اور آخری ماٰخذ یہی کتاب ہے' لیکن اس سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسطروں سے زیادہ میں کوئی اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ آخر اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انفاس العارفین کے مضامین سے ذہنی موافقت نہیں پاتے۔

اور تو اور شاہ صاحب کی سوانح عمری ''حیاتِ ولی' جو کہ ساری کی ساری انفاس العارفین سے ماخوذ ہے اور انتہائی ناکافی اور غیر مکمّل ہونے کے باوجود نسبتاً بہتر ہے' میں انفاس العارفین کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے:

اس کتاب کے چند حصے ہیں' پہلے حصے میں جناب شاہ صاحب نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم صاحب کے علمی حالات' باطنی تصرفات وکرامات' ملفوظات ومکتوبات غرضیکہ ابتدائے زمانہ سے تاریخ وفات تک کے تمام واقعات بطریق رجال سرسری ذکر کیے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کا ہر ممبر ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں لاثانی اور بے نظیر تھا۔

(حیاتِ ولی' مصنفہ مولوی رحیم بخش دہلوی' ص ۲۱۸' مطبوعہ مکتبہ طیبہ' بلال گنج' لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت کا بھرپور مظاہرہ اس کتاب میں ہوا ہے۔ ہمارے پاس اس امر کا کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے کہ شاہ صاحب کی کون سی کتاب کس دور کی ہے' تاہم قرائن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے' آپ نے سفر حرمین سے پہلے بظاہر تصنیف وتالیف کا کوئی کام نہیں' بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا خیال بھی نہیں تھا۔ (تذکرہ شاہ

ولی اللہ محدث مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۲٦۵، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی، کراچی) آپ کی کل عمر اکسٹھ سال چار ماہ ہے، جس میں سے پہلے تینتیس چونتیس سال تو درس و تدریس اور سفرِ حرمین کی نذر ہو گئے، باقی ستائیس اٹھائیس سالوں میں سارا تصنیفی کام ہوا ہے۔ ۱۱۴۵ھ، ۱۱۴٦ھ تک کے واقعات انفاس العارفین میں مل جاتے ہیں۔ لمعات اور الطاف القدس وغیرہ کا ذکر بھی آتا ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات کے مطالعے اور ان کے اندازِ فکر میں تدریجی تبدیلی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاس العارفین آپ کی زندگی کے آخری دس سالوں کی تصنیف ہے۔

آپ نے انفاس العارفین کا آغاز اپنے والد گرامی شاہ عبد الرحیم کے تذکرے سے کیا ہے۔

حضرت شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ درست ہے کہ جو شہرت اور ناموری شاہ ولی اللہ کے حصّے میں آئی وہ شاہ عبد الرحیم کو نصیب نہ ہو سکی، لیکن اس حقیقت سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی یہ ساری عظمت شاہ عبد الرحیم کی روحانی تربیّت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ ہے۔ شاہ عبد الرحیم نہ صرف یہ کہ ایک صاحبِ حال بلند مرتبہ صوفی تھے، بلکہ جید عالم دین اور نامور محدث تھے۔ مصنف (حیاتِ ولی) کا بیان ہے:

ہندوستان میں جس معزز اور بزرگوار نے سب سے پیشتر حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی اور جس مشہور محدث نے اس غریب علم کے شائع کرنے اور پھیلانے میں کوشش بلیغ کی، وہ شیخ عبد الرحیم تھے۔ (حیاتِ ولی ص ۱٦۱)

صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے:

"قد وقع الاتفاق علی کمال فضلہ بین اھل العلم والمعرفۃ وانتھی الیہ الورع والتواضع والاشتغال بخاصۃ النفس"۔

(نزہۃ الخواطر، مصنفہ حکیم محمد عبد الحیٰ، ج ٦ ص ۱۴۵، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن)

مولانا عبید اللہ سندھی کا بیان ہے:

شاہ ولی اللہ کی فکری تربیت اور ان کی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب کو اصل مانتے ہیں، شاہ عبد الرحیم نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی۔

چنانچہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لیے قابلِ توجہ بنایا' پھر آپ نے وحدت الوجود کے مسئلے کو صحیح طریقے پر حل کیا اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا۔ نیز شاہ عبدالرحیم ہی نے حکمتِ عملی کو اسلامی علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ کو اس کی خاص طور سے تلقین کی' الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جاننا' وحدت الوجود کا صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمتِ عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیم کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مصنفہ مولانا عبیداللہ سندھی' ص ۱۹۲۔۱۹۳' مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی' لاہور)

انفاس العارفین میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی شمولیت اور اُس میں بعض غیر واضح مسائل کے بارے میں آپ کے اختلافی نوٹ اور اس پر ملاّ حامد پر شاہی عتاب کا جو واقعہ منقول ہے' اس سے آپ کے تبحر علمی بالخصوص فقہی مسائل کے بارے میں آپ کی وسیع النظری کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ' ص ۴۴' مطبوعہ مجتبائی)

ان اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ انفاس العارفین میں آپ کے معتقدات' تصرفات اور کشف و کرامات وغیرہ کے بارے میں جو کچھ آیا ہے' وہ ایک نیم خواندہ خانقاہی صوفی کے خیالات نہیں' بلکہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور نامور محدث کے نظریات ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے متعدد بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ سیّد عظمت اللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ تھے' جبکہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی رحمہ اللہ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ یہ دونوں آپ کے مرشد ہیں۔ آپ نے حضرت خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد رحمہ اللہ سے بھی ایک مدت تک فیض حاصل کیا اور آپ ہی کے مشورے سے آپ سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے ایک ممتاز خلیفہ سید عبداللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے۔

شاہ عبدالرحیم سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق خاطر کے باوجود صوفیاء کے مشہور اجماعی مسئلے وحدت الوجود کے قائل' اس کے مُبلّغ اور شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بے حد معتقد تھے۔

(انفاس العارفین ص ۸۲)

شاید اسی لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"مخفی نماند کہ حضرت ایشاں از شعبات طریقہ نقشبندیہ آں قدر شعبۂ حضرت خواجہ محمد باقی را پسند میکردند و میل مے نمودند کہ مثل ایں میل بدیگر شعب نبود ہمہ ارشاد و تربیت ایشاں بایں شعبہ بودہ است"۔

(انفاس العارفین ص۱۹)

واضح رہے کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نظریہ وحدت الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ شاہ عبدالرحیم فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو منبر پر بیٹھ کر فصوص کے ایک ایک مسئلے کو قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ سے دلائل کے ساتھ بیان کرسکتا ہوں۔

(انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ' ص۸۲' مطبوعہ مجتبائی)

شاہ ولی اللہ اور وحدت الوجود

چونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیم و تربیت اور روحانی سلسلے کی تکمیل اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم سے ہوئی ہے' اس لیے شاہ صاحب بنیادی طور پر وحدت الوجودی ہیں۔ اگرچہ شاہ صاحب نے ایک امام اور جامع شخصیت ہونے کی حیثیت سے مکتوب مدنی وغیرہ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے' تاہم ان کا اپنا خیال یہ ہے کہ وحدت الشہود کا تصور کوئی نیا نہیں' بلکہ یہ خود ابن عربی کے آفاقی تصور میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

"وقد وقع عندنا ان المکشوفین صحیحان جمیعاً لکن القول بان وحدۃ الشہود علی ھذا المعنٰی لم یقل بہ الشیخ العربی سھو بل الشیخ واتباعہ بل الحکماء ایضاً یقولون بھا"۔ (تفہیمات الٰہیہ ج۱ص۱۹)

حسن اتفاق سے قیام حرمین کے دوران جن مشائخ سے شاہ صاحب کی وابستگی رہی' وہ شافعی ہونے کے باوجود مسلک وحدت الوجود کے قائل تھے۔ شاہ صاحب کے استاذ شیخ ابوطاہر اپنے والد شیخ ابراہیم کردی کے مسلک پر تھے' جبکہ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم اور شیخ

ابراہیم کُردی میں کوئی ذہنی بُعد نہ تھا۔

اس لیے شاہ صاحب کے سوانح نگار اور محققین اس بات پر پہنچے ہیں کہ شاہ صاحب کے نزدیک وجود و شہود کا جھگڑا لفظی نزاع ہے' اصل وحدت الوجود ہی ہے۔ (شاہ ولی اللہ کی تعلیم' ص ۱۴۴' غلام حسین جلبانی صدر شعبۂ عربی سندھ یونیورسٹی' مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی' ہندوستان میں وحدت الوجود سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ' معارف' مارچ ۱۹۷۰ء' دارالمصنفین' اعظم گڑھ' مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن) جس کے شاہ صاحب تمام اکابر صوفیاء کی طرح قائل ہیں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین رقمطراز ہیں کہ شاہ صاحب ابن عربی میں یہ دونوں تصوّرات موجود ہیں اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اس طرح تشریح فرما کر شاہ صاحب نے نہایت فنکارانہ ہوش مندی سے آریائی اور سامی اذہان کو نقطۂ اتصال پر جمع کیا ہے۔ سامی ذہن (ملل حنیفی)' ذاتِ باری کو منزّہ اور مجرد مانتا ہے اور مظاہرِ فطرت سے باہر سمجھتا ہے' جبکہ آریائی ذہن (صابی) اس کے وجود کو کسی مظہر میں دیکھنے کا قائل ہے اور مظاہرِ فطرت میں ذاتِ باری کو جلوہ افروز سمجھتا ہے۔ (شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ۱۳۷۔۱۳۸)

آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز (ف ۱۲۳۹ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل رہے۔ سرسہ حصار کے مولوی نور محمد نے وحدت الوجود کے قائلین پر جب کفر کا فتویٰ لگایا اور اس نزاع نے طول پکڑا تو اس میں شاہ عبدالعزیز کو حَکَم بنایا گیا۔ اس فیصلے میں شاہ عبدالعزیز کا مسلک کُھل کر سامنے آ گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے مکتوب مدنی میں اس مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے' چونکہ شاہ صاحب اصل وحدت الوجود کو سمجھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وجود اور شہود کے درمیان ان کی تطبیق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پیرؤوں کو سخت ناگوار گزری تھی۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۱۴۱)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر میں مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن وحدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کا اثبات کرسکتا ہوں۔

(ترجمان القرآن ج ا ص ۳۵' مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی' لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد بزرگوار اور عظیم المرتبت چچا شیخ ابو الرضا جنہیں انہوں نے پیشوائے اہل ذوق و وجود و امام ارباب معرفت و شہود کے نام سے یاد کیا ہے' کے معمولات اور افکار کو اسلامی تصوّف کا مثالی نمونہ سمجھتے ہیں اور دل کی گہرائی سے چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی زندگیوں کو اُن کے طرز پر ڈھالیں۔

ہمارے صوفیاء کے ہاں ایک صحیح الفکر' خدا ترس اور صالح مسلمان کے لیے اعمال و اوراد تزکیۂ نفس کے اشغال اور عبادات پر مشتمل ایک ایسا نظام موجود ہے جو خیر القرون سے لے کر تسلسل کے ساتھ با قاعدہ مربوط انداز میں رائج رہا ہے' جب تک صوفیاء کا یہ نظام رائج رہا اور اس پر عمل ہوتا رہا تو شاہ عبد الرحیم' شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز جیسے بزرگانِ دین و عالمانِ شرع متین منظر پر آتے رہے مگر آج جب کہ اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا پہلو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے تو اس کے ساتھ ہی ملتِ اسلامیہ میں مشاہیر رجال کا ظہور بھی یک دم رُک گیا ہے۔

ہماری ملّی تاریخ میں کسی چیز پر امت کا مسلسل کاربند ہونا بجائے خود ایک شرعی دلیل اور حُجت ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اگر چودھری غلام احمد پرویز اس تعامل کا انکار کریں تو وہ مجرمِ گردن زدنی ٹھہریں' لیکن ہم میں سے بعض محققین توحید کے نام سے پوری ہزار سالہ تاریخ پر پانی پھیر دیں تو وہ اسلامی خدمت قرار پائے۔ شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین' القول الجمیل' الدر الثمین اور انفاس العارفین میں بزرگانِ دین کے واقعات' کرامات' اشغال و اوراد' تصرفات' چلّوں' رُوحانی امداد اور اس قبیل کی جو سینکڑوں حکایتیں' مثالیں اور اپنے معمولات ذکر کیے ہیں' وہ اسی تاریخی تسلسل کی ایک کڑی ہیں' پھر جگہ جگہ شاہ صاحب نے ''کاتب الحروف مے گوید'' کے الفاظ کے ساتھ انہیں اپنی طرف سے سندِ تحسین بھی دی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈاکٹر ظہور الدین احمد کا وہ جملہ نقل کر دوں' جو انہوں نے انفاس العارفین پڑھ کر لکھا ہے' فرماتے ہیں:

جو لوگ اولیاء اللہ کی رُوحانی قوتوں کے منکر ہیں' ان کے لیے اس تذکرے (انفاس العارفین) کے بیانات ایسے شواہد پیش کرتے ہیں' جن سے انکار شاہ ولی اللہ جیسے برگزیدہ عالم

اور مومن کی گواہی سے انکار کے مترادف ہے۔ (تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہندوستان ج ۵' فارسی ادب سوم باب اولیاء کے تذکرے ڈاکٹر ظہور الدین احمد' مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی' لاہور)

شاہ ولی اللہ کا مسلک اور اُس کے ترجمان

حیرت ہوتی ہے کہ آج بہت سارے ایسے اُمور کہ جو سلف صالحین کا معمول رہے ہیں' کارشتہ ماضی سے توڑ کر توہم پرستی اور بدعت کے دائرے میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ایسے مستحب یا مستحسن امور کو فرائض و واجبات کا درجہ دیں یا انہیں دین کا ضروری حصہ قرار دے دیں' تاہم انہیں شرک و بدعت قرار دینے سے قبل یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ اس سے ہم اپنی تاریخ کے کتنے بڑے حصے کو جھٹلا رہے ہیں اور کیسے جلیل القدر ائمہ کی دین فہمی پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب انفاس العارفین کے اقتباسات سے پہلے آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے منصب تجدید کی تشریح میں لکھے ہوئے ایک مضمون پر نگاہ ڈال لیجئے' یہ اقتباس کسی معمولی پڑھے لکھے آدمی کی تحریر سے نہیں بلکہ نامور عالم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر سے لیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولانا نے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے معمولات ونظریات کا مکمل مطالعہ کر کے لکھا ہے یا اپنے مخصوص نظریے کی بناء پر یہ سمجھ لیا ہے کہ ضرور شاہ ولی اللہ کے بھی یہی نظریات ہوں گے۔ میں نے مولانا مودودی کا یہ اقتباس اس لیے زیادہ موزوں سمجھا ہے کہ اس میں تقریباً وہ ساری باتیں آ گئی ہیں' جو وقتاً فوقتاً بعض اطراف سے مختلف عنوانات کے تحت سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس اقتباس کے بعد آپ انفاس العارفین کے بعض مندرجات دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ تصوف سے متعلق عام مخالفت کا جو رجحان چل نکلا ہے' اس کے بارے میں اگر ایک ذمہ دار شخص کا یہ حال ہے تو پھر کس کس کا رونا روئیں اور اس سے آپ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خود شاہ ولی اللہ کی حکمت وفکر اور اس حکمت وفکر کے نام نہاد علمبرداروں میں کہاں تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مولانا لکھتے ہیں:

جاہلیت خالصہ کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت ہے' جس میں انسان قدیم ترین زمانے

سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ گھٹیا درجے کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رُونما ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے' وہاں سے خداؤں کی دُوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء' اولیاء' صالحین' مجاذیب' اقطاب' ابدال' علماء' مشائخ اور ظل اللّٰہوں کی خُدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی رہی' جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا' جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ ہی کی خدائی ثابت کرنے میں صَرف ہوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پُوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ' زیارات' نیاز' نذر' عرس' صندل' چڑھاوے' نشان' علم' تعزیے اور اسی قسم کے دُوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے ان بزرگوں کی ولادت و وفات' ظہور و غیاب' کرامات و خوارق' اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی' جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسّل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں' ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے۔ (منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہ کا مقام' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' الفرقان بریلی' شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۷' ۱۳۵۹ھ مرتبہ محمد منظور نعمانی)

شاہ ولی اللہ کے منصب تجدید کی تشریح آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب ذرا شاہ ولی اللہ محدث کی خدمت میں چلئے' لیکن شاہ صاحب کی تحریر پڑھنے سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز کی یہ عینی شہادت ملحوظِ خاطر رہے کہ ''والد ماجد (شاہ ولی اللہ) جو کچھ بھی لکھتے تھے اس کا طریقہ یہ تھا کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کے سامنے آتی' اسے لکھتے''۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۲۹۳' مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

حضرت خواجہ خورد (خواجہ محمد عبداللہ فرزند خواجہ محمد باقی و مرشد شاہ عبدالرحیم) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کیا کرتے تھے' جس میں کوئی آ کر کہتا کہ گوشت میں لا رہا ہوں' دوسرا کہتا: چاول میرے ذمے' تیسرا کہتا: فلاں قوال کا بندوبست میں کر رہا ہوں۔

(انفاس العارفین' حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۹' مطبوعہ مجتبائی' دہلی)

آگے فرماتے ہیں:

میرے والد (شاہ عبد الرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری کی اولاد میں سے شیخ نعمت اللہ المعروف شیخی عرس کیا کرتے تھے' جس میں چھ سات سال کی عمر میں مجھے کئی بار شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ (انفاس العارفین' حضرت شاہ ولی اللہ ص ۲۹' مطبوعہ مجتبائی' دہلی)

ایک دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

والد گرامی (شاہ عبد الرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ آن حضور ﷺ کی وفات کے دنوں میں خزانہ غیب سے کچھ میسّر نہ آسکا کہ کچھ طعام پکا کر آنحضرت ﷺ کی رُوح پُرفتوح کی نیاز دلوائی جا سکے' لہٰذا تھوڑے سے بُھنے ہوئے چنوں اور قند سیاہ پر اکتفاء کرتے ہوئے آپ کی نیاز دلوادی' اسی رات بچشمِ حقیقت دیکھا کہ آپ کی خدمت میں انواع و اقسام کے طعام پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے' آپ نے انتہائی خوشی و مسّرت سے قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور اس میں تھوڑا سا تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔ (انفاس العارفین' حضرت شاہ ولی اللہ ص ۴۲' مطبوعہ مجتبائی' دہلی)

یہی واقعہ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین میں اس طرح درج ہے:

اخبرنی سیدی الوالد قال اضع فی ایام المولد طعاماً صلة بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنة من السنین. الخ

مجھے میرے والد گرامی نے بتایا کہ میں میلادُ النبی ﷺ کی خوشی میں ان ایام میں ہمیشہ کھانا پکوایا کرتا تھا' ایک سال اتفاق سے کچھ میسر نہ آسکا۔

(الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۴۰' سنی دار الاشاعت' علویہ ڈ چکوٹ روڈ' لائل پور)

(آگے واقعے کا مضمون واحد ہے۔)

ایک دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

والد گرامی نے فرمایا: اورنگ زیب عالمگیر نے ہدایت اللہ بیگ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا' وہ میرے پاس بہت رنجیدہ خاطر اور شکستہ دل ہو کر آیا اور عاجزی و زاری کے ساتھ روتا رہا' میں نے اس کے معاملے پر توجہ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے' بالآخر میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اگر یہ کام میرے حسب منشاء نہ ہوا تو میں صوفیانہ

لباس اتار پھینکوں گا۔ چنانچہ قضا مبرم ٹال کر اسے اپنے منصب پر بحال کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ میں نے کہا: اس سے بھی اسے ترقی ملنی چاہیے' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۵۹)

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

اولیاء اللہ سے اس قسم کے واقعات بے شمار روایت کیے گئے ہیں اور ان کی تاویلات موجود ہیں۔

ذرا اور آگے چلیے!

والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں شیخ عبدالاحد (مجدد الف ثانی کے پوتے) کے گھر گیا تو وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ الخ

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۵۲)

ایک دوسری جگہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شاہ وجیہ الدین) جو شہید ہوئے تھے' کبھی کبھی باقاعدہ جسمانی صورت میں میرے پاس تشریف لاتے اور حال و استقبال کی خبریں سنایا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بھتیجی کریمہ کی بیماری میں شاہ وجیہ الدین کی آمد اور بیماری سے اس کی نجات یعنی اس کی موت کی قبل از وقت اطلاع کا واقعہ لکھا ہے۔

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۴۷)

مزید لکھتے ہیں:

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت مراقبے میں تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہو گئی اور میرے لیے یہ وقت چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغازِ آفرینش سے روزِ قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار مجھ پر ظاہر کر دیئے گئے۔ (انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۶۱)

اور ایک دلچسپ واقعہ جو خود شاہ صاحب کا چشم دید ہے' سنیے:

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے والد ماجد کو دکھایا' آپ نے اسے تنہائی میں بلایا' اس وقت یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بھی

وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا تو خوب ہے مگر اس کی عمر کم ہے۔ اس نے عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ میری بدزبان اور بدعادت بیوی کی عمر اس کو مل جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا: اچھا ایسے ہی ہو جائے گا۔ تین ماہ کا عرصہ نہ گزرا کہ اس کی بیوی مر گئی اور اس نے گھوڑا بیچ کر خوب نفع کمایا۔ (انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۶۱)

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یارانِ طریقت سے تفصیل کے ساتھ سنا ہے کہ جن دنوں اورنگ زیب حسن ابدال کی طرف پٹھانوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا تو انتہائی کوشش کے باوجود کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے تھے' بعض مخلصوں نے اس بارے میں والدِ گرامی سے دُعا کی درخواست کی۔ جب متوجہ ہوئے تو فرمایا: ایک معمر بزرگ سامنے آ کر دُعا سے منع کر رہے ہیں' بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار آدم بنوری کے خلفاء میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کمر باندھ رکھی تھی۔ (انفاس العارفین ص ۶۳)

یوں تو انفاس العارفین توسل' استمداد' تصرفات' کشف و اطلاعِ خواطر' ریاضات' اوراد واشغال' الغرض مسلکِ صوفیاء صافیہ کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے یہ چند حوالہ جات صرف اس لیے پیش کیے ہیں تاکہ اہلِ علم کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں کہ ان باتوں کو محض بریلویت کی توہم پرستی کہہ دینا تو رسمی بات ہے لیکن ذرا سوچئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' شاہ عبدالرحیم' شیخ ابوالرضا' سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز' کیا یہ سارے کے سارے بریلوی تھے؟ ہند کی سرزمین میں ابھی مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دارالعلوم دیوبند کا وجود بھی نہیں تھا کہ یہ بحثیں چھڑی ہیں' بر صغیر کی خاموش اور پُر سکون فضا میں سب سے پہلے جس چیز نے لوگوں کو چونکا دیا۔ سُوءِ اتفاق سے وہ اسی خاندان کے ایک فرد شاہ محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان تھی' جس کا فکر نامانوس' دعوت میں اجنبیت اور اندازِ بیان جارحانہ تھا۔ اڑھائی سو کتابوں کی ایک ایسی لِسٹ میری نظر سے گزر چکی ہے' جو تقویۃ الایمان کے چھپتے ہی مختلف زبانوں میں مختلف علاقوں سے اس کی تردید میں لکھی گئیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت عام مسلمانوں' علماء اور اہلِ خانقاہ نے اس کتاب کو کس حیثیت سے دیکھا' ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت اور جواز نہیں کہ ہم بیک قلم سارے برصغیر کے علماء' صوفیاء'

فقراء اور عوام کے متعلق یہ کہہ دیں کہ وہ نعوذ باللہ سارے کے سارے شرک و بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے اور پہلی بار شاہ محمد اسماعیل ان کو حقیقی توحید سے روشناس کرا رہے تھے۔ آخر شاہ ولی اللہ' شاہ عبد العزیز اور شاہ محمد اسماعیل میں کتنا فاصلہ ہے۔ کیا اس درمیان عرصے میں سارا برصغیر کفر و شرک کی لپیٹ میں آ گیا تھا؟ اور اگر پہلے سے تھا تو خود حکیم الامت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز نے یہ تشدد اور زبان کیوں استعمال نہ فرمائی' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سوادِ اعظم کے مسلک سے ہٹ کر یہ وہ پہلی آواز تھی' جو برصغیر میں گونجی' جسے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک کی صدائے بازگشت تو یقیناً کہا جا سکتا ہے مگر اسے ولی اللّٰہی فکر اور معمولات کا ترجمان ہرگز نہیں کہا جا سکتا' غور فرمایئے کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والے ہمارے محققین نے کیسے کیسے دھوکے کھائے ہیں' مولانا منظور نعمانی ''تحفۃ الموحدین'' کو شاہ محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان کا متن قرار دیتے ہیں۔ (الفرقان' شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۸۷) لیکن آپ کو یہ جان کر تعجب ہو گا کہ یہ متن یعنی ''تحفۃ الموحدین'' ایک ایسا رسالہ ہے جس کا انتساب شاہ صاحب کی طرف نہ صرف مشکوک بلکہ بالکل غلط ہے۔ (مقدمہ وصایا اربعہ' محمد ایوب قادری صاحب ص ۲۶' شاہ ولی اللہ اکیڈمی) (ہم آگے اس پر تفصیل سے لکھیں گے۔)

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ متن بھی خود ساختہ اور اس کی شروح و تفصیلات بھی من مانی اور ستم یہ کہ پھر بھی اسے فکر ولی اللّٰہی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں پر پروفیسر محمد سرور صاحب کی زبانی مولانا عبید اللہ سندھی کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے' جو بہت برمحل ہے:

مولانا سندھی کہا کرتے تھے کہ گزشتہ صدیوں میں عوامی اور قومی تحریکیں اکثر و بیشتر مذہبی اٹھان اور بیداری کا نتیجہ تھیں' لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھیں' ان کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور وہ عملاً عوامی و قومی بن گئیں' لیکن تحریک ولی اللّٰہی میں اس تاریخی انحراف کے بعد جو موڑ آیا تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی' بجائے اس کے کہ وہ مسلمان عوام کی ایک قومی تحریک بنتی' وہ ایک علیحدگی پسند فرقہ پرستانہ تحریک بنتی گئی۔ سیّد احمد شہید سے منسوب اس تحریک کا یہ حشر تو ہوا ہی' اس کا ردِ عمل اس تحریک کے دوسرے حصے تحریک دیوبند پر بھی ہوا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس برعظیم کے مسلمان عوام کی غالب اکثریت بریلوی ہے' جو اوپر کی دونوں تحریکوں کو کفر سے کم نہیں سمجھتی' اس نوع کی احیا پسندانہ مذہبی تحریکیں اگر قومی اور عوامی خطوط پر نہ چلیں تو لازماً

وہ علٰیحدگی پسندانہ فرقہ پرستانہ تحریکیں بن کر رہ جاتی ہیں۔

(افادات وملفوظات' مولانا عبیداللہ سندھی' پروفیسر محمد سرور ص ۳۴۹' سندھ ساگر اکیڈمی)

اس اقتباس سے شاہ محمد اسماعیل کے خاص نقطۂ نظر اور سوادِ اعظم سے اس کی بے تعلقی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ ان اختلافات کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ انتہائی غلطی اور برصغیر کی مذہبی تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ برصغیر میں اصل اختلافات کا آغاز مولانا شاہ اسماعیل کی تقویۃ الایمان کی بعض عبارات اور اثر ابن عباس کے مسئلے سے ہوا۔ جس میں مولانا محمد احسن نانوتوی کی بعض علماء نے تکفیر کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی تردید میں کئی رسائل لکھے گئے' جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) الکلام الاحسن' مؤلفہ مولانا ہدایت علی

(۲) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال' مؤلفہ حافظ بخش بدایونی

(۳) قول الفصیح' مولانا فصیح الدین بدایونی

(۴) افاداتِ صمدیہ' مولوی عبدالصمد سہسوانی

(۵) کشف الالتباس فی اثر ابن عباس

(۶) قسطاس فی موازنہ اثر ابن عباس

(محمد احسن نانوتوی' مؤلفہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۹۰ تا ۹۵' روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی)

بعض حضرات نے اس سے بھی بڑھ کر دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ شاہ صاحب کے مسلک اور اُن کے معمولات کا بغور مطالعہ کر کے ذرا اس رائے کی وقعت کا اندازہ لگایئے کہ کس طرح عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دُھول جھونکی گئی ہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی رقم طراز ہیں:

وقت آیا کہ ازسرِ نو پیامِ محمدی کی تجدید ہو' مسجد نبوی کے دو طالب علم خاص طور پر اس منصب سے نوازے گئے' ان میں ایک ہندی نژاد تھا' دوسرا نجد کا بادیہ نشین' آپ سمجھے یہ طالب علم کون تھے: محمد بن عبدالوہاب اور ہندی نژاد ولی اللہ بن عبدالرحیم۔

(الفرقان، شاہ ولی اللہ، ص ۴۰)

مولانا مسعود عالم تو معاملہ ہی صاف کر گئے البتہ شیخ محمد اکرام نے ذرا لگی لپٹی کہی، فرماتے ہیں:

ان (شاہ ولی اللہ) کی اصلاحی تحریک اور شیخ محمد عبدالوہاب کی تحریک میں ایک وجہ امتیاز یہ تھی کہ اگرچہ یہ دونوں بزرگ عہدِ نبوی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور شاہ صاحب بھی تصوف کی اصلاح کے خواہاں ہیں لیکن وہ وہابی مصلحین کی طرح اس کے مخالف نہیں۔

(رودِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۵۳۴ تا ۵۸۰، فیروز سنز)

یہ بات کس قدر تعجب انگیز ہے کہ بعض حلقوں میں ان کے اپنے ہاں یہ ساری باتیں گوارا کی جاتی ہیں اور خوب مزے لے لے کر بیان کی جاتی ہیں، لیکن جب معاملہ دوسروں کا آ جائے تو یہ سب کچھ بدعت، توہم پرستی اور قبر پرستی ہو جاتا ہے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے مضمون کا اقتباس، مولانا مسعود عالم ندوی کا نظریہ اور تقویۃ الایمان کے مضامین کے ساتھ ساتھ اگر شاہ صاحب کی فیوض الحرمین، الدرالثمین، انفاس العارفین، القول الجمیل اور انتباہ فی سلاسل الاولیاء کا مطالعہ کر لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ حقیقت سمجھنے میں ہرگز کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ؎

نزلوا بمكة في قبائل هاشم   ونزلت بالبيداء ابعد منزل

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ تصوف میں غیر اسلامی نظریات و معمولات کے مخالف تھے، لیکن ان کو جائز ٹھہرانے اور اس کی تائید کرنے والا بھی تو کوئی نہیں۔

شاہ ولی اللہ اور بارگاہِ محمدی ﷺ

ہمارے تمام بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام عشق و محبت حضرت ختم المرسلین ﷺ کی جس لازوال دولت کے امین رہے ہیں، حضرت شاہ صاحب بھی اس متاع بے بہا سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ قیامِ حرمین کے دوران آپ نے روضۂ نبوی سے براہِ راست فیوض حاصل کیے، فرماتے ہیں:

''درآں میاں برروضۂ منوّرۂ حضرت سیّد البشر علیہ

افضل الصلوٰۃ واتم التحیّات متوجه شد و فیضها یافت" (انفاس العارفین ص ۲۰۴) چنانچہ آپ نے "فیوض الحرمین" کے نام سے اس بارے میں مستقل کتاب لکھی۔

نظم کی صورت میں آپ نے یوں بارگاہِ نبوی ﷺ میں گلہائے عقدیت پیش کیے ہیں:

واذا ما اقلتنی ازمة مدلهة تحیط بنفسی من جمیع الجوانب

"جب مصیبت کی گہری تاریکی مجھے ہر طرف سے اپنے نرغے میں لے لیتی ہے تو"

تطلبت هل من ناصرٍ او مساعدٍ الوذبه من خوف سوء العواقب

"میں بڑی کوشش سے بار بار ایسے مددگار یا معاون کی جستجو کرتا ہوں جس کے دامنِ رحمت میں مجھے بُرے نتائج کے خوف سے پناہ مل سکے"

فلست اری الا الحبیب محمداً رسول الٰه الخلق جم المناقب

"ایسا معاون و مددگار میں کسی کو نہیں پاتا' بجز اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کے جو ساری مخلوق کے پروردگار کے رسول ہیں اور جن کے محامد بے شمار ہیں"

ومعتصم المکروب فی کل غمرۃٍ ومنتجع الغفران من کل تائب

"مجھے تو حضور کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا' جس کے دامنِ رحمت میں کوئی غم زدہ مصیبت کے وقت پناہ لے سکے اور ہر تائب مغفرت کے لیے اس کی بارگا کا قصد کر سکے"

وقد کان نور اللّٰه فینا لمهتدٍ وصمصام تدمیرٍ علی کل ناکب

"آپ ہمارے درمیان اللہ کا نُور تھے' ہر ہدایت کے طلب گار کے لیے اور ہر روگردانی کرنے والے کے لیے شمشیرِ بُرّاں"۔

آپ نے اپنے اس مشہور قصیدہ کے شروع میں لکھا ہے:

"در تشبیب بذکر بعض حوادث زماں که دراں حوادث لابد است از استمداد بروح آں حضرت ﷺ وتخلص بذکر مناقب آں حضرت ﷺ"۔

پہلی فصل میں ان حوادثات کا ذکر کیا گیا ہے' جن سے نجات حاصل کرنے کے لیے

حضور کی رُوح مبارک سے مدد حاصل کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور جن سے رہائی حضور کے کمالات کے بیان ہی سے ہو سکتی ہے۔ (اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم' مؤلفہ شاہ ولی اللہ' مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم' اکتوبر' نومبر ۱۹۷۰ء اپریل ۱۹۷۱ء مرتبہ پیر محمد کرم شاہ الازہری)

سرکارِ دوجہاں سے آپ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی' اسے مذکورہ اشعار سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

اپنی وصیت میں فرماتے ہیں: ''مارا لابد است کہ بحرمین محترمین رویم و روئے خودرا برآں آستانہائے مالیم سعادت ما ایں است و شقاوت مادر اعراض ایں!''۔

(المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ از' شاہ ولی اللہ دہلوی' مرتبہ محمد ایوب قادری' ص ۵۳' شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد)

ہمارے لیے ضروری ہے کہ حرمین شریفین حاضری دیں اور ان آستانوں پر اپنے چہرے رگڑیں۔ ہماری سعادت اسی میں ہے اور بدبختی اس بات سے روگردانی میں۔

انفاس العارفین کے بعض واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رُوحِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس خاندان کے ساتھ خصوصی ربط اور لطف و کرم رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیم کی بیماری میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور انہیں اپنے موئے مقدس کے عطا فرمانے کی جو داستان شاہ صاحب نے لکھی ہے' وہ رُوح پرور ہے۔ اس داستان کو بآسانی ایک وجدانی یا رُوحانی کیفیت کا نام دیا جاسکتا ہے' لیکن شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جب والد گرامی نیند سے بیدار ہوئے تو وہ دونوں بال مبارک ان کے پاس موجود تھے اور بعض منکرین کی اصلاح کے لیے ایک موقع پر جب انہیں باہر نکالا گیا تو فوراً بادلوں نے ان پر سایہ کرلیا۔ تین دفعہ یہ صورت ہوئی' چنانچہ منکرین نے توبہ کرلی' نیز فرمایا کہ ان بالوں کی خاصیت یہ ہے کہ باہم گُتھے رہتے ہیں۔ جب ان پر درود پڑھا جائے تو وہ علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں در آخر عمر تبرکات قسمت میفرمودند یکے ازاں دو موئے	حضرت والد جب آخر عمر میں تبرکات تقسیم فرمانے لگے تو ان دو مقدس بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا' اس پر اللہ رب

بکاتب حروف عنایت فرمودند والحمد للہ رب العالمین۔ (انفاس العارفین ص ۴۱-۴۲)

العالمین کا شکر ہے۔

انفاس العارفین کا ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے اپنی تمام تر توجہ حضور ﷺ پر درود پڑھنے پر صرف کی، ایک دن وہ کہنے لگے کہ میں حضور ﷺ کو اٹھتے، بیٹھے، کھاتے، پیتے، خلاؤں میں، دھرتی پر، ہر جگہ، ہر وقت دیکھتا ہوں اور حضور کی کوئی حالت مجھ سے مخفی نہیں رہتی۔ میں نے انہیں کہا کہ تمہیں حضور ﷺ کی رویت حقیقیہ نصیب نہیں بلکہ آپ کی صورتِ کریمہ تمہاری قوتِ خیالیہ میں رچ بس چکی ہے۔ الغرض جب بات نے طول پکڑا تو میں نے انہیں کہا کہ فلاں آیت کا معنیٰ حضور سے پوچھ کر بتلاؤ، چنانچہ جب ان کا جواب انہیں نہ ملا تو میں نے انہیں بتایا کہ یہ صورتِ خیالیہ تھی۔

اس پر شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی رُوح انور سے کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے عالم میں حالتِ خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بغیر دقّتِ نظر کائنات کے ذرّے ذرّے میں صورتِ محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے اور اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رؤیتِ حقیقیہ کہا جائے گا۔ مذکورہ واقعہ میں اس بزرگ کا حضور سے نہ پوچھ سکنا، کچھ وجوہات رکھتا ہے مثلاً اس بزرگ کی نسبت ابھی خام تھی یا یہ نسبت کسی خاص امر میں تھی، فقیر ولی اللہ کا گمان ہے کہ مذکورہ بالا صاحبِ نسبت بزرگ کے دعوائے مناسبت کو حضرت والد ماجد نے آنحضور ﷺ کی رؤیت حقیقیہ کے ناممکن الوقوع ہونے کے سبب نہیں بلکہ کچھ اور وجوہات کی بناء پر مسترد فرمایا تھا۔ (انفاس العارفین ص ۷۵)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عشقِ رسول ﷺ اور ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے انتہائی قرب کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

شاہ ولی اللہ کی طرف بعض کتابوں کا غلط انتساب اور بعض کتابوں میں الحاقات۔۔۔۔۔۔۔

تاریخ ایسے کئی نامور علماء، مفکرین اور شعراء کی نشان دہی کرتی ہے، جن کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر مخصوص مقاصد کی خاطر بعض لوگوں نے ان کی طرف غلط کتابیں منسوب کر دیں یا ان کی کتابوں میں الحاقات کر دیئے۔ دُور کیوں جایئے، احادیثِ نبوی ﷺ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ افسوس ہے کہ اس وباء سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ بھی دونوں صورتیں روا رکھی گئیں۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس پر خاصا تحقیقی مضمون لکھا ہے، اس کے بعض اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں:

شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب بعض ایسے رسالے بھی ملتے ہیں، جو شاہ صاحب کی تصنیف نہیں ہیں اور لوگوں نے شاہ صاحب سے منسوب کر کے چھاپ دیئے ہیں یا شاہ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام مرزا علی لطف مؤلف تذکرہ گلشنِ ہند کا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۰۱ء میں تالیف ہوا ہے۔ مرزا علی لطف نے ولی اللہ سرہندی المتخلص بہ اشتیاق کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سمجھ کر ان کی ہجو کی اور ان سے دو کتابیں منسوب کیں۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء) جب ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں حجاز کو ہجرت کر گئے تو دہلی میں تقلید و عدم تقلید کے مباحث نے خوب زور پکڑا، مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان مناظرے ہوئے۔ اسی زمانے میں بعض جعلی کتابیں بھی وجود میں آئیں۔ قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء اپنی ایک تالیف کشف الحجاب میں لکھتے ہیں:

اور ایسا ہی ایک اور جعل (غیر مقلدین) کرتے ہیں کہ سوال کسی مسئلہ کا بنا کر اور اس کا جواب موافق اپنے مطلب کے لکھ کر علمائے سابقین کے نام سے چھپواتے ہیں، چنانچہ بعض مسئلے مولانا شاہ عبد العزیز کے نام اور بعض مسئلے مولوی حیدر علی کے نام سے علیٰ ہذا القیاس چھپوائے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان کے ایک فرد اور ان کی تصنیفات کے مشہور ناشر ظہیر الدین سیّد احمد ولی اللّٰہی نواسۂ شاہ رفیع الدین دہلوی جنہوں نے شاہ صاحب کی تصانیف بڑی تعداد میں طبع و شائع کر کے وقف عام کی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس طرف توجہ

دلائی۔ چنانچہ وہ شاہ صاحب کی ایک کتاب ''تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء'' کے آخر میں لکھتے ہیں:

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندہ محمد ظہیر الدین عرف سیّد احمد اوّل گزارش کرتا ہے: بیخ خدمت شائقین تصانیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ومولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہ آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی تھیں اور بعض لوگوں نے جو اُن کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت میں تغیر وتبدل کر دیا' تو میرے اس کہنے سے یہ غرض ہے کہ جو اَب تصانیف ان کی چھپیں تو اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے۔

اسی طرح یہ ظہیر الدین صاحب نے انفاس العارفین مطبوعہ مطبع احمدی کے آخر میں ''التماس ضروری'' کے نام سے بھی یہی کچھ لکھا ہے' بلکہ اس میں انہوں نے شاہ صاحب کی طرف غلط منسوب کتابوں کی فہرست دی ہے' جو یہ ہے:

(۱) تحفۃ الموحدین' مطبوعہ اکمل المطابع' دہلی (منسوب بہ طرف حضرت شاہ ولی اللہ)
(۲) بلاغ المبین' مطبوعہ لاہور (منسوب بہ طرف حضرت شاہ ولی اللہ)
(۳) تفسیر موضح القرآن' مطبوعہ خادم الاسلام دہلی (منسوب بہ طرف شاہ عبدالقادر)
(۴) ملفوظات (منسوب بہ طرف شاہ عبدالعزیز)

ایک نامور عالم مولانا وکیل احمد سکندر پوری البلاغ المبین کے متعلق اپنی کتاب وسیلۂ جلیلہ میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب (البلاغ المبین) کسی وہابی کی تصنیف ہے' جسے کافی لیاقت نہ تھی مگر اعتبار و اسناد کے لیے مولانا شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کی گئی' اس کا انتساب ایسا ہی ہے جیسے دیوان مخفی کا زیب النساء کی طرف یا دیوان محی کا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف' دیوان معین الدین ہروی کا حضرت معین الدین چشتی کی طرف رسالہ تحفۃ الموحدین سب سے پہلے اکمل المطابع' دہلی میں طبع ہوا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ادارہ اشاعت السنۃ نے رجب ۱۳۷۳ھ میں اسے دوبارہ شائع کیا۔ طبع ثانی کی اشاعت

ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں تحفۃ الموحدین کے سرِ ورق پر مصنفہ یا مؤلفہ شاہ ولی اللہ تحریر نہیں ہے' بلکہ از افادات شاہ ولی اللہ دہلوی لکھا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ناشر اس سلسلے میں خود متردّد ہے' لہٰذا اس نے اس رسالہ کا اعتبار قائم کرنے کے لیے اس کا مترجم حیاتِ ولی کے مؤلف مولانا رحیم بخش دہلوی کو بتایا ہے' حالانکہ حیاتِ ولی میں مولانا رحیم بخش دہلوی نے شاہ ولی اللہ کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے' اس میں تحفۃ الموحدین یا البلاغ المبین کا ذکر تک نہیں ہے۔

ان دونوں کتابوں کا شاہ صاحب کی تصانیف یا ان کے صاحبزادگان کی تصنیف میں کوئی ذکر و حوالہ نہیں ملتا اور نہ ہی تذکرہ نگاروں کے ہاں ان کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

(یہ ساری تفصیل ہم نے پروفیسر محمد ایوب قادری کے مقدمہ وصایا اربعہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد کے صفحہ ۲۴ تا ۲۸ سے لی ہے)

شاہ صاحب کی طرف بعض تصانیف کے غلط انتساب کے علاوہ خود ان کی اصل کتابوں میں بھی بعض ایسی عبارات موجود ہیں' جن پر ان کے وسیع اندازِ فکر اور معمولات سے مطابقت نہ رکھنے کے سبب الحاقات کا شائبہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس خدشے کو مزید تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ شاہ صاحب کی کتابیں باقاعدگی کے ساتھ سب سے پہلے مولانا محمد احسن نانوتوی (ف ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء) نے اپنے مطبع صدیقی بریلی سے چھاپنا شروع کیں۔ ان کے بعد ان کے ربیب مولوی عبدالاحد (ف ۱۹۲۰ء) مالک مجتبائی نے یہ کتابیں چھاپیں۔ مولوی محمد احسن نانوتوی' اثر ابن عباس اور بعض دوسرے مسائل میں اپنے مخصوص اندازِ فکر کی وجہ سے اس دور کے مشہور علمی مراکز بدایوں' خیرآباد' بریلی اور دہلی کے علماء کے مسلک سے الگ اور ان کے معتوب تھے' کچھ بعید نہیں کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں کہیں کہیں تغیر و تبدّل کر دیا گیا ہو جیسا کہ اس امر کی طرف سید ظہیر الدین احمد نے اشارہ کیا ہے کہ صرف جعلی کتابیں ہی نہیں بلکہ الحاقات بھی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تفہیمات کی یہ عبارت پیش کی جاسکتی ہے' جو ان کی ساری تعلیمات میں ہمارے محققین کو سب سے پہلے نظر آتی ہے' حالانکہ شاہ صاحب کے دوسرے نظریات سے وہ کوئی لگا نہیں کھاتی۔

''کل من ذهب الٰی بلدة اجمیر او الٰی قبر سالار مسعود او ماضاهاها

لاجل حاجةٍ یطلبها فانه اثم اثماً اکبر من القتل والزنا الیس مثله الامثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعو اللات والعُزیٰ''۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲ تفہیم ۴۴، ص ۴۹، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد)

قطع نظر اس بات کے کہ فی الواقع یہ بات درست ہے یا نہیں، شاہ صاحب کا اندازِ بیان ان کے اور ان کے خاندان کے معمولات اور اس بارے میں دُوسری کتابوں میں اُن کے خیالات اس عبارت کو قبول نہیں کرتے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے تم کی قبروں کو زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں کہتا ہے کہ زیارت کرو کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے، نہی کی بناء اس مصلحت پر تھی کہ زیارتِ قبور کی آزادی دینا، عام طور پر غیر اللہ کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے، لیکن جب اسلامی تعلیمات نے دلوں میں جگہ پکڑ لی اور توحید ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔

(حجۃ اللہ البالغہ، مترجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی ج ۲ ص ۲۵۹، قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ، لاہور)

''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں:

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ ''انا فتحنا'' دو رکعت میں پڑھے، پھر میّت کی طرف سامنے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے سورۂ ملک پڑھے اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور گیارہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر میت سے قریب ہو جائے، پھر کہے: یارب یارب! پھر کہے یاروح! اور اس کو آسمان میں ضرب کرے اور یاروح الروح کی دل میں ضرب کرے، یہاں تک کہ کشائش اور نور پائے، پھر دل پر صاحبِ قبر کے فیضان کا انتظار کرے۔ (القول الجمیل، شاہ ولی اللہ، ص ۷۲، سعید کمپنی، ادب منزل)

سراج الہند شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:

بزرگوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورۂ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر قبر کی پائینتی کی طرف جائے اور امن الرسول آخر تک پڑھے اور زبان سے کہے: اے میرے حضرت! فلاں کام کے لیے

درگاہِ الٰہی میں التجا و دُعا' تا ہوں' آپ بھی دعا کریں۔

(کمالاتِ عزیزی' شاہ عبدالعزیز' ص ۴۷۔۴۸' سعید کمپنی' ادب منزل)

حضرت شاہ ولی اللہ کی وصیّت تو آپ پڑھ آئے ہیں کہ ہماری سعادت اسی میں ہے' حرمین کے آستانوں پر اپنی عقیدت کی پیشانیاں جا کر جھکائیں۔

اصل بات تو مزارات پر حاضری' ان سے استمداد' اکتسابِ فیوض اور کشف قبور وغیرہ ہے' جن پر شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک سارے بزرگ عامل ہیں اور اس قسم کے واقعات سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں' باقی رہا مزارات کو مستقل حاجت روا سمجھنا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اسے شرک نہ سمجھتا ہو۔

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ برصغیر کی اس نامور شخصیت کو ہم اپنے اختلافات میں فیصلہ کن اور رہبر بنانے کے بجائے اُلٹا اپنی مخصوص گروہ بندیوں میں لے آنے کی کوشش کرتے ہیں' بلاشبہ شاہ صاحب کے فکر اور ان کی تعلیمات پر ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ کئی اکیڈیمیاں سرگرم عمل ہیں' لیکن ایک صوفی و مرشد کی حیثیت سے یا خانقاہی معمولات کے بارے میں ان کے طرزِ عمل پر ایک حرف تک نہیں لکھا گیا اور یہ سب کچھ دانستہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی جامع تعلیمات و افکار کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے' اس کی تصویر کچھ یوں ہے:

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من   وز درونِ من نجست اسرارِ من

میں یہاں پر جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام کا ایک اقتباس ''الرحیم'' سے نقل کرتا ہوں' آپ اسے پڑھئے اور غور فرمایئے کہ شاہ صاحب کی شخصیت کو دیکھنے کے ہمارے پیمانے کیا ہیں:

جماعت اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام میں یہ اقتباس دینے کے بعد ایک صاحب نے لکھا ہے۔۔۔۔شاہ صاحب کا جو حصہ تصوّف سے متعلق ہے' اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے۔

(الرحیم' جنوری ۱۹۶۶ء' شذرات' مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی' شاہ ولی اللہ اکیڈیمی' حیدر آباد' سندھ)

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جامع کمالات شخصیت کو

ان کے سارے لٹریچر، پس منظر، خاندانی روایات اور معمولات کے تناظر میں دیکھا جائے، حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے شاہ صاحب برصغیر کے مسلمان عوام کی اکثریت کے مستقل امام قرار پاتے ہیں، جنہیں فرقہ پرستانہ اور علیحدگی پسندانہ تحریکوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

لیس علی اللہ بستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحد

کچھ ترجمے سے متعلق

انفاس العارفین کے ساتھ شروع سے جو بے اعتنائی برتی گئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج تک اس کا ترجمہ تو درکنار، اصل صحیح نسخہ بھی کہیں نہیں چھپ سکا۔ ہماری معلومات کے مطابق انفاس العارفین مطبع احمدی، دہلی اور مطبع مجتبائی کی اشاعت ۳۵-۱۳۳۴ھ کے بعد کہیں سے بھی نہیں چھپی۔ گزشتہ سالوں میں ملتان سے انفاس العارفین کا ایک نسخہ شائع ہوا، لیکن اس نے اغلاط اور ناقص چھپائی کی ایک مثال قائم کردی۔ ہمارے سامنے مطبع مجتبائی کے ۱۳۳۴ھ اور ۱۳۳۵ھ کے دو مختلف نسخے ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی طباعت کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں، تاہم یہ نسخے غنیمت ہیں، چونکہ انفاس العارفین قدیم طرزِ تحریر کے مطابق ایک مسلسل تحریر ہے، جس میں ذیلی عنوانات اور ابواب نہیں ہیں۔ اس مسلسل اندازِ تحریر میں شاہ صاحب کے اس علمی تبحر کا بھی بہت دخل ہے، جسے مفتی عنایت احمد کاکوروی نے بحر زخّار سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ انفاس العارفین کا اندازِ بیان بہت جامع ہے، اس لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ چند عنوانات میں اس کے موضوع سمیٹ لیے جائیں، تمام حکایات، علمی مسائل اور بزرگانِ کرام کے اقوال کے لیے علیحدہ علیحدہ مناسب عنوانات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے کتاب کے مضامین دیکھنے میں آسانی ہوگی۔ ترجمہ حتی الامکان لفظی کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم اُردو زبان و ادب کے روزمرّے اور محاورے کا بھی خیال رکھا گیا ہے، جہاں خالص علمی اصطلاحات اور دقیق فنی پیچیدگیوں سے واسطہ پڑا ہے، وہاں اُردو زبان و ادب کی رعایت چھوڑ کر انہی کی زبان میں مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس بناء پر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس ترجمے میں متن کی پوری پوری رعایت اور حفاظت کی گئی ہے، تاہم اگر اس میں کہیں غلطی واقع ہوگئی ہو تو وہ میری اپنی کمزوری ہے، شاہ صاحب کی شخصیت اس سے بلند و بالا ہے۔ آخر میں مَیں اپنے فاضل دوست سیّد اسرار بخاری، ایم۔اے کا شکریہ ادا کرنا

اپنا فرض سمجھتا ہوں، جن کا تعاون اس کتاب کی تکمیل میں مجھے حاصل رہا۔

وما توفیقی الّا باللّٰہ العظیم

(سیّد) محمد فاروق القادری
شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خاں، بہاولپور
۲۵ شعبان ۱۳۹۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیۡمِ○

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علٰی خیرِ خلقہٖ و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ حقیقت اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کی باتیں گویا طائفہ الٰہی کی باتیں ہیں۔ مشائخ صوفیاء کے احوال واقوال' جوان کی کرامتوں اور استقامتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور جن کی بنیاد ان کے ظاہری و باطنی علوم پر ہوتی ہے' نوآموزوں کے لیے اشتیاق وترغیب کا باعث بنتے ہیں اور پختہ کاروں کے لیے نظامِ زندگی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے آباؤ اجداد کے تاریخی آثار سننے سے اولاد و اخلاف کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بسا اوقات حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والے اخلاف کی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور عرقِ غیرت کے جوش سے چونک کر وہ کسی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں اور میانہ رو اخلاف ذکرِ اسلاف کی برکت سے اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں' پھر یہ آگاہی ان پر رجوع اور توبہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقیرِ حقیر ولی اللہ (اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اسے سلف صالحین میں شامل کرے) نے ارادہ کیا کہ اپنے والدِ بزرگوار' قدوۃ العارفین' زبدۃ الواصلین' صاحبِ کرامات جزیلہ و مقاماتِ جلیلہ' سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) کے علمی ومجلسی فوائد میں سے کچھ نفیس واقعات و حکایات اور نادر کرامات اور تصرّفات جو کہ حضرت والد ماجد اور ان کے مشائخِ کرام سے ظہور پذیر ہوئیں' نیز طریقت وحقیقت کے رموز ونکات جو اِن بزرگوں کے سینوں کی زرخیز زمین نے بارانِ الہام سے اخذ وقبول کئے اور سالکانِ طریقت کی ہدایت کے لیے مجالسِ صحبت یا گوشہ ہائے خلوت میں جو مقامات وملفوظات ان کی زبانِ گوہر فشاں سے وقوع پذیر ہوئے اور راقم الحروف کے حافظے نے حسب استطاعت انہیں محفوظ و منضبط کیا' حیطۂ تحریر میں لائے۔

علاوہ ازیں اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار' اہل ذوق ووجود کے پیشوا' اربابِ معرفت وشہود

کے امام حلقہ سلسلۂ عارفین، رونقِ چشمِ کاملین، خدائے بے نیاز کے ساتھ پیوستہ و وابستہ سیدنا و مولانا ابوالرضا محمد قدس سرۂ الامجد کے عرفان و حقائق میں سے جو چیزیں نقلِ صحیح کے ذریعے مجھے معلوم ہوئیں، ان کی ترتیب و تالیف میں مشغول ہوں اور ان دو اہم مقاصد سے فراغت کے بعد اُن بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں، جن کے ساتھ اِس فقیر کو قرابت یا تلمذ کا قدرے تعلق رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہل زمانہ عام طور پر اور اس خاندان کے لوگ خاص طور پر ان فوائد علمی اور مقالاتِ روحانی سے نفع اندوز ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دُعاؤں میں یاد رکھیں، اس کتاب کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام انفاس العارفین تجویز کیا ہے۔ پہلے دو حصوں کو میں نے دو علیحدہ رسالوں کی شکل میں مرتب کیا ہے، ایک کا نام ''بوارق الولایۃ'' اور دوسرے رسالے کا نام ''شوارق المعرفۃ'' رکھا ہے، تیسرا حصہ پانچ مقالات پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) **الامداد فی مآثر الاجداد** (خاندانِ مصنّف کے حالات پر مشتمل)

(۲) **عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ** (مصنّف کے نہالی جد حضرت شیخ محمد پُھلتی رحمہ اللہ کے حالات میں)

(۳) **النبذۃُ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیزیہ** (مصنّف کے جدِاعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات میں)

(۴) **انسان العین فی مشائخ الحرمین** (مصنّف نے حرمین شریفین میں جن مشائخ سے استفادہ کیا، ان کا ذکرِ خیر)

(۵) **الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف** (مصنّف کی خودنوشت)

فقیر خدا سے دُعا کرتا ہے کہ ان مقامات سے اللہ اپنے نیک بندوں کو تسکین حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ بے شک وہ سب سے قریب اور سب کی سُننے والا ہے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی اور میرا بہترین ساتھی ہے۔ ہر نیکی کی توفیق اور ہر بدی سے دُوری اس بُلند و بالا ذات ہی کی طرف سے ارزانی ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

حصّہ اوّل

جناب کرامت مآب قدوۃ العارفین' زبدۃ الواصلین' سیدنا ومولانا شیخ عبدالرحیم کے پسندیدہ رُوحانی تصرفات' نایاب واقعات اور رُوح پرور وارداتِ قلبی کے بیان میں

تمام حمد وثناء اس ذاتِ الٰہ کے لیے ہے جس نے تجلیّات اور واردات کے لطیفوں سے اہل عرفان کے دلوں کو منوّر کیا اور ان کے سینوں کو بارانِ معرفت سے سیراب فرمایا اور عرفان کے نفیس نکتوں سے اور اسماء وصفات کی باریکیوں سے ان کو وہ مقام عطا فرمایا' جو نہ کسی کی چشم تصور میں آسکتا ہے اور نہ ہی دید وشنید میں اور نہ ہی بجز ان پختہ کار مردانِ احرار کے' اس مقام تک کسی کے قلب ونظر کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لُطف وکرم کی بناء پر ان مردانِ خدا کو ہر سمت وہر جہت اور ہر حیثیت سے گوناگوں انوار وتجلیّات اور برکاتِ ایزدی نے گھیر رکھا ہے اور ان مقبولانِ خدا کی زبانیں وصولِ حق' سلوک طریقت کے نکات اور حکمت واسرارِ الٰہی کی باریکیاں' کلماتِ ربّانی کے نادر حقائق بیان کرنے میں بول اُٹھیں اور ان کے ہاتھوں وہ وہ آثار وکرامات اور خلاف عادت واقعات رُونما ہوئے' جن کے سبب انہیں عامیوں سے ممتاز گردانا گیا' سو پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہے اور جو چاہے عطا کر دے' نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تقدیر پھر سکتی ہے' تحیات اور حمد وثناء اسی کو زیبا ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہی معبودِ برحق ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے عبدِ خاص اور رسول ہیں۔ یہی شہادت میری زندگی وموت کا سرمایہ ہے۔ ازل سے ابد تک صلوٰۃ وسلام ہوں' اس نبی اقدس پر' ان

کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور بندگانِ خدا کے قائد‘ بعد ازیں فقیر ولی اللہ عفی عنہ‘ عرض پرداز ہے کہ یہ چند کلمات حضرت والد بزرگوار‘ قدوۃ العارفین‘ زبدۃ الواصلین‘ صاحبِ کرامات جزیلہ مقاماتِ جلیلہ سیّدنا ومولانا شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ العزیز کی کرامات‘ وقائع اور احوال واقوال پر مشتمل ہیں‘ جن کا نام میں نے ”بوارق الولایۃ“ رکھا ہے۔ اللہ ہی مجھے کافی ہے‘ جو میرا بہترین ساتھی ہے‘ وہی نیکی کی توفیق دیتا ہے اور بدی سے باز رکھتا ہے۔

زندۂ جاوید

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے آغازِ کار میں (اپنے نانا) شیخ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ کے مزار مبارک کے ساتھ موانست و رغبت پیدا ہو گئی تھی‘ چنانچہ میں وہاں جا کر ان کے مزار کو مرکزِ توجہ بنایا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر غَیبت کا ایسا حال طاری ہوتا کہ مجھے سردی وگرمی کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیتا تھا۔

میراثِ ولایت

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدین رحمہ اللہ نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اثاث البیت جمع کیا اور وارثوں میں تقسیم کر دیا‘ اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے حسب ضرورت دیا۔ جب سب سے چھوٹی اولاد (یعنی والدۂ حضرت شیخ عبدالرحیم) کی باری آئی تو انہیں مشائخِ کرام کا شجرہ‘ خاندانی اوراد اور فوائد طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ عنایت فرمایا۔

شیخ کی رفیقۂ حیات نے کہا کہ یہ بچی غیر شادی شدہ ہے‘ اسے تو جہیز اور اسبابِ خانہ چاہیے‘ نہ کہ رسائلِ تصوّف۔ فرمایا: یہ رسائل ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں‘ اس عفیفہ کے بطن سے اس معنوی میراث کا مستحق ایک بچہ پیدا ہو گا۔ ہم نے یہ روحانی میراث اسی کے لیے دی ہے۔ باقی رہے‘ اسبابِ خانہ تو وہ خدا میسّر کر دے گا‘ ہمیں اس کا غم نہیں‘ بہت عرصے بعد جب میں (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی اور انہوں نے وہ رسائل مجھے دے دیئے۔ کچھ دنوں بعد وہ کھو گئے‘ اگرچہ بشارت کا لفظ مشترک تھا لیکن ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر اور مقصود بشارت کو متعین کر دیا کیونکہ حضرت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ (حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے بڑے بھائی) اُن دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور بھائی عبد

الحلیم (حضرت شاہ عبدالرحیم کے چھوٹے بھائی) ابھی تک متولد نہیں ہوئے تھے۔

آثارِ سعادت

فرماتے تھے کہ میرے خالو شیخ عبدالحی رحمہ اللہ نہایت نیک مرد تھے، جو دنیا سے روگرداں اور طریقِ اسلاف پر گامزن تھے، وہ اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں رہے، مگر اولاد ان سے متاثر نہ ہو سکی، جس کے سبب وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے مجھے دیکھا کہ میں نے باوجود کم عمر ہونے کے سَر سے پگڑی اُتار کر گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی اور تمام سنتوں اور نوافل کی رعایت کے ساتھ وضو کر رہا تھا، مجھے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کِھل اٹھا اور خدا کا شکر کرنے لگے، کہنے لگے کہ جب میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اولاد میں نہ دیکھا تو ڈرا کہ شاید ہمارے اسلاف کا رُوحانی سلسلہ ہمارے بعد منقطع ہو جائے، مگر ابھی معلوم ہوا کہ اس میراث کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے، جو اگرچہ سلسلۂ فرزندان میں سے نہیں، مگر یہ کیا کم ہے کہ دخترِ نیک اختر کے نسب سے تو ہے۔

کاتب الحروف (مصنف شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آرہا تھا کہ ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔

شہبازِ قُدس

فرمایا کہ میں نو یا دس برس کا تھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق ایک بزرگ خواجہ ہاشم[1] نامی بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلّہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ مجھ پر اکثر توجہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں ایک درود جانتا ہوں، جس کے پڑھنے سے آدمی دولت مند ہو جاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے بیزار تھا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ والد ماجد کے ذریعے میری ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ مزید احتیاج نہیں رکھتا، یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

[1] غالباً خواجہ ہاشم سے مراد حضرت شیخ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ ہیں، جو حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے برکات الاحمدیہ الباقیہ کے نام سے حضرت مجددؒ ان کے پیرو مرشد اور خلفاء و صاحبزادگان کے حالات پر نہایت جامع اور مستند کتاب لکھی ہے۔ کشم بخارا کے علاقے میں ایک قصبہ کا نام ہے۔

چند دنوں بعد پھر فرمانے لگے: مجھے بزرگوں سے ایک دعا ملی ہے' جسے کوڑھی پر دَم کیا جائے تو کوڑھ فوراً کافور ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے اور اگر کوئی کوڑھی نظر پڑا تو آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد فرمایا کہ درود اور دُعا سے ہماری غرض تمہیں شکار کرنا تھا' کیونکہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو' مگر معلوم ہوا کہ تم انتہا درجے کے بُلند ہمت ہو۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ اشغالِ صوفیاء میں سے کسی شغل کو اپنا مطمح نظر بناؤ۔ جس پر میں نے کہا: سَر آنکھوں پر! اس پر انہوں نے مجھے شغل ''استکتاب'' کی تلقین فرمائی' یعنی اسم ذات (اللہ) کو لگاتار کسی تختی یا کاغذ پر لکھتے رہنا چاہیے تاکہ کثرتِ نگاہ کے سبب قوتِ متخیلہ میں جاگزیں اور پیوست ہو جائے۔ یہ مشغلہ میں نے شروع کیا' جو مجھ پر حاوی ہو گیا۔ ان دنوں میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھوں۔ جب لکھنے لگا تو کم و بیش ایک کاپی کے بقدر اسم ذات لکھتا رہا' مگر مجھے کوئی شعور نہ رہا۔

تاثیر فیضانِ نبوّت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں اندازاً بارہ تیرہ برس کا تھا کہ حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجسّم سامنے دیکھا' انہوں نے ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی۔ قوتِ نبوت کے سبب ان کی اس تلقین نے اس قدر تاثیر دکھائی کہ اس عمر میں تحصیلِ علم کی مشغولیت اور قلتِ توجہ کے باوجود برکاتِ ذکر اس انداز میں ظہور پذیر ہوئیں کہ کامل اور قوی الطلب طالبانِ حق سے دیکھنے میں نہیں آئیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا' فرمایا: اے بیٹے! ارادت کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ تجھے قبول فرمائیں' اس کے بعد تجھے اختیار ہے۔ یہ واقعہ میں نے خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں ذکر کیا اور اس کی تعبیر چاہی اور عرض کی کہ اس شہر کے اہلِ عرفان میں بجز آپ کے اور کوئی خواجہ کے لقب سے مشہور نہیں۔ فرمانے لگے: اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وایمن التحیات کی بیعت نصیب ہو گی اور اس فقیر کا مرتبہ اس سے کمتر ہے کہ شیخ عبدالعزیز مجھے خواجہ سے تعبیر کریں۔

فقیر (مصنّف) کو اسی طرح یاد ہے۔ بعض احباب شیخ عبدالعزیز کی جگہ خواجہ نقشبند رحمہ

اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

سیرِ ولایت

اس کے بعد میں ظہورِ تعبیر کا منتظر رہا اور اکثر درود پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات درود پڑھ رہا تھا کہ ایک نورانی شبیہ چاند کی شکل میں ظاہر ہوئی حالانکہ اس رات چاند نمودار نہیں تھا اور آہستہ آہستہ پوری روئے زمین پر پھیلنا شروع ہوئی' اس کے بعد وہ میرے سَر اور جسم پر وارد ہوئی' جب تک وہ نورانی شبیہ میرے سر سے قدرے پَرے تھی تو میں ذوق و شوق میں سرمَست ہو رہا تھا۔ جب عین سَر پر آئی تو بے ہوش ہو گیا اور نظر بہ ظاہر میرا وجود غائب ہو گیا۔ واللہ اعلم' کیونکہ میرے والد نے مجھے بہت ڈھونڈا' مگر نہ پایا جس کے سبب ان پر اضطراب اور پریشانی چھا گئی۔ اسی غیاب اور گمشدگی کی حالت میں' میں نے آسمان پر آسمان طے کرنا شروع کئے' یہاں تک کہ ان سب کو پار کر گیا' حتیٰ کہ بارگاہِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جا پہنچا' جہاں انہوں نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر نفی و اثبات کی تلقین فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا اور اپنی پہلی حالت میں آ گیا۔ چند دنوں بعد خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا' وہ انجام پذیر ہو چکا ہے' اب میری اصلاح و تربیت کا کیا سامان ہو گا؟ فرمانے لگے کہ ظاہراً بھی ضرور کسی سے بیعت کرنی چاہیے۔ عرض کی: جی چاہتا ہے کہ آپ سے بیعت کر لوں۔ فرمانے لگے: تمہیں بہت ہی دوست رکھتا ہوں' نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنی بیعت میں لوں۔ عرض کی: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ دوستی' بیعت نہ لینے کا سبب کیونکر ہو سکتی ہے؟ فرمایا: مطلب یہ ہے کہ میں بعض غیر شرعی اُمور کا مرتکب ہوں اور اتباعِ سنّت میں قدرے غفلت و کاہلی کا روادار! کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے تعلق و ربط کی بناء پر تمہارے قدم جادۂ شریعت سے ہٹ جائیں۔ ہاں! البتہ صحبت و مجلس میں آتے رہو' فیض و بخشش سے کبھی دریغ نہ کروں گا۔ عرض کی: تو پھر جس سے فرمائیے توسّل کر لوں۔ فرمانے لگے: اگر شیخ آدم[1] بنوری رحمہ اللہ قدس سرہ کے خلفاء میں

[1] سید آدم بنوری حسینی رحمہ اللہ آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا' مگر بنور میں سکونت اختیار کر لی تھی' سلوک کی ابتدائی تعلیم حاجی خضر سے حاصل کی' بعد ازاں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ اُمّی محض تھے' لیکن باطنی طریق پر قرآن مجید حفظ کر لیا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے کوئی مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ کیونکہ یہ لوگ اتباعِ شریعت' ترکِ دنیا اور تہذیبِ نفس میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسروں کو میسّر نہیں۔ عرض کی کہ ہمارے پڑوس میں ان کے خلفاء میں سے سید عبداللہ رحمہ اللہ قیام پذیر ہیں۔ فرمایا: غنیمت ہیں۔ جلد ہی ان سے ربط پیدا کرنا چاہیے' ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود اس کے کہ تنہائی' عزلت نشینی اور کم آمیزی ان پر غالب تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی بیعت میں قبول فرمالیا۔ بیعت کے بعد میں حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ اور سید عبداللہ رحمہ اللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا۔

نفی و اثبات اور سرورِ کائنات ﷺ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اسم ذات[1] کا شغل جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا' مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت ہی کیف و سرور حاصل کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں شغل نفی و اثبات[2] نہیں کرسکتا تھا۔ اگر کبھی کرتا تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی اور اس پر قادر نہ ہوسکنے کی بناء پر میں ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔ حضرت سیّد عبداللہ قدس سرہٗ سے اس کوتاہی کا علاج دریافت کیا۔ بارہا توجہ فرمائی' مگر عقدہ حل نہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور دیگر علوم بھی حاصل کیے۔ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زائد طالبانِ معرفت ہر وقت جمع رہتے تھے۔ ایک دنیا آپ سے فیض یاب ہوئی۔ ایک سو کے قریب نامور خلفاء ہیں۔ خیر البلاد مدینہ طیبہ میں ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ میں انتقال فرمایا' جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب مدفون ہیں۔

[1] اسم ذات کا شغل یہ ہے کہ اسم ذات (اللہ) کا لطیفۂ قلب میں دھیان رکھے' جس کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ بلالحاظ وقت و طہارت' ہاں طہارت اولیٰ ہے کیونکہ جاہ و مطہر کا ذکر طہارت سے ہونا چاہیے۔

[2] شغل نفی و اثبات' دَم بند کرے اور لا کو لطیفۂ سِرّی خفی اخفی تک۔ وہاں سے الٰہ لطیفۂ روحی تک۔ وہاں سے **الا اللّٰہ**' اور ہائے **اللّٰہ** دل پر مارے۔ ایک ہی حبس میں اکیس دفعہ دوسری بار **محمد رسول اللّٰہ** ملائے۔ اگر اکیس تک نہ پہنچ سکے تو جہاں تک پہنچ جائے۔ یہی عدد اکیس بار تمام وظیفہ ہے۔

فرمانے لگے کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کے انفاسِ طیبہ کی توجہ کے سبب استحکام حاصل کرے، ہم اس میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور رجوع کیجئے، اس نقص و خامی کا علاج ان کی بارگاہ سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں التجا کی، جس کے نتیجے میں شغل نفی و اثبات مجھ پر غالب آیا اور بہت ہی آسان ہو گیا۔ اس انداز پر کہ میں کم سنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دو سو مرتبہ یہ ذکر کر سکتا تھا۔ میں نے کسی طالبِ حق میں اس ذکر کے لیے ایسی جذب و کشش نہیں دیکھی، باوجود اس بات کے کہ میں تحصیلِ علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانعات بھی حائل تھے، مجھے نفی و اثبات میں سُرور حاصل ہونے لگا۔

حضرت خواجہ حافظ سیّد عبداللہ قدس سرہٗ

شوقِ علم و ہدایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ رحمہ اللہ اصل میں قصبہ کھیڑی کے رہنے والے تھے، جو بارہہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیڑی وطن بنا لیا تھا۔ کم سنی ہی میں ان کے والدین فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جگہ جگہ اولیائے کرام کی تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے، جو علمِ قرأت میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے بالکل فارغ البال اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سیّد صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق طلب کرنے لگے، ان بزرگ نے سیّد صاحب سے فرمایا کہ تمہاری تلقین و ہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے، جہاں تم ان شاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ ہاں حفظِ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سیّد صاحب اسی جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا، ان بزرگ کے فیضِ محبت سے گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی

کے انداز حاصل کیے۔

مجالسِ قرآن میں حضور ﷺ کی تشریف آوری

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دن وہ بزرگ اور حضرت سیّد صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت، سبز پوش، گروہ در گروہ ظاہر ہوئے۔ ان کا سردار مسجد کے قریب کھڑا ہو کر ان قاریوں کی تلاوت سُننے لگا اور کہا: ''بارک اللّٰہ ادیّت حقَّ القُرآنِ '' (اللہ برکت دے، تلاوتِ قرآن کا خوب حق ادا کیا) یہ کہہ کر واپس پلٹے۔ ان بزرگ کی عادت تھی کہ تلاوتِ قرآن کے وقت آنکھوں کو نیند کی سی حالت میں رکھتے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب زیرِ تلاوت سورت کو آخر تک پہنچایا تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اُٹھا، مگر عظمتِ قرآن کے سبب میں اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکا۔ سیّد صاحب نے کہا: قبلہ! یہ اس وضع کے لوگ تھے، جب ان کا سردار پہنچا تو مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں، مجبوراً اٹھا اور ان کی تعظیم بجا لایا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی وضع قطع کا ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کل مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے اس جنگل کے رہنے والے حافظ کی تعریف وصفت فرما رہے تھے اور ساتھ ہی فرما رہے تھے کہ کل علی الصباح ہم اُسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سُنیں گے، کیا آپ تشریف لائے تھے یا نہیں؟ اگر آئے تھے تو کدھر کو گئے۔ ان دونوں بزرگوں نے جب یہ بات سُنی تو دائیں بائیں دوڑے مگر کوئی نشان نہ پایا (اللہ ان دونوں کی قبروں پر رحمت کے پھول برسائے)۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کا گمان ہے کہ حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد مدتوں اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی، جسے لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔

طالبانِ حق کے ادنیٰ مجاہدات

جب حفظِ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رُخصت عطا فرمائی کہ جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحبِ ولایت ملے، اس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو۔ یہ سیر کرتے ہوئے ''سامانہ'' میں شیخ ادریس سامانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں جا پہنچے۔ یہ بزرگ

متوکل تھے اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے فرمایا کہ فقیر بہت سارے ہیں، کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ میرے پاس تو اس مُردے[1] کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا جو طعام، لباس اور تعلقاتِ دنیوی سے بالکل کٹ چکا ہو اور حوائجِ ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ عبداللہ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور ان کے سامنے راہِ سلوک طے کرنا شروع کیا، بلکہ مردانہ وار اس اختیاری موت پر صابر اور رضامند رہے۔ یہ دیکھ کر ان پر حضرت شیخ نے اپنی توجہ بڑھا دی۔ اسی اثناء میں شیخ کا بیٹا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا، جس کی بناء پر شیخ کی توجہ دُونی ہو گئی اور انہوں نے بھی شیخ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت حافظ سیّد عبداللہ فرماتے تھے ان دنوں میں نے اپنی عادت بنالی تھی کہ درویشوں کے لیے استنجے کے ڈھیلے پتھر سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا۔ ایک روز اسی حقیقت پر غور کرنے سے اپنے اندر کبرونخوت اور خود پسندی کا شُر در پایا۔ شیخ میری اس حالت پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میرے چہرے اور جسم پر کوئی نشان یا تبدیلی دیکھتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے لیے استنجوں کے ڈھیلوں کو اپنے چہرے اور بدن سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا اور اس سے مجھے ایک روحانی لذت ملتی تھی۔ یہ زخموں کے نشانات اسی کی یادگار ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ حضرت شیخ اور اُن کے اہلِ خانہ کے کپڑے ہر جمعرات کو ندی کے کنارے لے جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تاکہ نمازِ جمعہ صاف ستھرے کپڑوں سے پڑھ سکیں۔ ایک بار اتفاق سے جمعرات کے دن میں فاقہ سے تھا اور دستور کے مطابق کپڑے سر پر اُٹھا کر ندی کے کنارے چلا گیا۔ آدمیوں سے ایک طرف ہو کر

---

[1] رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی نیت سے ایسا کرنا مذموم ہے، مگر نفس کُشی اور پوری توجہ ایک نقطے پر جمانے کے لیے یہ عمل محمود ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بعثت سے پہلے غارِ حرا میں قیام فرمایا، ذاتِ حقیقی کے عرفانِ خالص کی خاطر دنیاوی آلائشوں سے یکسوئی ہی کا یہ عمل ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا۔ یا حضور ﷺ کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرمانا کہ اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کر۔ (ترمذی)

کپڑے دھونے میں مشغول ہو گیا۔ جب سورج تیز ہو گیا' بھوک اور پیاس کی شدت نے غلبہ پایا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ناگاہ ایک برقع پوش میرے سر پر پہنچا اور مجھے بیدار کیا' برقعے میں سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور کہا: کیا تو نے یہ نہیں پڑھا: ''ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ'' (اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں شیطان تو نہیں جو مجھے دھوکا دے رہا ہے؟ اس بناء پر میں نے روٹی قبول نہ کی' وہ بزرگ میرے اس اندیشے پر مطلع ہوئے فرمایا: اے فلاں! یہ گمان مت کر۔ یہ لفظ سنتے ہی یہ خیال میرے دل سے دُور ہو گیا۔ میں نے روٹی پیٹ بھر کر کھائی۔ دل میں خیال آیا کہ نہر کا پانی گرم ہے' کاش یہاں ٹھنڈا پانی ہوتا تا کہ سیر ہو کر پیتا۔ وہ اس کھٹکے پر بھی مطلع ہو گئے اور برقع کے اندر سے مجھے پانی کا آبخورہ نکال کر دیا' نہایت ٹھنڈا پانی تھا۔ میں نے جی بھر کر پیا اور پھر کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی مجھے دیکھا' فرمانے لگے: سید! خضر (علیہ السلام) کے ہاتھ سے روٹی لے لی؟ محمدیوں کو خضر[1] کا احسان ہرگز نہیں اٹھانا چاہیے۔

عالمِ استغراق

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے: ایک مرتبہ حضرت خواجہ ادریس سامانی رحمہ اللہ حجرے میں یادِ خدا میں مشغول تھے۔ ان کے اہل خانہ کی عادت تھی کہ ہر سال اسی حجرے میں جانوروں کے لیے گھاس' بھوسا وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی گھڑی اہل خانہ نے حُجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی۔ انہیں حجرے میں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہو سکا۔

[1] حضرت خضر علیہ السلام کے نسب و خاندان اور دیگر حالات کے بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں ملتیں۔ قرآن مجید سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ کے ایک برگزیدہ بندے سے ملاقات ہوئی تھی۔ جن کو علم لدنی حاصل تھا اور یہ علم علوم تشریعی سے جداگانہ تھا۔ حضرت خضر کے بارے میں آبِ حیات کا جو افسانہ لوگوں میں مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے' رہی یہ بات کہ وہ زندہ ہیں اور مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں' اگرچہ یہ بات براہِ راست کتاب و سنت سے مُستند طور پر تو ثابت نہیں ہوئی' مگر اکثر علماء' مشائخ' صوفیاء اور اہل معرفت کے نزدیک ان کا زندہ ہونا متفق علیہ ہے' چنانچہ حضرت خضر کی زیارت' ملاقات' مشکل معاملات میں ان کی دستگیری کے قصے اس کثرت سے زبان زد خاص و عام ہیں کہ ان کا شمار اور انکار نہیں۔

نیز شیخ بھی اپنی ہستی سے اس قدر بے خبر اور محو تھے کہ انہیں اپنے اوپر گھاس پڑنے کا احساس تک نہ رہا۔ چنانچہ حُجرے کو گھاس سے بھر کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ گچھ کی گئی۔ مسجد میں بھی ڈھونڈا گیا' لیکن کہیں نہ ملے۔ آنے جانے والوں سے پوچھا گیا' کچھ معلوم نہ ہوا۔ مایوس ہو کر تلاش و تجسّس بھی چھوڑ دی۔ چھ ماہ بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھلا اور گھاس باہر نکالنے لگے۔ بالآخر ایک دن گھاس اُٹھانے والے کا ہاتھ شیخ پر جا پڑا تو وہ چونک اُٹھا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ جب اچھی طرح ٹٹولا تو شیخ کو پہچان لیا' یہ سُن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور اس وقت شیخ کو بھی حالتِ سکر سے افاقہ ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نہ تو انہیں درازیٔ مدت کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم و جان پر کچھ نہ کھانے پینے سے کوئی اثر پڑا اور یہ واقعہ عجیب و غریب واقعات میں سے ہے۔
واللہ اعلم

مقام مجدّد رحمہ اللہ تعالیٰ

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ[1] کے ارشادات و کمالات

---

[1] حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ المعروف مجدد الف ثانی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبدالاحد فاروقی رحمہ اللہ بھی مشہور عالم اور بزرگ تھے۔ مجدد الف ثانی نے سترہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون اور حفظِ قرآن سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے طریقۂ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ سکندر رحمہ اللہ نبیرۂ شاہ کمال کیتھلی رحمہ اللہ اور طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے خلافت و اجازت حاصل کی' احیائے سنت کے سلسلے میں آپ نے بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ اکبر کے دینِ الٰہی اور جہانگیر کے غیر اسلامی رسوم کے خلاف یہ مردِ خدا علی الاعلان ڈٹ گیا۔ ہمارے دینی لٹریچر میں آپ کے مکتوبات کا بہت اہم مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ ہر دور کے مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے اور آپ کی ذات عالمِ اسلام کی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک ہے۔ آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ شیخ احمد وہ آفتاب ہے جس میں ہم جیسے کئی ستارے گم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے متقدمین صوفیاء کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا' جو بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا' آپ کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔ سرہند شریف میں مزار مرجع خلائق ہے۔

عام ہوئے تو شیخ ادریس رحمہ اللہ نے ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں تو آسمان کو معدوم پاتا ہوں اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کو بھی موجود نہیں پاتا اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی غیر موجود پاتا ہوں اور وجودِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو بے پایاں ہے' جس کی انتہا کو کوئی نہیں پا سکا۔ تمام مشائخ بھی محض یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں اور اس مقام سے آگے کوئی نہیں جا سکا۔ اگر آپ بھی اسی انتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی دوسری بات اس کمال سے وراء معلوم ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجئے تا کہ ہم اور ہمارے ایک دوست جو اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں' وہاں تک پہنچ سکیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا:

میرے مخدوم! یہ اور اس قبیل کے دوسرے حالات تلوینِ قلب[1] کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقاماتِ قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا۔ ابھی اُسے تین حصے طے کرنے چاہئیں تا کہ معاملۂ قلب کو بتمام وکمال طے کر کے سمجھ سکے۔ مقامِ قلب سے گزرنے کے بعد مقامِ روح آتا ہے۔ مقامِ روح[2] سے آگے بڑھیے تو مقامِ سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقامِ سر کو طے کیجئے تو مقامِ خفی تک رسائی ہوتی ہے۔ تب جا کر کہیں مقامِ اخفیٰ کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ قلب پر کچھ اور اثرات بھی مرتسم ہوتے ہیں' جن کے احوال و کیفیات جُدا جُدا ہیں۔ ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنا چاہیے (آخر مکتوب تک)۔

یہ خط پڑھ کر شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی خدمت

---

[1] تلوینِ قلب راہِ سلوک میں ابتدائی منازل کا نام ہے' جہاں ابھی تک سالک صفات کے چکر میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی' ان حالات کے تعدد کی وجہ سے قلب کو قرار حاصل نہیں ہوتا' اسی کیفیت کا نام تلوین ہے۔

[2] مکتوب گرامی میں لطائف ستہ کی طرف اشارہ ہے جو یہ ہیں: (۱) قلب (۲) روح (۳) نفس (۴) سر (۵) خفی (۶) اخفی۔

میں حاضری دینے اور ان کی عزیمتِ صحبت سے فیض حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا' مگر بعض موانعات کے سبب ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی' یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندی کے ایام رُشد و ہدایت پورے ہو گئے۔

کچھ بعید نہیں کہ یارِ دیگر سے مراد سید عبداللہ شاہ ہوں۔ فقیر (مصنف) کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد یہ قصہ حضرت شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کے سلسلے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

ولی کی وسعتِ نظر

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہر چیز میں ایک خدا نظر آتا ہے اور ہر در و دیوار کو اس ایک نُور کی تجلیات سے بھرپور پاتا ہوں۔ شیخ آدم نے جواب میں لکھا کہ بابرکت اور عجیب حالت ہے' لیکن کاملینِ سلوک کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی! کسی کوچۂ تنگ سے گزرنے کا سوال نہیں کہ راہِ سلوک میں اتنے سمٹ کر رہ گئے ہو۔ یہاں تو ایک شاہراہِ عظیم کھلی ہوئی ہے' جس پر توسنِ فکر و خیال کو بڑھا چڑھا کر دوڑایا جا سکتا ہے۔ یہ پڑھ کر ان پر شیخ آدم رحمہ اللہ کی ملاقات کا شوق غالب آیا' مگر قضائے الٰہی کہ وہ انہی دنوں بیمار ہو کر رحمتِ خداوندی کے سائے میں چلے گئے۔ اور سید عبداللہ اسی واقعے کی بناء پر ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے۔

(نوٹ) معلوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو سہو و نسیان سے ذرا تبدیل ہو گیا یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

حاصلِ کلام سید عبداللہ' شیخ آدم بنوری قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صورت میں ایک عالی مقام' متبع شریعت' حاملِ عرفان بااثر شیخ کو پا لیا۔ ان کی طرزِ زندگی اور طریقِ فقر کو پسند کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی قوتوں کو شکست دے کر مدتوں ان کی صحبت میں مستحکم اور مقیم رہے۔ واضح رہے کہ سید عبداللہ رحمہ اللہ کے چچا یا چچازاد بھائی جن کا نام نامی سید عبد الرحمٰن تھا' نہایت خوش حال تھے اور ان کا شمار بڑے امراء میں ہوتا تھا' مگر ساتھ ہی دین داری میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت والد ماجد ان کی دین داری کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ امیر نما درویش بھی شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کا مرید تھا۔ اسی بناء پر حضرت سید عبداللہ

انتقالِ شیخ کے بعد ہمیشہ سید عبدالرحمٰن کی صحبت میں رہتے تھے اور آپس میں انتہائی محبت وانس رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عفیف و پاک دامن تھے۔ زندگی بھر شادی نہ کی۔ محلہ ''کوشک نز'' میں حضرت عبداللہ کی اقامت کا سب سے بڑا سبب سید عبدالرحمٰن موصوف کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات میں جو سید عبداللہ کے نام لکھے جاتے رہے' سید عبدالرحمٰن کا ذکر بھی متصلاً ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو مکتوب بعینہٖ نقل کیے جاتے ہیں' جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوئے۔

نامہ شیخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ
خیرِ خلقہٖ محمّد و آلہٖ اجمعین الاکرمین.

اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق جمعیّتِ خاطر اور اطمینانِ قلب کی توفیق ارزانی کرے اور ہمارے دلوں کو خالص و مخلص رکھے۔

زاں یارِ دلنوازم شکریست نے شکایت گر نکتہ دانِ عشقی خوش بشنو ایں حکایت

(اگر نکتہ داں عشق ہو تو مجھ سے یہ لُطف انگیز بات سنو کہ اس محبوب دلنواز کا ہر حالت میں شکر گزار رہنا چاہیے۔ کسی بھی عالم میں زبانِ شکایت نہ کھولئے۔)

ہمارا یہ فقیرانہ سلام نامہ ان برادرانِ معنوی تک بطریقِ انتباہ مطالعہ سے گزرے کہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا۔ اللہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے ہی راہِ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق' اس کے حبیب' آلِ اطہار' اصحابِ کبار اور تابعینِ ذی وقار کے طفیل نصیب ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوٰۃ و سلام ہوں۔ یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تسلیمات مطالعہ فرمائیے۔

حضرت شیخ آدم بنوری کا دوسرا مکتوب جو سیادت پناہ سید عمادؒ حافظ عبداللہ اور حافظ عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی خیر خلقہٖ

محمدٍ و آلہٖ اجمعین الاکرمین

بندگان اخی معنوی سیادت پناہ وتوفیق آثار سید عماد و حافظ عبدالرحمٰن سلامِ فقیرانہ کے بعد مطالعہ فرمائیں کہ اس طرف کے حالات لائقِ حمد وشکر ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی و استقامت اللہ سے مطلوب ہے۔ وہی ذاتِ پاک نخلِ تمنا کو بار آور کرنے والی ہے۔ خلاصہَ کلام یہ کہ آنجناب کا ایک ایک گرامی نامہ جو اخلاص سے پُر تھا "بارہا" سے اور دوسرا عنایت نامہ محترم حافظین (حافظ عبداللہ و حافظ عبدالرحمٰن) کا لکھا ہوا اکبرآباد سے موصول ہوا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ حضرات صحت و سلامتی سے ہیں اور فقیروں کی یاد سے بھی غافل نہیں۔ بہرحال اُمیدوار ہوں کہ اس اخلاص کا نتیجہ سعادتِ دارین کی صورت میں نمودار ہو گا (اللہ کے فضل و احسان سے)۔ اے بھائی! وقت ایک چلتا دھارا ہے' گریہ وزاری اور صدقِ دل سے دعاؤں میں سعی وکاوش دکھانا ضروری ہے' تاکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بقیہ زندگی اس دارِ فانی میں ضائع کرنے سے بچائے۔

تصفیۂ قلب

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آغاز کار میں جب میں شیخ آدم رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا' میرا قلب نسبتِ روحانی سے بالکل خالی ہو گیا اور جمعیتِ خاطر میں فتور ظاہر ہونے لگا۔ میں پریشان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی۔ فرمایا: پہلی نسبت سرکہ کا حکم رکھتی ہے اور جو جمعیتِ قلب ہماری صحبت میں پاؤ گے' اس کی مثال گلاب کی سی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنے کا ارادہ کیا جائے تو سب سے پہلے بوتل کو خوب دھو کر صاف کیا جاتا ہے تاکہ سرکے کا ذرہ بھر بھی اثر باقی نہ رہے' تب وہ بوتل گلاب کے قابل بنتی ہے۔

کلامِ ربّانی کی تاثیر و اعجاز

حضرت والد صاحب شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کی اولاد میں سے کسی بزرگ سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبداللہ صحبتِ شیخ آدم کے دوران ایک دن کسی درخت کے نیچے پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ آنکھیں بند کیے تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ اسی اثناء میں بہت سی چڑیاں درخت سے گر کر مرتی رہیں اور وہ لوگ جو ماوراء النہر سے حضرت شیخ کی بیعت کے

لیے آئے ہوئے تھے ذوقِ سماع سے وجد میں آ گئے۔ کسی نے حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ کو اس صورتِ حال سے مطلع کیا' آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ حافظ! اب بس کرو۔ حافظ نے آنکھ کھولی' انکساری کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور چپ سادھ لی۔

حضرت والد گرامی فرماتے تھے کہ سیّد صاحب جب بھی قرآن پڑھتے' مسجد میں کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو ان کی قرأت سُن کر ذوقِ سماع سے سَر نہ دُھن رہا ہو۔ ایک مرتبہ دارا شکوہ نے نَو قاری ان کے امتحان کے لیے بھیجے۔ ہر ایک مختلف قواعد مثلاً وقف' مد' تفخیم' ترقیق' ریملون وغیرہ میں امتحان لینا چاہتا تھا اور حضرت حافظ سے ان قواعد میں قرأت کی استدعا کر رہا تھا۔ سید صاحب نے فرمایا: اگر دو رکوع سُننا چاہتے ہو تو ابھی سنائے دیتا ہوں اور اگر تھوڑا سا انتظار کر لو تو نمازِ چاشت کے بعد دو پارے سُنا دوں گا۔ چنانچہ یہ حضرات رُک گئے' مگر ان دو پاروں کی قرأت میں کوئی لائق بحث بات نہ پا سکے۔ فراغت کے بعد حضرت حافظ نے فرمایا کہ لوگ سات قرأتوں کو اس طریق پر پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو مختلف طریق سے تلفظ کرتے ہیں' مگر یہ طریقہ میرے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک بار طریقِ عاصم کوفی پر تلاوت کی جائے کہ دوسرے کسی کا طریقہ بھی اس قرأت میں مخلوط نہ ہو اور دوسری بار تمام قرآن کو ابو عمرو کے طریق پر پڑھا جائے اور اس میں دوسروں کے طریق کو نہ ملایا جائے اور اسی طریق پر باقی تمام قرأتوں کی تکمیل کی جائے۔ یہ سُن کر ممتحن قاری عاجز آ گئے۔

کشف و کرامت نہیں' جُہد و اِستقامت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں نے یہ نکتہ حضرت حافظ صاحب سے کئی بار سُنا کہ "کفش برسرِ کشف" (کشف و کرامت کے سَر پر جوتے) یعنی صوفیاء کے نزدیک استقامت معتبر ہے نہ کہ کرامت۔ قبلہ والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ عُزلت و گمنامی تھا۔ لوگوں میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ کوئی انہیں کسی خصوصیت سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اکثر بوڑھی یا بیوہ عورتوں کے دروازوں پر چکر لگایا کرتے تھے تا کہ انہیں پانی' اناج وغیرہ ضروریاتِ خانگی بازار سے لا کر دے سکیں۔ بسا اوقات ضعیف خادمائیں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب ان کی یہ خدمات اپنے ذمے لے کر

منزلِ مقصود تک پہنچا آتے اور ساتھ ہی کہتے کہ آقاؤں سے مت کہنا تاکہ وہ تمہیں ایذاء نہ دے سکیں۔ الغرض باوجود اس گمنامی اور انکساری کے شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کے صحبت یافتگان جیسے شیخ عبداللہ کوہاٹی جن کا لقب حاجی بہادر تھا، شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔

اہلِ دل سے پردہ

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ سنایا کرتے تھے کہ طلب کے ابتدائی ایام میں، میں ایک مجذوب کی خدمت میں پہنچا، جو ہمیشہ بازاروں میں ننگے پھرا کرتے تھے، جب مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے پیچھے تیز تیز چلنے لگا۔ جب قصبے سے باہر آئے تو وہاں ایک بڑھیا لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ مجذوب نے اس کا دوپٹہ لے کر تن ڈھانپ لیا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا: السلام علیکم! پھر کہنے لگے کہ اس وقت میں ننگا تھا اور تم سے حیا آ رہی تھی، مگر تم نے میرا تعاقب کیوں کیا؟ عرض کی: میں جانتا تھا کہ آپ کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ فرمانے لگے: قصبے والے جانور ہیں "**اولئک کالانعام بل هم اضل سبیلا**" (یہ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے)، اس لیے ان سے پردہ نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی اہلِ دل پہنچ جاتا ہے تو پابند ہو جاتا ہوں[1]

مستقبل بینی

والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ فرماتے تھے: جن دنوں شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ قدس سرہٗ نے حج بیت اللہ کا عزمِ مصمم کیا، میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے مجھے جانے سے روک دیا، روانہ ہونے لگے۔ میں نے عرض کی کہ اہل و عیال والے تو دولتِ ہمراہی سے مشرف ہو رہے ہیں، فقیر جو غیر شادی شدہ ہے اور کسی کے نان و نفقہ کا متحمل

---

[1] سرمد شہید رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اکثر برہنہ رہا کرتے تھے۔ علماء نے اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ پر زور دیا کہ وہ سرمد شہید رحمہ اللہ کو اس حرکت کی سزا دیں۔ جب بادشاہ نے سرمد شہید رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

آنکس کہ ترا تاجِ جہانی داد — مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشانید لباس ہر کرا عیبے دید — بے عیباں را لباس عریانی داد

بھی نہیں، اسے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ تمہارا ٹھہرانا حکمت پر مبنی ہے، جو تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت سے عہدہ برآ ہونا تھا۔

ہونہار بروا

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبداللہ سُنایا کرتے تھے کہ جب تم (شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ) بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے تو ہم اپنے دل میں تمہارے لیے کشش محسوس کرتے تھے اور دُعا کیا کرتے تھے: بارِ خدا! اس بچے کو زمرۂ اولیاء میں شریک کر اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ! کہ میری دعاؤں کا اثر ظہور پذیر ہوا۔

کرامتِ مکتب یا فیضانِ نظر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے۔ اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے، باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ ان کی اس روش سے ایک رات میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس خیال کے اظہار کی خاطر ان کے حجرے میں چلا گیا۔ گرمی کا وقت تھا، کپڑے بدن سے اُتار رکھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا: میرے جسم کی میل کھرچ لو۔ میں انتہائی مسرت سے بدن کی میل صاف کرنے لگا، درمیان میں فرمایا: پُورے ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو، یہ کام تو دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے دو انگلیوں سے میل صاف کرنے پر اکتفاء کی۔ پھر فرمایا: راہِ طریقت میں طالب سے خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ میرے ساتھ پیوست ہو کر تم نے پوری کر لی ہے۔ آئندہ کسی بھی ایسے اندیشے کو دل میں راہ مت دو۔ کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہری و باطنی کے تمام حقوق تمہیں معاف کر دیئے ہیں۔

حضرت سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کا صحبت یافتہ تھا (مصنف کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے عم محترم یا ان کے کوئی عم زاد بھائی تھے) روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہ مجھ سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم بنوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔ اکثر اوقات حصولِ علم میں بھی حرج اور ناغہ ہونے لگا۔ اس بات پر میں نے انہیں بہت ٹوکا۔ اسی اثناء میں میری

زبان سے نکلا: علم سے بے بہرہ عامی فقیروں سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ یہ سن کر سید علم اللہ کی حالت تبدیل ہوگئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اگر ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہل مطلق سمجھنے لگیں۔ میں یہ سن کر بہت تلملایا اور بھڑک اُٹھا اور علمِ کلام کا ایک انتہائی مشکل ترین مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز اور زچ کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ بہت عزت و تکریم سے پیش آئے' میں نے اپنا اشکال پیش کیا۔ پہلے تو فرمانے لگے: یہ مسئلہ خالص علمی ہے اور فقیر عامی ہے' ہاں البتہ تم عالم ہو۔ میں کیا جانوں! یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہیے۔ اسی طرح ٹال مٹول کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے یقین کر لیا کہ انہیں علم لدنیؔ کا کوئی دعویٰ نہیں اور مشکل مسئلے میں ان کی بے مائیگی مجھ پر ظاہر ہوگئی۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ یکدم ان کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق و مغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی حل نہ کرسکیں۔ ہاں! البتہ ہم اسے حل کریں گے' پھر غیر مبہم' شگفتہ اور پُر تاثیر تقریر شروع کی' جس سے اشکال رفع ہوگیا' آپ نے ایسے معارف اور نکات بیان کیے' جن تک میرا فہم و شعور نہیں پہنچ سکتا تھا اور اکثر باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ میں اپنے آپ کو ان کے آگے طفلِ مکتب سمجھنے لگا۔ جب ان کی مجلس سے اٹھا تو خیال آیا کہ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے' لہٰذا توبہ کر لینی چاہیے' مگر جھوٹی انا اور خواہشِ نفس نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ دوبارہ علمِ تفسیر کا ایک مشکل ترین مسئلہ ڈھونڈھ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ اس بار بھی روزِ اوّل کی طرح تعظیم سے پیش آئے اور شروع میں حد سے زیادہ معذرت کرنے لگے' جس سے مجھے شبہ گزرا کہ شاید اس مسئلے کے بیان سے عاجز آ گئے ہیں' مگر یکدم پلٹا کھایا اور تقریر دلپذیر شروع کر دی۔ تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا' جس سے متاثر ہو کر میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ راست رو اور منصف مزاج ہیں' لیکن میرے اندر کج روی اور خامی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کا امتحان اور آزمائش لینے سے توبہ کی اور اپنی خطا و قصور کا معترف ہو کر نیازمندی و انکساری سے ان کی مجلس میں پہنچا۔ اس بار کوئی توجہ نہ فرمائی' جوتیوں میں بیٹھا' توبہ و زاری کا اظہار کرتا رہا۔ فرمانے لگے: تم تو صاحبِ علم ہو' سر کے بال کنپٹیوں سے نیچے کیوں چھوڑ رکھے ہیں؟ اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے؟ حجام کو بُلوایا' سر منڈوا دیا اور تہہ بند ٹخنوں سے اوپر کرایا اور بیعت میں قبول فرمایا۔

سُننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم مراد آبادی طریقہ چشتیہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ طلبِ سلوک کے آغاز میں جب میں شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا تو ان دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ حضرت! یہ شخص صحیح معنوں میں طالبِ خدا ہے۔ اسی وقت مجھ پر شیخ نے ایسی نگاہ ڈالی کہ مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی' جو اَب تک باقی ہے۔ چند روز وہاں ٹھہر کر راہِ سفر لی اور شیخ محمد صادق قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا۔ وہاں سے بھی بے انتہا رُوحانی فوائد حاصل کئے' مگر ریاضت اور تصفیہ قلب کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمعیتِ خاطر اور للّٰہیت کا اصل سرمایہ شیخ آدم کی وہی نگاہِ کرم ہے۔ ریاضات اور مجاہدات نے اس میں رونق وصفا کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کیا۔ سُننے میں آیا ہے کہ شیخ بایزید جو اللہ گو کے لقب سے مشہور تھے' مردِ سخی اور بے طمع تھے۔ خلقِ خدا پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور ان کا یہ وصف شہرۂ آفاق تھا۔

نگاہِ شیخ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے سلوک میں جب میں حضرت شیخ آدم کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے شیخ کے گھر کی خدمات اور کام کاج کو آپس میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی خدمت بھی باقی نہیں چھوڑی۔ کچھ مدت میں نے انتظار کیا تو دیکھا کہ جو ارادت مند جنگل سے لکڑیاں وغیرہ لانے پر مقرر ہے' بہت ہی کمزور اور لاغر ہے۔ صحیح معنوں میں یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ میں چونکہ تنومند جوان تھا' یہ کام میں نے اپنے ذمے لے لیا۔ ہر روز دو ڈھیر اُٹھالاتا تھا' مگر ابھی تک یہ شرف حاصل نہ تھا کہ شیخ کی مجلس میں باریاب ہو سکوں۔ کچھ مدت کے بعد شیخ ایک نہر پر غسل کرنے تشریف لے گئے۔ ارادت مند بدن کی میل دُور کرنے اور مالش کرنے میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا' ان سب کی بہ نسبت میں نے خدمت بہتر طور پر انجام دی' جس کی بناء پر شیخ اسی وقت میری طرف متوجہ ہوئے۔ ایک ہی نگاہ نے میرا کام تمام کر دیا اور اسی نہر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ساتھی مجھے مُردے کی طرح وہاں سے خانۂ شیخ تک اٹھا لائے۔ چھ ماہ بعد پھر اسی نہر پر شیخ کی مالشِ بدن میں مصروف تھا کہ ازراہِ کرم پھر مجھ سے دریافتِ حال فرمایا۔ اس التفات کی کیفیت سے میں پھر بے ہوش ہو گیا۔ میرے پلّے جو کچھ بھی ہے' یہ اسی نگاہِ لُطف کا صدقہ ہے جو حضرتِ

شیخ نے دو مرتبہ مجھ پر مبذول فرمائی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہ طلب کی' فرمایا: وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔ یہ سُن کر میرے سامنے اس شخص نے منہ بنا کر کہا: نماز کا وضو تو حکمِ نبوی علیہ السلام کی رُو سے گناہوں کا کفارہ ہے' پھر تمہاری توجہ کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ اس کی بے ادبی سے درگزر فرماتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے۔ اسی وقت الہام[1] ہوا کہ ہم نے تو تمہیں اپنی مخلوق میں اس لیے رکھا ہے کی بے ادبیوں سے درگزر کرو اور انہیں راہِ ہدایت دکھاؤ۔ تم نے ''ویدرؤن بالحسنة السیئة'' (برائی کے بدلے نیکی کو اختیار کرتے ہیں) پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس پر شیخ نے اس آدمی کے پیچھے کسی کو بھیجا تا کہ اسے واپس لے آئے اور آدابِ مجلس سلوک کے برعکس اس پر خاص توجہ فرمائیں۔ شیخ کا قاصد اسے واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شیخ نے قاصد سے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں اللہ کا اسم پڑھو۔ چنانچہ لفظ اللہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا اور اسے مُردے کی طرح اُٹھا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔

گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے

حضرت والد ماجد نے حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ کے رفقاء سے نقل کیا کہ جب شیخ کی شہرت عام ہو گئی تو ان کی دُھوم شہنشاہ ہند شاہجہان تک بھی جا پہنچی۔ شاہجہان نے اپنے وزیر سعد اللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا تا کہ شیخ سے مل کر حقیقتِ حال کا پتہ کریں۔ دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ اس وقت مراقبے میں تھے۔ کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے۔ جب شیخ حالتِ مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں ان کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ شیخ ان کی تعظیم بجا نہ لائے' یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعد اللہ خان نے کہا: میں تو اہلِ دنیا ہوں۔ مشائخ کے نزدیک مستحقِ تعظیم نہیں مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی تو عالمِ دین ہیں' ان کی تعظیم ضروری ہے۔ شیخ نے فرمایا: حدیث میں آتا ہے: ''العلماء امناء الدین ما لم

---

[1] الہام کی حقیقت یہ ہے کہ بلاواسطہ کسی نظر و اکتساب کے کوئی حقیقت قلب میں القا ہو جائے۔ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ''ان اللہ شرح صدر ابی بکر'' الہام ہی کی ایک قسم ہے۔

یخالطوا الملوک فاذا خالطوھم فھم اللصوص "(علماء محافظِ دین ہیں' جب تک کہ بادشاہوں سے دُور رہیں' جب سلاطین کی بارگاہوں تک جا پہنچیں تو وہ علماء نہیں چور ہیں)۔
پھر ان دونوں نے پوچھا: آپ کا نسب کیا ہے؟ فرمایا: سید ہوں' مگر چونکہ ہماری مائیں افغان قبائل سے تعلق رکھتی ہیں' اس لیے عوام کی زبان پر افغان مشہور ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ ہم نے سُنا ہے کہ آپ علمِ لدنّی رکھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور اس نعمت پر اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں۔ یہ سُن کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہجہان سے جا کر کہا کہ یہ ایک عامی اور متکبر فقیر ہے' جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔ اصل میں افغان ہے مگر سید کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے پٹھان اس کے بے حد معتقد ہیں' لہٰذا اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ یہ سُن کر شاہجہان بگڑ گیا۔ قاصد کے ہاتھ شیخ کو کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ شیخ انتہائی عجلت میں عازمِ مکہ ہو گئے۔ جب سورت میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حاکمِ سورت آپ کا ارادت مند ہے۔ شیخ نے کہا: تمہارے ذمے یہ خدمت ہے کہ ہمیں جلد تر جہاز میں سوار کرا دو۔ جب سوار ہوئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لوٹایئے کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس درویش کا باہر جانا میرے ملک کے لیے زوال کا باعث ہو گا۔ حاکمِ سورت نے معذرت لکھی کہ شاہی حکم پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ جہاز پر سوار ہو گئے' بہت ہی جلد بادشاہ قید ہوا۔ ادھر شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں واقع ہوئی اور جنّت البقیع میں قبۂ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب مدفون ہوئے۔ (اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے۔)

حسد سدّ راہ ہے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی ایک درویش حضرت سید عبد اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔ حضرت سید نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ عزیز حصولِ علم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغ البال اور یکسو ہوں' مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عقدے اور مخفی اسرار آشکارا ہوتے جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے: اس فکر واندیشے میں مَت پڑو' یہ عطائے الٰہی ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ وہمّت تفویض ہوئی ہے' مگر وہ پھر بھی روتا رہا۔ حضرت سیّد نے فرمایا: تیری اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔

چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔ کبھی کبھی مجھے دیکھنے کے لیے آ جایا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے جو بات نکل گئی' اس کا یہ اثر ہے کہ سفر میں مجھے ہمیشہ جمعیتِ خاطر اور انبساط حاصل رہتا ہے' لیکن ایک جگہ قیام میں تنگی و غمگینی' کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا۔ ایسی حالت میں ایک مرتبہ کسی کے گھر میں گھس گیا' انہوں نے پکڑ کر اسے تکلیف دی اور قید کر ڈالا۔ جس قدر بھی اس کی قید اور تکلیف بڑھتی رہی' اس کے گھریلو نقصان میں اضافہ ہوتا رہا' اس کا بیٹا مر گیا' گھوڑا لنگڑا ہو گیا' دوسرا بیٹا بیمار پڑ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ سخت نادم ہوا' توبہ کی اور پھر میرے ساتھ نیاز مندانہ سلوک شروع کیا۔

بمزار خواہی آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا' میں میرزاہد ہروی محتسب لشکر سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اسی تقریب کے بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد آ گیا۔ سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے' وہاں انہیں ایک عارضہ ہو گیا اور رحمتِ حق سے واصل ہوئے۔ انہوں نے وصیت کی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی اس دن شدید بیمار تھا۔ جنازے کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی۔ جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے ساتھی کے ساتھ جو ان کے جنازہ و دفن میں موجود تھا' زیارت و برکت کے لیے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا۔ یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور و فکر کے باوجود ان کی قبر نہ پہچان سکے۔ آخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا' میں وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ میری پشت کی طرف سے سیّد صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے' لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو' اسے وہاں ہی تمام کر لو اور اس کا ثواب اسی قبر والے کو بخشو۔ جلدی مت کرو' جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہنچاؤ۔ یہ سن کر میں نے ساتھی سے کہا: اچھی طرح غور کرو۔ سید صاحب کی قبر وہی ہے' جدھر تم نے اشارہ کیا ہے یا میری پیٹھ کے پیچھے ہے؟ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا: میں غلطی پر تھا۔ حضرت سیّد رحمہ اللہ کی قبر تمہارے پیچھے ہے۔ میں اسی سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعدِ قرأت کی رعایت

نہ کر سکا۔ قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل سے کام لیا ہے۔ قرأت کے معاملے میں حزم و احتیاط کی ضرورت ہے[1]

تذکرہ حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ فرزند خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی[2] رحمۃ اللہ علیہ

شیوۂ اہل نظر

والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائلِ صِغار (شرح عقائد سے پہلے کے رسائل) سے لے کر شرح عقائد و حاشیہ خیالی تک جملہ متداول کتب میں نے مخدومی اخوی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری کتب میرزا زاہد ہروی سے، ایک دن شرح عقائد و حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل میں ایک اعتراض اٹھا۔ مخدومی ابوالرضا جواب میں گویا ہوئے۔ اس مناظرے نے طول پکڑا اور معاملہ رنج و غصے تک جا پہنچا۔ میں نے کتاب پڑھنا چھوڑ دی۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن ہم دونوں خواجہ خورد[3] کی خدمت میں پہنچے، آپ نے مجھ سے پوچھا کہ خیالی کو

---

1. اس سے سماعِ موتیٰ اور بزرگانِ دین کے تصرفات کے بارہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا عقیدہ واضح ہو جاتا ہے۔
2. حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ کابل میں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد قاضی عبدالسلام رحمہ اللہ بھی جلیل القدر عالم اور بزرگ تھے۔ آپ نے اس دور کے مشہور فاضل مولانا حلوائی رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ یوں تو آپ اویسی المشرب تھے۔ آپ کی باطنی تربیت براہِ راست سرکار رسالت مآب ﷺ اور خواجہ بہاء الدین رحمہ اللہ کی روحانیت سے ہوئی، لیکن ظاہراً آپ نے ماوراءالنہر اور ہندوستان کے سینکڑوں مشائخ سے کسب فیض کیا۔ آخر میں حضرت خواجگی امکنگی رحمہ اللہ سے مجازِ طریقت ہوئے۔ آپ شریعت و طریقت کے ماہتاب تھے۔ اکتالیس سال کی عمر میں ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۳ھ کو وفات پائی۔ مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔
3. خواجہ خورد رحمہ اللہ کا اصل نام خواجہ عبداللہ ہے۔ آپ خواجہ محمد باقی کے فرزندِ ارجمند اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع والد گرامی کے نقشِ قدم پر کاربند تھے۔

کہاں تک پہنچایا ہے؟ عرض کی: عرصہ ہوا کہ ترک کر دی ہے‘ فرمایا: کیا سبب ہوا؟ عرض کی: نماز‘ روزے کے ضروری احکام معلوم ہو چکے ہیں‘ اس سے زیادہ کچھ میسر نہیں ہو سکتا‘ مگر آپ نے حقیقت معلوم کرنے میں مبالغے سے کام لیا‘ بالآخر بات ظاہر ہو گئی۔ تاکید سے فرمانے لگے‘ مجھ سے پڑھ لیا کرو۔ صبح سویرے کتاب لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے درس دینا شروع کیا اور میرے سابقہ اعتراض کو بہت ہی پسند کیا اور قوتِ استدلال کو سراہا‘ دوسرے اور تیسرے روز بھی سلسلہ یونہی چلتا رہا‘ چوتھے دن فرمایا کہ تمہارے جدِ بزرگوار شیخ رفیع الدین نے بھی مجھے تین دن سے زیادہ سبق نہیں پڑھایا تھا۔ لہٰذا میں بھی تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاؤں گا۔ پھر یوں حکایت شروع کر دی کہ آغازِ جوانی میں مَیں حسن پرستی شعار رکھتا تھا۔ شیخ رفیع الدین کا ایک صاحبزادہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس کو دیکھنے کے ارادے سے گیا اور شرح لمعات بھی ساتھ لیتا گیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مسائلِ تصوّف کی تحقیق کے لیے آیا ہے کیونکہ حضرت شیخ رفیع الدین مشکل مسائل کے حل کرنے کے سلسلے میں شہر کے اندر اپنی مثال آپ تھے۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ رحمہ اللہ) سے توسل کے سبب میرے ساتھ انتہائی مہربانی سے پیش آئے اور تعظیم بجا لائے۔ جب میں نے سبق شروع کیا تو سَرسَری طور پر دو چار چیزیں بیان فرمائیں اور زیادہ تحقیق نہ فرمائی۔ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اسی صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ خواجہ کی خدمت میں رہو۔ یہ دیکھ کر میں شرمندہ اور نادم ہوا‘ مگر چونکہ ایام شباب تھے۔ دوسرے روز بھی اسی نیت اور ارادے سے جا پہنچا اور پھر بھی وہی سلوک ہوا۔ تیسرے روز مجھ پر انتہائی ندامت غالب ہوئی۔ میں نے توبہ کی اور خلوصِ نیت کے ساتھ پہنچا۔ اخلاص کی تلقین فرمائی اور پہلے سے بھی زیادہ التفات دکھایا اور اس روز نکاتِ تصوّف پر خوب زوردار تحقیقی تقریر فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ کی‘ جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق سے ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ ہر روز قیام گاہ پر حاضر ہوتا رہوں کیونکہ آپ کا یہاں تشریف لانا میرے لیے بے ادبی کے مترادف ہے۔ میں نے عرض کی: مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کے لیے میں تیار نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کام کو موقوف رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ

دراصل ایک اور سبب ہے۔ یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد فیروز شاہ میں لے آئے اور ایک متعین مقام پر لے جا کر کہنے لگے کہ تمہیں تصوّف کی ہر مشکل کتاب کا مطالعہ اس جگہ بیٹھ کر کرنا چاہیے۔ اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو میرا ذمہ رہا۔ اس دن کے بعد جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو میں وہاں جا کر مطالعہ کرتا اور وہ حل ہو جاتا۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جاتا تو دوسرے مقامات کی طرح وہاں کوئی خاص فیض حاصل نہ ہوتا۔ جب خواجہ خورد رحمہ اللہ یہ قصہ بیان کر چکے تو میں نے عرض کی کہ تین اسباق پر اکتفاء کرنا بھی شاید اسی کرامت سے مقید تھا۔ آپ بھی اگر ایسا ہی تصرّف فرمائیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ فرمانے لگے: یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اگر تمہیں بھی علمی مشکل پیش آئے اور اسے حل نہ کر سکو تو مجھے بتاؤ کہ فلاں نالائق نے میرا راستہ روک رکھا ہے۔ والد ماجد فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جو حل نہ کر سکا ہوں۔ اگرچہ میں نے مکمل درس وتحصیلِ علوم میرزازاہد سے حاصل کی، مگر ان کے پاس پڑھنا بھی گویا تحصیلِ حاصل تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں اوّل سے پڑھ رہا ہوں اور آخر سے درس دے رہا ہوں۔

دست بہ کار

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خورد رحمہ اللہ اپنے انگوٹھے سے ہمیشہ انگلیوں پر کوئی چیز لکھتے رہتے، یہاں تک کہ اسباق اور باتوں کے درمیاں بھی، ایک دن میں ان سے پوچھ بیٹھا، فرمانے لگے: یہ ایک عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں، مگر تیرے سوا یہ بات آج تک کسی نے نہیں پوچھی۔ آغازِ حال میں مجھے شغلِ استکتاب سے لگاؤ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھی گاہے گاہے یہ عادت پوری کر لیا کرتا ہوں۔

نسبت وارادت کا احترام

فرمایا: ایک دن خواجہ خورد رحمہ اللہ اپنے اصحاب واحباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خود پلنگ پر تشریف فرما تھے، باقی لوگ چٹائی پر۔ اس موقع پر میں بھی خدمت میں جا پہنچا۔ حد سے زیادہ تعظیم وتکریم فرمائی۔ خود پلنگ کی پائنتی کو ہو بیٹھے اور مجھے صدر نشین بنایا۔ ہر چند میں نے معذرت چاہی مگر نہ مانے۔ اس معاملے میں اہل مجلس کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ان کے فرزند خواجہ رحمت اللہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجلس میں ان سے بھی زیادہ معمر اور لائقِ تعظیم

لوگ بیٹھے ہیں۔ آخر ان میں کیا خصوصیت ہے؟ جو آپ اس قدر انکساری سے پیش آ رہے ہیں۔ فرمایا: میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تم سلوک کا مشاہدہ کر سکو اور میری طرح ان سے پیش آتے رہو۔ جب میں ان کے جد مادری حضرت شیخ رفیع الدین کے دولت خانے پر حاضری دیتا تھا تو وہ میرے ساتھ اسی طرح سلوک فرماتے تھے' حالانکہ وہ میرے استاذ تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے۔ جب شیخ رفیع الدین ہمارے پیشوا خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں آئے تھے تو قریب قریب وہ بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ رفیع الدین حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے تھے' مگر چونکہ ابتدائے سلوک میں حضرت شیخ قطب العالم کی خدمت میں رہ کر کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد علمی حاصل کیے تھے' لہٰذا ہمیں بھی یہی سلوک روا رکھنا چاہیے۔

ثمرۂ اخلاص

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم دونوں بھائی حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان پر بھوک کا غلبہ ہوا' جس کے سبب وہ درس دینے کے قابل نہ رہے۔ اپنے گھر والوں سے پوچھا: کوئی کھانے کی چیز موجود ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! بچوں میں سے کسی بچے کے لیے تھوڑا سا طعام پکایا ہے' فرمایا: اس میں سے تھوڑا سا لے آؤ۔ چنانچہ پیالی میں بہت ہی تھوڑا طعام لایا گیا۔ آپ نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے کہا: آیئے مل کر کھائیں' سب کو کافی ہے۔ سب لوگ تعجب میں آ گئے' ہمیں دوسرے انداز میں دوبارہ اشارہ کیا۔ ہم چلے گئے اور ہم تینوں نے مل کر کھایا' یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور پیالی میں پھر بھی کچھ بچ رہا' جو بچے کے لیے بھیج دیا گیا۔

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک شیخ خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ بادشاہ مجھے کسی مہم پر بھیج رہا ہے۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور میں اسباب جنگ سے خالی ہوں۔ جانے سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔ آپ توجہ فرمایئے کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔ خوش طبعی کے طور پر فرمایا: کچھ نقدی پیش کرو' تاکہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو جائے۔ اتفاقاً اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوستوں سے بھی اسے کچھ نہ مل سکا' کمر سے لٹکا ہوا

خنجر گروی رکھ کر دس روپے حضرت کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے میعاد مقرر فرمادی اور فرمایا کہ فلاں دن جنگ لڑو۔ دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف مت کھاؤ۔ اپنی جگہ پر مستحکم رہو اور پھر مجھے فرمایا کہ جب مقررہ تاریخ آئے تو مجھے خبر کرنا' جب وہ وقت آیا' میں نے یاددہانی کرائی' حجرے میں اکیلے بیٹھ گئے اور مجھے دروازے پر بٹھادیا تاکہ کوئی شخص خلل انداز نہ ہو۔ کچھ دیر بعد خوش ہو کر باہر نکلے اور فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوست بہت ہی کم' پہلے حملے میں دوستوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا' مگر وہ عزیز شکست سے گھبرایا نہیں اور نہ ہی اپنی جگہ سے اُکھڑا۔ ہم بھی اسی حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ الحمد للہ! فتح نصیب ہوئی۔ دشمن کافی تعداد میں قتل ہوئے اور باقی ماندہ لشکر نے شکست کو غنیمت جانا۔ کافی عرصے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا' جس میں یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ بطور نذرانہ اس نے بہت سامال بھیجا' مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ولایت کی عقابی نگاہ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ محلّہ ''کوشک زر'' کے ایک آدمی نے حضرت خواجہ خورد کی خدمت میں التماس کیا کہ توجہ فرمائیے تاکہ حصولِ علم سے جلد فراغت نصیب ہو۔ فرمایا: ہم جواب دیں گے۔ جب گھر واپس آئے تو ایک آدمی کے ہاتھ اس کو رقعہ بھجوایا' جس میں لکھا کہ ''کل ان شاء اللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے''۔ یہ مژدہ سُن کر وہ متعجب ہوا اور دوسری صبح بغیر کسی ظاہری سبب کے سوتے میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

کسی نے حضرت والد ماجد سے سوال کیا: لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خواجہ خورد رحمہ اللہ شراب خوری کے مرتکب ہوئے تھے' یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا: کم سنی میں حضرت خواجہ کو کوئی انتہائی جانکاہ مرض لاحق ہوا۔ طبیبانِ شہر نے بالاتفاق علاج کے لیے شراب تجویز کی۔ علماء نے بھی نزاکتِ حال کے پیشِ نظر جواز کا فتویٰ دیا' مگر خواجہ خورد رحمہ اللہ ان تمام رعایتوں کے باوجود شراب کے استعمال پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر خواجہ حسام الدین نے اس بارے میں انتہائی اصرار و مبالغہ سے کام لے کر انہیں بطور دوا شراب پینے پر مجبور کر دیا۔ شراب پینے کا قصہ اس قدر ہے مگر جاہلوں نے خواجہ رحمہ اللہ پر تہمتوں کے طومار باندھے اور ان کے اس فعل کو غلط رنگ چڑھا دیا۔ ایسے مواقع پر اباحت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے

انہوں نے اس فعل کو شرعی کوتاہی پر محمول کیا۔

فقر کی بے نیازی

فرمایا: ایک دن بہمن یار خاں لباسِ فاخرہ زیبِ تن کر کے حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے۔ اس وقت حضرت کے گھر میں کوئی فرش (قالین وغیرہ) نہیں تھا۔ لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہمن یار خان بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص اُٹھا اور خواجہ کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خاں ہے۔ اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔ حضرت خواجہ نے بلند آواز سے فرمایا: اگر یار ہے تو محتاجِ تعظیم نہیں اور اگر غیر ہے تو لائقِ تعظیم نہیں۔ یہ نکتہ سن کر بہمن یار خان بہت محظوظ ہوا۔ (یہ قصہ مختصر کیا گیا ہے)

بزرگوں کی خُوردی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خواجہ کے خدام میں سے ایک نے شراب پی رکھی تھی، میں اس سے جھگڑ پڑا۔ بات پریشان خاطری تک جا پہنچی۔ میں نے عزم کر لیا کہ دوبارہ ادھر کبھی نہیں جاؤں گا۔ دو تین روز بعد خواجہ خورد رحمہ اللہ بنفسِ نفیس تشریف لائے اور میرے دروازے پر آ کر کسی بڑھیا سے میرا پتہ معلوم کیا۔ اس نے کہا: نیند میں ہے؟ فرمایا: جب بیدار ہوں تو انہیں کہہ دینا کہ خورد تمہیں ڈھونڈ رہا ہے اور مسجد حبوط میں سویا ہوا ہے۔ ذرا اس کی بھی خبر رکھ لینا۔ میں جب بیدار ہوا، بڑھیا نے مجھے اطلاع دی۔ جلد ہی اس مسجد میں پہنچا۔ حضرت خواجہ اپنی دستار سر کے نیچے رکھ کر بے تکلف سو رہے تھے۔ جب ظہر کی اذان ہوئی تو بیدار ہوئے اور میرے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آئے اور دیر تک خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ حضرت والد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خورد اور خواجہ کلاں[1] دونوں کم سن تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ وفات پا گئے۔ جب یہ دونوں صاحبزادے سنِ بلوغ کو پہنچے تو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے پاس گئے اور بہت دن وہاں مقیم رہے۔ خواجہ کلاں کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ خواجہ خورد نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ سے طریقہ

---

[1] خواجہ کلاں کا اصل نام حضرت خواجہ عبیداللہ ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کے بڑے فرزند اور خواجہ خورد، خواجہ عبداللہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ جید عالم، متقی، پرہیزگار اور اپنے اسلاف کے طریق پر گامزن تھے۔

نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا اور اجازتِ بیعت بھی پائی۔ وہاں سے آ کر خواجہ حسام الدین اور شیخ اللہ داد (خلفائے خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ) سے بھی رشد و ہدایت اور فیوض روحانی میں کمال حاصل کیا۔ واضح ہو کہ خواجہ حسام الدین آغازِ عمر میں امراء کے زُمرے میں شمار ہوتے تھے اور ان کے والد اپنے وقت کے امیر الامراء تھے۔ جب یہ خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ کی صحبت میں پہنچے اور جذبِ طریقہ نے ان میں تاثیر دکھائی اور انہوں نے سب کچھ ترک کر دیا۔ رضا کارانہ طور پر تمام امورِ دنیوی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب ان کے اقرباء نے انہیں فقیرانہ وضع میں دیکھنا پسند نہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ قرار دے دیا اور برسرِ عام گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر اپنے کپڑوں کو اس سے آلودہ کیا۔ یہ دیکھ کر عزیز و اقربا نے ان سے ہاتھ دھو لئے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ کی اولاد‘ ان کے مریدین‘ ان کے طریقِ تصوّف اور اشغال و اوراد کے بارے میں جس قدر رعایت و کشش ان دو بزرگوں (خواجہ حسام الدین و خواجہ اللہ داد) کے دل میں پائی جاتی تھی‘ کسی عقیدت مند میں بہت کم دیکھی گئی۔

طریق نقشبندیہ[1] کی انفرادیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار آغازِ جوانی میں حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ دعوتِ

[1] سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اہم خصوصیت یا نسبت دائمی حضور و آگاہی ہے‘ جس کے ساتھ غیبت کا کوئی تعلق نہیں‘ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمہ اللہ نے ان آٹھ اصطلاحات پر طریقہ کی بنیاد قائم کی ہے: (۱) ہوش دردَم یعنی ہر دم ہشیاری اور ہر سانس پر یہ تجسّس کہ غافل ہوں یا ذاکر (۲) نظر برقدم اس سے مراد یہ ہے کہ چلتے پھرتے‘ اِدھر اُدھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کے لیے قدم پر ہی جمائے رکھے (۳) سفر دروطن بشری صفاتِ خسیسہ سے ملکوتی صفاتِ فاضلہ کی طرف نقل کرتا رہے (۴) خلوت درانجمن‘ جمیع حالاتِ بشری میں رہ کر بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہے (۵) یاد کرد کردمرشد نے جس ذکر کی تعلیم دی ہے‘ اس کی تکرار کرتا رہے (۶) بازگشت ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر اس طرح مکرّر سہ کرر (۷) نگاہ داشت‘ خطرات نفس اور وساوس خاطر کے دُور کرنے کا نام ہے (۸) یادداشت ایسی توجہ جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی ہو کر کی جائے۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ نے یہ تین اصطلاحیں اور زیادہ کی ہیں: وقوفِ زمانی‘ وقوفِ قلبی‘ وقوفِ عددی۔

اسماء کے شغل میں مشغول تھے کہ جنّات نے مزاحمت کی' یہاں تک کہ خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے' جس سے خواجہ بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے۔ خواجہ حسام الدین اتفاق سے وہاں پہنچے۔ کچھ دیر ان پر توجہ ڈالی' خدا کے فضل سے افاقہ ہو گیا۔ شیخ اللہ داد پہلے' دوسرے سلاسل سے بہرہ یاب ہوئے اور بہت سے ہم عصر بزرگوں کی خدمت میں پہنچے۔ جب خواجہ محمد باقی کی بارگاہ میں آئے تو پچھلے تمام دفترِ معرفت کو بالکل لپیٹ کر رکھ دیا اور خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمے لے لیں۔ خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام و طعام کا انتظام خواہ باطنی خدمت یعنی طالبانِ حق کی مزاج پُرسی' دریافتِ حال اور ان پر پوری توجہ دینا ہو۔ بیخودی اور استغراق کی کیفیت جو نسبتِ نقشبندیہ کا حاصل سمجھی جاتی ہے۔ شیخ اللہ داد میں اس قدر تھی کہ باوجود ان تمام خدمات اور مشاغل کے' وہ ہر وقت اس سے پُر کیف رہتے تھے۔

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد طریقہ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کی شاخ کو اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہ تھی۔ آپ کی تمام تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت اسی شعبے کے ذریعے تکمیل کو پہنچی ہے۔

شیخ تاج سنبھلی رحمہ اللہ جو خواجہ محمد باقی باللہ کے اوّلین خلفاء میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں اقامت اختیار فرما کر وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی رفعتِ شان کا عالم یہ ہے کہ اس فقیر نے آخری دَور کے مشائخِ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا۔ جس کے ساتھ اہلِ مکہ شیخ سنبھلی رحمہ اللہ سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اس کی کرامات و کمالات بیان کرتے ہوں۔ چنانچہ شیخ تاج سنبھلی رحمہ اللہ نے سلسلۂ نقشبندیہ کی اسی محبوب ترین شاخ یعنی شعبہ باقویہ کے اشغال و عقائد کے بارے میں مستقل ایک رسالہ لکھا' جو افراط و تفریط سے پاک اور واضح باتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت والد ماجد نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے' جسے جابجا عبارات و اقوالِ سلف پر مزیّن کیا گیا ہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) نے حضرت والد کی خدمت میں یہ دونوں رسالے مطالعہ سے گزارے اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔

کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خورد رحمہ اللہ کی طرزِ بود و باش گمنامی اور عُزلت نشینی سے عبارت تھی۔ ایک بزرگ عالم جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کیا کرتے تھے اور جن کا نام نامی محمد صالح تھا۔ وہ مسجد فیروز شاہ میں درس دیا کرتے تھے اور حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے تھے۔ خواجہ رحمہ اللہ نے تاکید فرمادی تھی کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کبھی ظاہر نہ کرنا اور صحبت بھی خلوت میں اختیار کرتے رہنا۔ چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے۔ جب مولانا محمد صالح رحمہ اللہ اپنے وطن پنجاب کو جانے لگے تو عرض کی کہ لوگ اگر پوچھیں کہ طریق فقر کس سے حاصل کیا ہے‘ تو کیا جواب دوں؟ فرمایا: اگر مجبوراً بتانا پڑے تو میرا نام لے دینا ورنہ اظہار سے احتراز کرنا۔

طریقۂ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام

حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کبھی کبھار حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ کوئی شخص ان کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ حضرت چاول میرے ذمے‘ دوسرا آ کر کہہ رہا ہے: حضور! گوشت میرے ذمے۔ ایک اور حاضر ہو کر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لا رہا ہوں اور اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے۔ حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ اس دوران کوئی تکلف نہیں برتتے تھے۔

نسبتِ نبوی کا احترام

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خورد رحمہ اللہ نے آخری عمر میں مجھ سے فرمایا کہ مجھے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کے روضۂ اقدس میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور حضرت خواجہ بزرگ کی نسبتِ روحانی براہِ راست ذاتِ نبوی ﷺ سے مستحکم ہونے کی رعایت سے مجھے مقبرے میں دفن نہ کرنا۔ میں مقامِ نعلین میں دفن ہونے کے لائق ہوں۔ میں نے عرض کی: آپ کی تدفین کا کام تو دوسروں کے سپرد ہوگا۔ مجھے اس پر کیا اختیار؟ فرمایا: میری وصیت ان کو پہنچا دینا۔ حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کی وفات کے بعد میں نے آپ کی وصیت ورثاء سے بیان کی‘ مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی قدس سرہٗ

صوفیاء کا ذوقِ علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب اکبر آباد میں حضرت سید عبداللہ رحمہ اللہ' اللہ کو پیارے ہوئے تو میں بہت رنجیدہ اور ملول ہوا اور کسی ایسے بزرگ کی طلب محسوس ہوئی' جس کی صحبت سے کچھ فیض پا سکوں۔ اسی نواح میں کسی نے حضرت خلیفہ ابوالقاسم کا اس سلسلے میں ذکرِ خیر کیا۔ چنانچہ میں اس شخص کی معیت میں حضرت خلیفہ کی مجلسِ گرامی میں پہنچا۔ جب پہلی بار حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول تھے اور معمار کو ہدایات دے رہے تھے۔ اسی دوران یہ شعر آپ کی زبانِ مبارک پر آیا ؎

ہر کرا ذرّہ وجود بود   پیش ہر ذرّہ در سجود بود

"جسے ذوق و وجدان سے ذرہ بھر نعمت بھی حاصل ہے وہ کائنات کے ہر ذرّے کو لائقِ سجدہ سمجھے گا"

میں نے ادنیٰ تصرّف کے ساتھ اس شعر کو یوں دُہرایا کہ ؎

ہر کرا ذرّہ شہود بود   پیش ہر ذرّہ در سجود بود

"جسے شہود باری تعالیٰ کی نعمت کا ذرا سا عرفان حاصل ہو' وہ ذرّاتِ عالم کو مسجود تصوّر کرے گا"

فرمانے لگے: میں نے کثرت سے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے' جن میں لفظِ وجود رقم ہے۔ عرض کی: فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے' ان میں لفظِ شہود پایا ہے۔ فرمانے لگے: معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بہرہ ور ہو۔ عرض کی: اگر راہِ حق میں یہ علم ضرر رساں ہو تو اس سے توبہ کر لوں۔ فرمایا: علم ہر شخص کے لیے نقصان دہ نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے لیے نافع ہے اور پھر یہ شعر پڑھا: ؎

علم را بر تن زنی مارے بود   علم را بر دل زنی یارے بود

"اگر علم پرورشِ جسم و تن کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ سانپ کی مانند ہے اور اگر حصولِ علم کا مقصد ارتقائے رُوح ہو تو وہ رفیقِ راہ ثابت ہوتا ہے"

عرض کیا کہ آپ کا ضمیرِ مُصَفّا ہمارے لیے کسوٹی ہے' لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا علم میرے لیے نافع ہے یا نقصان دہ؟ یہاں پہنچ کر مجلس ختم ہوگئی اور جواب میں کچھ بھی نہ فرمایا۔ دوسرے دن دل میں آیا کہ کل تعمیرِ مکان میں مشغول تھے۔ بات ادھوری رہ گئی اور زیادہ تحقیق بیان نہ کرسکے' لہٰذا آج پھر ان کی خدمت میں جانا چاہیے۔ جب میں پہنچا تو خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا: کل میں تعمیر میں مشغول تھا۔ بات نامکمل رہ گئی۔ اب کہئے کہ اختلافِ نسخہ کی وجہ سے لفظِ شہود والے نسخے کی صورت میں آپ مصرعہ کا کیا معنیٰ لیں گے۔ عرض کی: جس کسی کو بھی پہلے ذرّاتِ عالم میں حضرتِ حق تعالیٰ کا شہود حاصل ہوگا' وہ لامحالہ ہر ذرّے کو سجدہ کرے گا۔

لیکن لفظِ وجود کی صورت میں جو عبارت ہے مرتبہ جمع سے' مشاہدہ کرنے والا ذاتِ باری میں مستغرق ہوگا' لہٰذا وہ قیدِ سجود سے فارغ ہوگا۔ فرمانے لگے: بعض صحیح نسخوں میں لفظ وجود بھی پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں آپ اس کی کیا تاویل کریں گے؟ عرض کیا: اس صورت میں مناسب ہوگا کہ لفظ وجود' وجدان کے معنوں میں لیا جائے گا جو کہ شہود کے قریب المعنیٰ ہے۔ اس بات سے انہیں بوئے آشنائی آئی اور طبع مبارک پر شگفتگی چھا گئی۔ اس روز کی مجلس بڑی خوشگوار رہی۔ اس کے بعد میں مسلسل ان کی خدمت میں جاتا رہا اور وہ مجھ پر التفات فرماتے رہے' یہاں تک کہ کچھ قدیم لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

احوالِ خلیفہ

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسم' ملا عمر کے داماد تھے' جنہوں نے شرح ملاّ پر حاشیہ لکھا اور اپنے زمانے کے معتبر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ملا عمر' حضرت میر ابوالعُلیٰ (بانی سلسلۂ ابوالعلائیہ) کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے۔ نیز ملا ولی محمد کے شاگردِ رشید تھے' جو اپنے زمانے کے اکابر میں سے تھے اور حضرت میر ابوالعلیٰ کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں حضرت امیر ابو العلیٰ کے خلفاء میں وہی مقام حاصل تھا۔ جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی[1] کو حضرت شیخ نظام

[1] شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی' سلطان المشائخ' شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مشہور اور ممتاز خلیفہ ہیں' شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ صاحبِ اسرار اور احوالِ شیخ کے وارث تھے۔ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو انتقال فرمایا۔

الدین دہلوی[1] قدس سرہٗ کے خلفاء میں حاصل ہے۔ ملّا ولی محمد بھی اکبر آباد میں مدفون ہیں۔

سوانح میر ابو العلیٰ

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت میر ابو العلیٰ اکبر آبادی آبائی سلسلے میں حسینی سید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امیر تقی الدین کرمانی تک جا پہنچتا ہے۔ امیر تقی الدین اور خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک واقعہ ''رشحات'' میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ امیر ابو العلیٰ کے ننہالی مورثِ اعلیٰ خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابوالفیض ابن خواجہ عبد اللہ ابن خواجہ عبید اللہ احرار ہیں۔ حضرت میر ابو العلیٰ کے والد ماجد ابو الوفا خواجہ ابو الفیض مذکور کے نواسے تھے اور میر ابو العلیٰ کے جد محترم میر عبد السلام خواجہ عبد اللہ ابن خواہ عبید اللہ احرار کے نواسے تھے۔ اسی لحاظ سے میر ابو العلیٰ کو دو طرف سے نسبتِ احراری حاصل تھی۔ میر ابو العلیٰ کے والد بزرگوار اور جدِ امجد سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں واصل بحق ہوئے۔ حضرت امیر ابو العلیٰ اسی سفر کے دوران متولّد ہوئے اور اپنے والد ماجد و جد امجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی (مصاحب مان سنگھ صوبیدار پورب[2]) کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا کر جوان ہوئے اور جب خواجہ فیضی وفات پا گئے تو کچھ دن بعد امیر ابو العلیٰ نے بھی انہی کی روش پر مان سنگھ کے لشکر میں ملازمت اختیار کر لی۔

انہی دنوں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگوں نے آ کر انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش اختیار کر رکھی ہے؟ وضع تو یہ ہے جو ہم رکھتے ہیں۔ ہماری وضع قطع اختیار کرو اور اگر معاش کی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللّٰہ نور السموات والارض'' (اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے)۔ یہ کہہ کر ان میں سے ایک آدمی نے اُسترا پکڑا اور ان کا سَر مونڈھ دیا۔ دوسرے نے ایک پیراہن پہنا دیا۔ تیسرے نے دستار بندھا کر نعلین پکڑا دی۔ اس خواب

---

[1] شیخ الشیوخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ متاخر چشتیہ مشائخ کے سرخیل ہیں۔ پورا نام محمد بن احمد بن علی بخاری اور لقب سلطان المشائخ ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں مقبول و مقرب تھے۔ آپ ۱۱ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو رحمتِ ایزدی کی آغوش میں چلے گئے۔

[2] صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ پورب سے کیا مراد ہے' تاہم اندازہ ہے جونپور' الہ آباد اور لکھنؤ وغیرہ کا علاقہ پورب کہلاتا تھا۔ (رودِ کوثر)

کے بعد حضرت امیر ابو العلیٰ کے دل میں ایک قسم کا اضطراب اور قلق پیدا ہوا۔ چاہا کہ ملازمت ترک کر دیں مگر مان سنگھ مانع ہوا۔ یہاں تک کہ ''اذا اراد اللّٰہ شیئاً ھیأ اسبابہٗ'' کے تحت ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ چاروناچار یہ ملازمت سے فارغ ہو گئے اور تلاشِ خدا میں یکسو اور یک رُو ہو کر لگ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے مزارِ پُر انوار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور بارگاہِ خواجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔

مروی ہے کہ میر ابو العلیٰ کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر نور العلیٰ کے عارضۂ علالت کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز مزارِ خواجہ پر بھجوائی تھی۔ حضرت امیر کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن صاحبِ مزار کی طرف متوجہ تھے کہ مزار سے ندا آئی کہ تمہارے فرزند کی صحت کے لیے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لیے بھی التجا کی ہے۔ نیاز قبول اور التجا مبذول ہے۔ یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ مزارِ خواجہ سے خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو تمہیں عنایت ہوئی ہے' بائیس یا ایک سو تیس سال بعد بندگانِ خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہو گی (پھر بطور جملہ معترضہ حضرت شاہ عبدالرحیم نے ارشاد فرمایا کہ) ہمارے زمانے میں یہ نعمت ہمیں عنایت ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سید تقی الدین کرمانی مذکور کے پوتے سید جعفر کی قبر کی توجہ سے امیر ابو العلیٰ کے دل میں اپنے عم بزرگوار امیر عبداللہ کی بیعت کا شوق اور خواہش دامن گیر ہوئی۔ حضرت امیر ابو العلیٰ ظاہراً اگرچہ نوکری پیشہ تھے' مگر حقیقت مین ان کی ذات سے ولایت کے آثار نمایاں تھے اور طریقت میں ان کا رابطہ اپنے خالو خواجہ یحییٰ کے ساتھ تھا' جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ و فرزند اور اپنے عم بزرگوار خواجہ عبدالحق سے مجاز تھے۔ حضرت امیر ابو العلیٰ طریقۂ تصوّف میں اسی سلسلے کے مطابق عمل فرماتے تھے' مگر حقیقت میں ان کی تربیت اویسانہ طریق پر تھی۔ امیر ابو العلیٰ کے ارشادات و کلماتِ طیبات میں سے چند یہ ہیں:

سیرِ رُوحانی

نسبتِ روحانی کا ارتقاء بھی سیر کشتی کی مانند ہے۔ کشتی کا سوار ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ساکن ہے' جب ساحل پر پہنچتا ہے تو وہ قطع منزل پر مطلع ہوتا ہے۔

مقصودِ سماع

سماع اور بے خودی سے مقصود بشریّت کی عاداتِ مذمومہ کو ختم کرنا ہوتا ہے نہ کہ ان کے ذریعے محض عقل و ہوش کو مغلوب کرنا جیسا کہ غوّاص کا اصل مقصد موتیوں کا حصول ہوتا ہے نہ کہ منہ اور ناک میں پانی داخل کرنا۔

تعلق باللہ کی حقیقت

مشاغلِ دنیوی کے دوران حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے آگاہی و عرفان کے تعلق کی مثال ایسے ہے، جیسے کوئی شخص مٹکے پر مٹکا سر پر رکھ کر باتوں میں مشغول ہو جائے۔ اس اثناء میں اس کی باطنی توجہ مٹکے کی آواز سے منقطع نہیں ہوتی۔

کشف و کرامت

اگر کوئی شخص ہماری صحبت و مجلس میں اس صحرانورد کی طرح سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے، جو انتہائی گرمی کے موسم میں اچانک کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر اپنے تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ہے، ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے۔ ہمارے ہاں کشف و کرامت کی دنیا نہیں بلکہ عالمِ الوندی ہے۔

برکاتِ اسمِ ذات

میر نور العلیٰ حبسِ دم کے ساتھ ذکرِ نفی و اثبات کثرت سے کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا: جو کچھ تم نے اختیار کیا ہے، یہ طریقۂ سلف ہے، مگر اسمِ ذات کی ورزش دوسرے اذکار سے زیادہ مؤثر ہے۔

وصولِ حق کے طریق

اگر کوئی شخص ان سے وصولِ حق کی طلب کرتا ہے تو اس سے دریافت کرتے کہ محنت و مشقت سے حاصل کرنا چاہتے ہو یا مفت میں؟ اگر کوئی شخص پہلا طریقہ پسند کرتا تو اسے طریقۂ ذکر لکھ کر دے دیتے اور اگر دوسری خواہش کا اظہار کرتا تو فرماتے: صحبت میں آیا کرو۔

قوتِ توجہ

فرماتے تھے کہ جس شخص نے ہمارے سامنے آ کر کچھ فیض حاصل کر لیے، بالفرض اگر

وہ دولت آباد جا کر بھی مرتکبِ گناہ ہو تو ہمارا فیض اس سے ضائع نہیں جائے گا' ہاں البتہ اس کی راہ ترقی مسدود ہو سکتی ہے۔

تاثیرِ وجد و رقص

نقل ہے کہ حضرت امیر عارضۂ فالج میں مبتلا ہو گئے' جس کے سبب خاص طور پر طہارت اور وضو کے وقت آپ کو انتہائی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن یہ شعر پڑھنے لگے ۔

دردم از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

''میرا درد بھی تو درماں بھی تو میرا قلب و جسم و جاں بھی تو''

اس شعر کی تاثیر سے آپ پر زبردست وجد طاری ہوا' جس کی حرارت سے تمام اعضاء و جوارح میں کشادگی پیدا ہو گئی اور قوتِ بدن پہلی حالت پر واپس لوٹ آئی۔

تاثیر کلاہ

حضرت امیر نے ایک آدمی کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی' جسے اس نے جنگ میں پہنا۔ اتفاق سے کسی سپاہی کا تیر اس ٹوپی کو آ کر لگا' اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا اور تیر گر پڑا۔

سود کی نحوست

ایک رات حضرت امیر نے رفیقانِ مجلس پر بھرپور توجہ ڈالی' مگر انہوں نے کچھ اثر قبول نہ کیا۔ آپ متعجب ہوئے۔ اچانک چراغ گُل ہو گیا۔ اسی وقت مجلس میں عجیب و غریب آثار نمودار ہونے لگے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چراغ ایک سُود خوار لایا تھا۔ واضح ہو کہ حضرتِ امیر جذب و کشش کی انتہائی قوت رکھتے تھے۔ جب بھی کسی پر توجہ ڈالتے' وہ بے خود ہو کر مُردے کی طرح کھنچا چلا آتا تھا۔

جانوروں پر توجہ کا اثر

منقول ہے کہ حضرت امیر کی سواری کے جانوروں میں سے ایک جانور آپ سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ ان کی مجلس میں دوسرے طالبانِ حق کی طرح باادب ہو کر بیٹھتا تھا۔ جب اہل طلب امیر کی خدمت میں پہنچتے اور ان کے رُخِ انور کو دیکھ کر جوش و مستی میں بے قراری کا مظاہرہ کرتے۔ ان کے گرنے پڑنے سے اگر اس جانور کو کوئی چوٹ ضرب یا دھول دھپہ لگ

جاتا تو وہ اپنے آپ ہی میں مست بیٹھا رہتا' انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاتا۔ جانوروں کے اس قسم کے بے شمار قصے حضرت امیر سے روایت ہیں۔

سلسلۂ ابوالعلائیہ کی خصوصیات

واضح رہے کہ حضرت امیر ابوالعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقۂ تصوّف شریعتِ نبوی ﷺ کے اتباع اور طریقِ محمدی ﷺ کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جادۂ طریقت پر انہوں نے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا اور اس جادۂ نبوی ﷺ سے وہ سرِ مو بھی انحراف نہیں فرماتے تھے۔ نہ قول میں اور نہ ہی فعل میں۔ ان کے ابتدائی صحبت یافتگان مثلاً ملا ولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر کاربند تھے۔ ان کے بعد ع

بدنام کن مردنکونامے

''چند قسم کے ایسے لوگ آئے جنہوں نے خواہشِ نفسانی کا اتباع کیا''۔ فاسد عقیدوں اور کھوٹے اعمال کو اختیار کیا اور اللہ کے اس فرمانے کے مصداق بنے کہ ''ومن ذریتهما محسن و ظالم لنفسه ''(پارہ:۲۳' سورت:۳۷) (اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے)۔ حالانکہ حضرت امیر کی دستار مقدس اس خس و خاشاک سے پاک تھی اور ان کے طریقۂ عالیہ کا دامن اس گندگی سے آلودہ نہیں تھا۔ ملاّ لطف اللہ جامع (مقاماتِ حضرتِ امیر رحمہ اللہ) نے اس بات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت امیر کے حاضرینِ مجلس پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری ہوتا تھا۔ یوں نہیں کہ کوئی ان کی محفل میں کوئی خلافِ شرع ارتکاب کرے اور مزامیر و سرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مزامیر کو بھی خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدین رحمہ اللہ) کے فرمان کہ ''ما نہ ایں کارمے کنیم نہ انکارمے کنیم'' کے مطابق کبھی کبھار اتفاق سے سُن لیا کرتے تھے۔

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نور العلیٰ خلف الصدق میر ابوالعلیٰ سے زیادہ حق گو کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلیٰ سماع کی طرف حد سے زیادہ راغب تھے۔ فرمانے لگے: مجھے یاد نہیں کہ سوائے چند تقریبات کے انہوں نے سماع میں حصہ لیا ہو۔ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ میر ابوالعلیٰ جس شخص پر بھی

نگاہ فرماتے تھے یا اسے پان چبا کر دیتے تھے، وہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔ فرمانے لگے: میں نے ان کا چبایا ہوا پان کئی بار استعمال کیا ہے، یہ کوئی کلیہ نہیں تھا۔ واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میر ابوالعلیٰ کی کافی صحبت اٹھائی اور ان سے کلاہ و خرقہ بھی حاصل کیا تھا۔

حضرت خلیفہ کی پختگی ارادت اور توکل

حضرت والد فرماتے تھے کہ خلیفہ ابوالقاسم کو بھی میر ابوالعلیٰ کی صحبت نصیب ہوئی، لیکن حصولِ فیض کا رابطہ اور بیعت کا شرف ملّا ولی محمد سے حاصل تھا۔ ایک دن میر ابوالعلیٰ نے حضرت خلیفہ سے فرمایا کہ تم ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ خلیفہ نے عرض کی کہ ملّا ولی محمد کی بارگاہ بھی آپ کی بارگاہ کی مظہر ہے۔ اس عاجز نے جب علمِ ظاہری ان سے حاصل کیا ہے اور حصولِ علم کے دوران ان سے بے حد محبت پیدا کی تو رابطہ بیعت بھی ان کے ساتھ بہتر سمجھا۔ حضرت امیر یہ سُن کر تبسّم اور تحسین فرمانے لگے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسم پر مشرب گوشہ نشینی غالب تھا۔ کسی سے تعلقات نہیں رکھتے تھے۔ نیز ان کا مشرب توکل کلی اور ترکِ کاروبار تھا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

سہ نشان بود ولی را الخ

چوتھا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ان کی روزی کا کفیل ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں بالکل دُرست تھی۔ ظاہری سامان نہ رکھتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ پُر لطف زندگی گزارتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے تنگی رزق

ایک بار حضرت خلیفہ کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک کہیں سے گھی میسر نہ آ سکا۔ آپ متعجب ہوئے اور بغیر گھی کے گزارہ کرتے رہے۔ ایک دن کسی سبب سے اچانک مکان کی چھت پر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ لنگر کے گھی کا ایک مٹکا اہلِ خانہ میں سے کسی نے چھپا رکھا ہے۔ فرمایا: ان ایام میں غیب سے روزی نہ ملنے کا سبب یہی تھا۔ چنانچہ وہ گھی لنگر میں خرچ کیا اور اس کے بعد متواتر لنگر میں گھی آتا رہا۔

قربِ سلطانی سے اِستغناء

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانے میں فتاویٰ عالمگیری حکم شاہی سے جب تدوین وترتیب اور نظرِ ثانی کے مراحل سے گزر رہا تھا تو کچھ تحریری کام شیخ حامد کے سُپرد بھی ہوا جو میرزا محمد زاہد[1] کے مدرسہ میں ہمارے شریکِ درس تھے۔ یہ علمی خدمت ملنے پر وہ میرے پاس آئے کہ تم بھی میرے ساتھ اس کام میں تعاون کرو۔ تمہارے نام اتنا روزینہ مقرر ہو جائے گا۔ میں نے قبول نہ کیا۔ والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سُن کر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لیے بہت مبالغے سے کام لیا۔ مجبور ہو کر ایک مقررہ وظیفے پر میں اس کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت خلیفہ جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو فرمایا کہ یہ ملازمت ترک کر دو۔ عرض کی: والدہ ماجدہ ناراض ہوتی ہیں تو فرمایا: ''اذا جاء حق اللّٰه ذهب حق العباد '' (جب اللہ کا حق آ جاتا ہے تو بندوں کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں) ایک پَکی بات ہے۔ عرض کی: دعا فرمائیے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بغیر کوشش کے یہ ملازمت مجھ سے چھڑوا دے تاکہ والدہ کی ناراضگی سے بھی بچ جاؤں۔ آپ نے دعا فرمائی' چنانچہ کچھ دنوں میں بادشاہ نے تدوین فتاویٰ کے تمام ملازموں کی فہرست طلب کی اور ازسرِ نو تقرری و برطرفی کے احکام صادر کیے۔ جب میرے نام پر پہنچا تو وظیفہ خواروں سے کاٹ کر لکھا کہ اگر چاہیں تو اتنی زرعی زمین ان کو دی جائے۔ اہلکاروں نے مجھ سے پوچھا' میں نے قبول نہ کیا اور اس نجات پر شکر بجا لایا اور حمد وثناء پڑھی۔

صوفیاء کا تبحرِ علمی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مفوضہ حصے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر میری نظر پڑی' جس میں صورتِ مسئلہ کو گڈمڈ کر کے گنجلک بنا دیا گیا

[1] میرزا زاہد ہروی کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں ہندوستان آئے۔ قاضی اسلم ملا فاضل کے اور وہ میرزا جان شیرازی مشہور منطقی عالم کے شاگرد تھے۔ میرزا زاہد بچپن سے بڑے ذہین تھے' کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ عالمگیر کے دور میں مختلف خدمات پر مامور ہوئے۔ علاوہ زواہد ثلاثہ کے ان کا ایک حاشیہ تجرید پر بھی ہے اور اشراقیوں کی کتاب ہیاکل النور پر بھی ایک شرح لکھی ہے۔ ۱۶۹۰ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔

تھا۔ میں نے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔ مؤلف فتاویٰ عالمگیری نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے' چنانچہ اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر ہوگئی ہے۔ میں نے اس مقام پر ایک نوٹ دیا' جس میں لکھا:

"من لم یتفقه فی الدّین قد خلط فیه هذا غلط و صوابه کذا" یعنی جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا' اس نے یہاں گڑبڑ کر دی اور صحیح یوں ہے۔

ان دنوں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد سے زیادہ اہتمام تھا اور ملا نظام روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے' جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو اتفاقاً نوٹ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی سانس میں پڑھ دیا۔ بادشاہ چونک اٹھا اور کہا: یہ عبارت کیسی ہے۔ ملا نظام نے اس نشست میں دفع الوقتی کرتے ہوئے کہا: اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے' کل تفصیل سے عرض کروں گا' جب گھر لوٹے تو ملاّ حامد پر بگڑے کہ فتاویٰ کا یہ حصّہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑا ہوا تھا۔ تم نے مجھے بادشاہ سے شرمندہ کیا ہے۔ فرمایئے: یہ لفظ کیا ہے؟ ملا حامد اس وقت کچھ نہ بولے۔ بعد میں مجھ سے اظہارِ ملال کیا۔ اس پر وہ کتابیں جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں' میں نے پیش کر دیں اور مسئلے کا ابہام اور عبارت کا گنجلک پن ان پر اس انداز سے واضح کیا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس دن کے بعد مفتیانِ کرام کا یہ گروہ مجھ سے حسد کرنے لگا۔ میری برطرفی کا ظاہری سبب یہ واقعہ بنا۔ زیادہ بہتر خدا جانتا ہے۔

خوابِ فقراء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ تعمیرِ مکان میں مشغول تھے۔ کاریگر کی کھڑی کی ہوئی دیوار میں بھی میخ نکال رہے تھے۔ میں بھی اسی دوران جا پہنچا۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے' میں نے اپنے کپڑے کس لئے اور چاہا کہ گِل گارا تیار کروں۔ فرمانے لگے: اس سے پہلے بھی کبھی گارا تیار کیا ہے؟ عرض کی: نہیں' مگر اندازے اور قیاس سے ضرورت کی ہر چیز بنا سکتا ہوں۔ فرمانے لگے: یہ کام اٹکل پچو سے صحیح طور پر نہیں ہوسکتا۔ تمہارے لیے ایک اور کام تجویز کیا ہے۔ ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ چارپائی

لا کر سایۂ دیوار میں بچھا دو اور مجھے حکم دیا کہ تم دُور سے آئے ہو ذرا آرام کر لو۔ میں تعمیلِ حکم میں لیٹ گیا' مگر نیند کوسوں دُور تھی۔ فرمانے لگے: درویشوں کی نیند تو اختیاری ہوتی ہے۔ یعنی ماسوی اللہ سے فراغت اور خیالِ حق میں کھو جانا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرا رفیق سید عبدالرسول نامی آیا۔ فرمانے لگے: وقت پر پہنچے ہو وہ کمر کس کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فرمایا: میرا مطلب یہ ہے کہ اس چارپائی پر بیٹھ کر اس درویش کے پاؤں داب دیجئے کیونکہ یہ لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ بہرحال اس قسم کے الطافِ کریمانہ فرماتے رہے اور ہر روز کرم و احسان میں اضافہ ہوتا رہا۔

حجِ درویشاں

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کو حج کا خیال آیا۔ بغیر سواری' زادِ راہ اور بلا رخصتِ اہلِ خانہ گھر سے نکل کر حجاز کی راہ لی۔ راستے میں بعض مخلص ان کے ہم سفر ہونے لگے۔ اگر کوئی غیر متاہل ہوتا تو اسے ساتھ لیتے اور عیالدار کو یہ کہہ کر دور کر دیتے کہ ہم نے طویل سفر کا قصد کر رکھا ہے۔ اسی طرح حجاز جا پہنچے اور کافی عرصہ وہاں رہے۔ بہت دنوں بعد گہوارہ امن و بہبود کو واپس لوٹے۔ سفر حجاز میں آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ رفقاء میں مشہور تھا کہ آپ جب گھر سے نکلے تھے تو صرف ایک چوَنی پاس تھی۔ پورے سفر میں کہیں بھی اسے صرف کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہاں تک کہ جب واپس لوٹے تو جیب میں وہی چوَنی موجود تھی۔ جب ان سے اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا کہ تاحال کسی نے بھی اس بارے میں سوال نہیں کیا' جب میں گھر سے نکلا تو ایک شخص نے یہ چوَنی بطور نیاز پیش کی اور میں نے جیب میں رکھ لی۔ بعد میں کہیں بھی اس کی ضرورت پیش نہ آئی۔ جب وہ کپڑے اُتار کر میں نے نیا لباس پہنا تو ہم سفروں نے وہ چوَنی کپڑے میں باندھ کر محفوظ کر دی۔ اس کے بعد لباس بدلتا رہا اور وہ چوَنی باندھ کر محفوظ کی جاتی رہی۔ مجھے پورے سفر میں نہ اُترے ہوئے لباس اور نہ اس چوَنی کی طرف کوئی التفات ہوا۔ جب گھر لوٹے تو وہ کپڑے اور چوَنی رفقائے سفر نے پیش کی اور یہ قصہ مشہور ہو گیا۔

طوفانوں پر تصرّف

حضرت خلیفہ سفر حجاز میں عموماً اپنے رفقائے جہاز کو مقامات اور کراماتِ اولیاء سنایا

کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اولیاء کے پانی پر چلنے اور دور دراز مقامات کو آناً فاناً طے کرنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان کرامات سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آتے ہیں' جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ سُن کر آپ کی غیرتِ ایمانی جاگ اُٹھی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کو ملامت کی اور وہ خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ میرے جھگڑے کی وجہ سے فقیر ہلاک ہوا اور رفقائے خلیفہ بھی حضرت کے تصورِ مہجوری سے غمناک ہونے لگے۔ عین اسی وقت حضرت خلیفہ نے بُلند آواز سے کہا کہ رنجیدہ نہ ہوں۔ میں خیر و عافیت سے پانی کی سطح پر سیر کر رہا ہوں۔ یہ سُن کر تمام اہلِ جہاز اور کپتان نے آئندہ درویشوں سے گستاخی کرنے سے توبہ کی اور حلقۂ نیاز منداں میں شامل ہو گئے۔ ان کے رجوع و توبہ کے بعد حضرت خلیفہ صحیح و سالم جہاز پر چڑھ آئے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

حرمین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا' جسے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی کلاہِ مبارک تبرکاً سلسلہ وار اپنے آباء و اجداد سے ملی ہوئی تھی' جس کی برکت سے وہ شخص حرمین شریفین کے نواح میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تجھا۔ ایک رات حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کو (کشف میں) اپنے سامنے موجود پایا' جو فرما رہے تھے کہ یہ کلاہ ابو القاسم اکبر آبادی تک پہنچا دو۔ حضرت غوث الاعظم کا یہ فرمان سُن کر اس شخص کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص لازماً کوئی سبب رکھتی ہے۔ چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہِ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جبّہ بھی شامل کر لیا اور پوچھ گچھ کرتے' حضرت خلیفہ کی خدمت میں جا پہنچا اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرّک حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کے ہیں اور انہوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابو القاسم اکبر آبادی کو دے دو۔ یہ کہہ کر تبرّکات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ خلیفہ ابو القاسم نے تبرّکات قبول فرما کر انتہائی مسّرت کا اظہار کیا۔ اس شخص نے کہا: یہ تبرک ایک بہت بڑے بزرگ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے شکریئے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے رُوسائے شہر کو مدعو کیا۔ حضرت خلیفہ نے فرمایا: کل تشریف لانا۔ ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے۔ آپ جس

جس کو چاہیں دے دیجئے۔ دوسرے روز علی الصباح وہ درویش رؤسائے شہر کے ساتھ آیا۔ دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی۔ فراغت کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو متوکل ہیں' ظاہری سامان کچھ بھی نہیں رکھتے۔ اس قدر طعام کہاں سے مہیا فرمایا ہے؟ فرمایا کہ اس قیمتی جبے کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو مکار ثابت ہوا۔ ایسے تبرکات کی قدر اس نے نہیں پہچانی۔ آپ نے فرمایا: چپ رہو' جو چیز تبرک تھی۔ وہ میں نے محفوظ کر لی ہے اور جو سامانِ امتحان تھا۔ ہم نے اسے بیچ کر دعوتِ شکرانہ کا انتظام کر ڈالا۔ یہ سُن کر وہ شخص متنبہ ہو گیا اور اس نے تمام اہلِ مجلس پر ساری حقیقتِ حال کھول دی' جن پر سب نے کہا کہ الحمدللہ! تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔

قحط میں خوشحالی

حاجی نور محمد جو حضرت سید عبداللہ اور خلیفہ ابوالقاسم دونوں کے صحبت یافتہ اور ہمارے یارِ قدیمی تھے' بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت خلیفہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے' اتفاق سے مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا۔ قریب تھا کہ لوگ انسانوں کو کھا جاتے۔ انہی ایام میں بارہا ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انہیں بریانی وغیرہ ایسے لذیذ طعام تناول کرتے ہوئے پایا' جو ہمیں بھی عنایت فرماتے تھے' جسے کھا کر ہم لوگ تعجب کرتے تھے۔ ایک روز ہم اس معمہ کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو متبسّم ہو کر فرمایا کہ جو خدا اکبر آباد میں تھا' وہ یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

احترام مہمان

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک روز ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ حمام کی تیاری کر کے گھر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ مجھ دیکھ کر واپس پلٹے۔ چمچہ' پیالہ' گلاب اور بتاشے میرے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ پھر فرمایا: جی چاہے تو بتاشے کھا لیجئے' ورنہ گلاب میں ڈال کر شربت نوش کیجئے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا کہ موسم سرد ہے' لہٰذا محض بتاشے کھانا مناسب رہیں گے۔ آپ خاموش رہے اور مجھ سے فرمایا کہ آپ کو کیا پسند ہے؟ میں نے عرض کی: شربت۔ فرمایا: کیوں؟ عرض کی: مختصراً یہ کہ آپ جو چمچہ پیالہ اور گلاب لائے ہیں' اگر محض بتاشوں پر اکتفا کر لوں تو یہ چیزیں بیکار جائیں گی حالانکہ اولیاء کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت لازمی ہوتی ہے اور تفصیلاً یہ کہ آپ حمام کو جا رہے

ہیں۔حمام کی تکلیف کو بھی شربت ہی تسکین دے سکتی ہے۔ادھر فقیر لمبا سفر کر کے آ رہا ہے اور خفقان کا مریض بھی ہے اور شربت خفقان کے لیے مفید ہوتا ہے۔ یہ سُن کر آپ اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم نے بغیر پوچھے کیوں جواب دیا؟ بے ادب! ہماری مجلس کے لائق نہیں ہو۔ آپ بہت غصہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ اُٹھ کر چلے جاؤ۔ فقیر نے گزارش کی کہ یہ درویش مجھے بددعا دے گا۔ کیونکہ میری وجہ سے وہ آپ کی مجلس سے محروم ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ درگذر فرمایئے۔ اگر دوبارہ اس سے کوتاہی سَرزد ہو تو آپ کو اختیار ہے۔ بہرحال اسے معاف کر دیا' آپ اس طرح لوگوں کو ادب سکھایا کرتے تھے۔

خانقاہی بے تکلفی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ نے جب ارادہ کیا کہ مجھے ارشاد و ہدایت میں اجازت بخشیں تو اپنے ایک انتہائی مخلص کو حکم دیا کہ طعام تیار کرو۔ لوگوں کو دعوت پر بلایا اور فقیر کو بھی طلب کر کے دستار بندھائی اور دُم کی مانند پیچھے سے شملہ بھی چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کی کہ میں اس مہتم بالشان کام کی لیاقت نہیں رکھتا اور ان حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ فرمانے لگے: تمہیں دوسری جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ سید عبداللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا تھا؟ عرض کی: انہوں نے تمام حقوقِ ارادت مجھے معاف کر رکھے تھے۔ فرمانے لگے: ہم نے بھی تمام ظاہری اور باطنی حقوق معاف کر دیئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض فقراء جان بوجھ کر کام کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ عذبہ (شملہ کے لیے مستعمل لفظ) علاقہ یا تعلق کو کہتے ہیں اور اس کے پسِ پشت ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ تمام حقوق کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔

فقیر اور دنیوی سکون

حضرت والد نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسم فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے آرام کے لیے بھی فقیری اختیار نہیں کرتے۔ یعنی جب طبیعت یکسو ہو اور تمام خطرات و وساوس دُور ہو جائیں تو آدمی کو ظاہری حرج کے باوجود بھی کلیۃً آرام و سکون حاصل ہو جاتا ہے۔

صوفیاء اور وقت کی قدر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں سے ایک معمار اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتا تھا

کارِ عالم درازیٔ دارد　　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

"کاروبارِ دنیا کی کوئی حد و نہایت نہیں، جس قدر ممکن ہو کاروبارِ دنیوی کو مختصر کرو اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو"۔

اندازِ تربیت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں سے ایک مردِ درویش سید عبدالرسول کی ایک صاحبزادی تھی۔ اس کی شادی کے لیے جب پریشان ہوئے تو ارادہ کیا کہ کچھ مالداروں سے مدد طلب کریں۔ حضرت خلیفہ کے پاس آئے کہ میں دہلی جا رہا ہوں۔ خلیفہ نے رخصت کیا اور فرمایا: سب سے پہلے فلاں آدمی سے ملاقات کرنا اور یہ کہہ کر میرا نام (عبدالرحیم) لیا۔ اس کے بعد پھر جہاں جی چاہے چلے جانا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے۔ میں نے ملتے ہی کہا کہ حضرت خلیفہ کا اصل مقصد آپ کو دولت مندوں کے دروازوں سے باز رکھنا تھا، مگر جب آپ کو پریشان دیکھا تو نہ چاہا کہ اپنی زبان سے منع کریں۔ یہ سنتے ہی سیّد صاحب اصل حقیقت تک پہنچ گئے اور اغنیاء کے دروازوں تک جانے کا خیال ترک کر دیا۔ جب یہ بات حضرت خلیفہ تک پہنچی تو فرمایا: واقعی اس (عبدالرحیم) کے پاس بھیجنے سے میری غرض یہی تھی۔

امانتِ فقر

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت خلیفہ مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شہر کے درویشوں کی زیارت کیا کرو لیکن میں پس و پیش کر جاتا تھا، کیونکہ میں اپنے دل میں کلی طور پر بجز ان کے کسی کی کشش نہ پاتا تھا۔ ایک روز تاکید سے فرمایا اور جب جھجک دیکھی تو خادم سے فرمایا: انہیں سیّد عظمت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ (جو مشائخِ چشتیہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے) انہیں میرا اسلام کہہ کر عرض کرنا کہ ایک درویش کو آپ کی ملاقات کے لیے بھیج رہا ہوں۔ جب ہم ان کے محلّے میں پہنچے تو خادم ان کا مکان بھول گیا۔ اتفاق سے وہاں کچھ بچے

کھیل رہے تھے۔ میری نگاہ ایک بچے پر پڑی تو میں نے فوراً کہا کہ یہ بچہ تو بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے۔اس سے پوچھ لیجئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سید عظمت اللہ کا بیٹا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیں گھر لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام جناب سیّد تک پہنچایا۔ انہوں نے کہلوا بھیجا کہ میں بسترِ علالت پر پڑا ہوں۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خاندان کی سب عورتیں گھر میں جمع ہیں' پردہ بھی نہیں ہوسکتا' مجھے معاف رکھیئے۔ پھر یکا یک ایک دوسرے آدمی کو بھیجا کہ حضرت خلیفہ کے درویشوں کو بٹھایئے اور خادموں سے اپنی چارپائی اٹھوا کر دروازے تک پہنچائی اور فرمایا کہ میں معذور تھا' مگر پھر خیال آیا کہ حضرت خلیفہ کا بھیجنا حکمت سے خالی نہ ہوگا۔ پھر مجھ سے نام ونسب اور وطن کے بارے میں پوچھنے لگے اور خوب جانچ پڑتال کرتے رہے۔ میں نے اپنے جد بزرگوار شیخ عبدالعزیز شکر بار کی نسبت کو مخفی رکھا' کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سید صاحب کا سلسلہ حضرت شیخ تک پہنچتا ہے اور اس اعتبار سے وہ ایسی تکلیف کے وقت میں بھی تواضع وخدمت سے باز نہ آئیں گے' جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوگی' مگر انہوں نے فراست سے پہچان لیا اور ایک علمی اشکال میرے سامنے پیش کر کے جواب کے طالب ہوئے۔ میں نے عرض کی: میں فائدہ حاصل کرنے آیا ہوں نہ کہ فائدہ پہنچانے۔ فرمانے لگے: ہم یہ سوال پیش کرنے پر مامور ہیں۔ بہرحال اس وقت جو کچھ ظاہر اور منکشف ہوا' میں نے بیان کر دیا' جسے سُن کر ان کے چہرے پر تازگی اور مسرت پھیل گئی اور اپنے آپ کو چارپائی سے نیچے گرا دیا اور فرمایا: نادانی میں مجھ سے کوتاہی سَرزد ہوگئی۔

دورانِ گفتگو فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز شکر بار قدس سرہٗ نے میرے دادا صاحب کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی آپ کے پاس آئے اور اس علمی اشکال کا جواب اس طرح سے پیش کرے تو میری امانت اس تک پہنچا دینا اور وہ امانت میرے بعض تبرّکات اور اجازتِ طریقہ پر مشتمل ہے۔ میرے جدِ محترم زندگی بھر تلاش کرتے رہے۔ وہ میرے والد کو وصیت فرما گئے۔ والد محترم بھی تلاش وتجسّس کے باوجود نہ پا سکے تو نوبت مجھ تک پہنچی' میں بھی عمر بھر تلاش کرتا رہا اور نہیں پا سکا' اب دمِ آخر ہے۔ اس لیاقت کا کوئی فرزند بھی نہیں رکھتا' مگر الحمدللہ! کہ صاحبِ امانت خوبی تقدیر سے سامنے آ گیا۔ یہ کہہ کر عمامہ میرے سَر پر باندھا' اجازتِ طریقت عنایت فرمائی۔ کافی مقدار میں شیرینی اور کچھ نقد نذرانہ بھی پیش کیا۔ جب میں واپس لوٹا تو حضرت خلیفہ خوش روئی سے ملے اور فرمایا: کامل اور بھرپور ہو کر آئے ہو۔ میں

نے وہ سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ فرمانے لگے: نقد ظاہری خوشحالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ سکونِ قلب اور اجازتِ طریقت کی طرف اشارہ ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی کسی کا حصے دار نہیں ہو سکتا۔ بعد میں آپ نے تھوڑی سی شیرینی قبول فرمائی والد ماجد نے فرمایا کہ اس قصے سے کئی کرامات کا انکشاف ہوتا ہے۔ خاص طور پر شیخ عبدالعزیز اور حضرت خلیفہ ابوالقاسم (اللہ ان سے راضی ہو) کی کرامات کا اظہار۔

سوانح شاہ عظمت اللہ

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مفتاح العارفین کی تحقیق کے مطابق جو میر محمد نعمان نقشبندی کے اخلاف کے تصانیف میں سے ہے' شاہ عظمت اللہ ابن بدرالدین ابن سید جلال قادری متوکل اکبر آبادی کے فرزندِ ارجمند اور حسینی ترمذی سادات میں سے تھے۔ ان کا مولد و مسکن اکبر آباد تھا اور مدفن دفن بھی یہی شہر بنا' نایاب شخصیت کے مالک تھے۔ فقراء ہوں یا اغنیاء سب سے بے نیاز ہو کر گوشۂ عافیت میں لحاتِ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سلسلۂ قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ اور شطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ بہتر برس کے ہو کر ۴ ربیع الاوّل ۱۰۸۴ھ کو جانِ جان آفریں کے سپرد کی اور اپنے محلّہ میں مدفون ہوئے۔

فقراء اور مجاذیب کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں

مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک ایسے خلیفے کو دیکھا جو ضعیف العمری کے باوجود تابناک چہرے والے اور انتہائی جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ شیخی کے نام سے مشہور تھے۔ تقریب عرس مناتے تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں' میں بھی کئی دفعہ ان کے عرس میں شامل ہوا۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس جلیل القدر مردِ بزرگ کا اصل نام شیخ نعمت اللہ تھا اور وہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھا' مگر عرفِ عام میں وہ شیخی کے نام سے معروف تھے۔ جب شیخ نعمت اللہ خواجہ بیرنگ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ان پر بے حد لطف و کرم فرمایا۔ حضرت شیخی نے ۱۰۶۷ھ میں

رحلت فرمائی۔ خواجہ شیخی کے ذکر کے بعد حضرت والد نے لطیفے کے انداز میں ایک حکایت بیان کی۔ فرمانے لگے: خواجہ شیخی مردِ ولایتی تھے' بڑی سی پگ سَر پر رکھتے اور کشادہ جبہ پہنتے تھے' مگر عرس میں تبرّک کے لیے انتہائی چھوٹی روٹیاں تقسیم کرتے تھے۔ ایک ظریف نے از راہِ تمسخر کہا: میاں شیخی! جُبّہ شما ہزار میخی' دستارِ شما آں و نانِ شما ایں (میاں شیخی! تمہارا جبہ تو وسیع و عریض ہے' دستار وہ ہے مگر روٹی یہ' گویا اونچی دکان اور پھیکا پکوان والا قصہ ہے)۔

آئینہ دل

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں اکبر آباد میں جا رہا تھا کہ مجذوب شکل ایک درویش سامنے آ گیا اور زمانے بھر کے مجذوبوں کے نام لے لے کر کہنے لگا کہ شام میں فلاں مجذوب ہے۔ روم میں فلاں مجذوب ہے' وغیر ذلک۔ میرے دل میں آیا کہ کاش! ہندوستان کے مجذوبوں کے نام بھی لیتا۔ میرے دل میں اس خیال کے آتے ہی ہندوستان کے مجذوبوں کے نام گننے لگا۔ اسی اثناء میں کہنے لگا کہ فلاں مجذوب بہت ہی خوب ہے (راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ رائے بھیکا مجذوب کے بارے میں تھی) اور فلاں آدمی نیم مجذوب ہے۔ راقم کا گمان ہے کہ یہ بات اس نے پیرا مجذوب کے متعلق کہی' اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ کاش ہندوستان کے سالکوں کے بارے میں بھی کچھ بیان کرتا۔ اس خیال پر فوراً مطلع ہو کر کہنے لگا کہ اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم کا ثانی کوئی نہیں ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا: تم کیوں کھڑے ہو' چلے جاؤ اور میں وہاں سے چل پڑا۔

منوا مجذوب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں کسی تقریب کے سلسلے میں سونی پت گیا تو دل میں آیا کہ منوا مجذوب کی زیارت بھی کرلوں۔ ان کی جگہ پر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ میری آہٹ پا کر گدڑی لپیٹ لی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنا ستر ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر بعد میں یونہی بیٹھا رہا اور وہ بھی خاموش رہے۔ بالآخر میں نے آغازِ کلام کیا اور کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں' اگر ہوش و آگہی سے جواب دیں تو پوچھوں ورنہ رہنے دوں۔ فرمایا: حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔ میں نے پوچھا کہ آخر منزل سلوک میں آپ کو وہ کون سا مقام حاصل ہوا ہے کہ عقل و شعور سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟ کچھ دیر سوچ کر کہا کہ اگر کوئی

شخص گرمی سے شرابور ہو کر آئے اور اچانک ٹھنڈی ہوا چلنے سے اسے راحت و فرحت نصیب ہو تو اس راحت کو تم کن الفاظ سے تعبیر کرو گے؟ میں نے کہا: یہ کچھ اور اس سے بھی بہتر بہت کچھ سالکانِ طریقت کو حاصل ہوتا ہے مگر باوجود اس کے ان کی عقل برقرار رہتی ہے۔ کہنے لگا: یہ فضل اور عطائے الٰہی ہے جس کو جس حال میں چاہے رکھے۔

مجاہداتِ سلوک

والد ماجد فرمایا کرتے تھے: ایک دفعہ کو میرے والد (جد شاہ ولی اللہ) کسی دُور دراز سفر سے آئے ہوئے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ شہر سے باہر ہی باہر کسی دوسرے سفر پر چلے جائیں' مجھے طلب فرمایا۔ میں زیارت کو چل پڑا۔ راستے میں میرا گزر ایک بارونق باغ پر سے ہوا' میں اس میں سیر و تفریح کرنے لگا۔ اس میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں زمین سے لگی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں کی گپھا میں ایک مغلائی صورت مجذوب بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی آواز دی کہ دوست ادھر آؤ۔ کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی بیٹھو۔ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سلوک و مجاہدات کی باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں سے ایک یہ بھی بتائی کہ میں آغازِ سلوک میں ایک پہر بلکہ اس سے بھی زیادہ حبسِ دم کرتا تھا۔ یہ مجذوب بظاہر مولانا قاضی قدس سرہٗ کے سلسلے سے نسبت رکھتا تھا' اسی اثناء میں کہنے لگا کہ تمہارے ساتھ فلاں طعام ہے' اس میں سے تھوڑا سا میرے لیے منگواؤ' میں نے منگوا دیا تو انہوں نے تناول فرمایا۔ پھر کہنے لگے: تمہاری جیب میں اس قدر پیسے ہیں' مجھے ان میں سے ایک سکے کی ضرورت ہے تاکہ حجام کو دے کر سَر اور ڈاڑھی کی اصلاح کرا سکوں' میں نے پیسے ان کے سامنے رکھے اور اسی وقت چل پڑا۔

طعامِ اغنیاء سے نفرت

والد ماجد فرماتے تھے کہ مارواڑ کی طرف ایک مجذوب رہتا تھا' جو مسجد میں کبھی نہیں آتا تھا۔ کہتا تھا کہ ہم پلید ہیں' ہمیں مسجدوں میں آنا مناسب نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اس علاقے کے زمینداروں کا کھانا بھی نہیں کھاتا تھا اور اس سلسلے میں ہندی میں کچھ کہا کرتا تھا' جس کا مطلب یہ تھا کہ اس طعام میں گھٹن اور روحانی قبض ہے۔ جب میں اس طرف گیا تو مجھے دیکھتے ہی وہ مسجد میں چلا گیا اور میرے ساتھ طعام بھی تناول کیا۔ لوگوں نے پوچھا: یہ کیوں؟

کہنے لگا: اس بزرگ کے سبب سے پاک ہو گیا اور تمہارے طعام کی گھٹن بھی دُور ہو گئی۔

حدیثِ دل

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شرح ملا جامی[1] کی بحثِ عطف میں ایک ایسی مشکل عبارت پیش آئی، جس کو بڑے بڑے فضلاء اور خوش مزاج (دوسروں کو زچ کرنے کے لیے) اپنا موضوع بنائے رکھتے تھے۔ آغازِ جوانی میں، میں نے ایک رات اس مقام کا مطالعہ کیا اور ایک اعتراض مرتب کر کے شیخ حامد کے سامنے پیش کیا۔ کہنے لگے: بعینہٖ یہی اعتراض مجھے سُوجا ہے، توارد ہو گیا ہے۔ دوسری رات میں نے اس کا حل سوچا۔ شیخ حامد نے شرح ملاّ کا نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس مقام پر یہ اعتراض لکھا ہوا تھا اور آخر میں فتامّل کا لفظ مرقوم تھا۔ کہنے لگے: عبارت میں تامّل اور غور وفکر سے یہی حل نکل سکتا ہے۔ تیسری رات میں نے اس حل کو کمزور کر ڈالا اور اعتراض کی تقویت کی۔ بہرحال میں اسی بحث ومباحثے میں مسجد جٹو میں آدھی آدھی رات تک مطالعہ کرتا رہتا۔ اسی دوران ایک رات میں اکیلا تھا کہ ایک کشیدہ قامت خوش رو مجذوب آیا، جو فارسی میں کلام کے موتی لٹاتا رہا۔ میرے قریب آ بیٹھا اور خوش طبعی سے کہنے لگا: اے استاذ! دستار کا شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام؟ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے دستار کے نیچے سے اس قدر کونہ کھینچا کہ شملہ بن گیا۔ پھر میں نے فوراً کہا کہ بعض روایات میں سنت ہے اور بعض میں مستحب ہے۔ یہ حرکت دیکھ کر وہ بہت ہنسا۔ اسی اثناء میں اس نے کہا کہ کس قدر اچھی رات ہے، کسی طالب کی گردن پر سوار ہو کر اسے اس مسجد میں دوڑانا چاہیے، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں ڈرا کہ کہیں مجھ پر نہ جھپٹے، خنجر میرے پاس تھا۔ اسے ہاتھ میں مضبوط پکڑ کر میں نے کہا: آج رات کتنی اچھی ہے۔ کسی

---

[1] آپ کا پورا نام عبدالرحمٰن ہے۔ آپ کے جد امجد مولانا شمس الدین نے پہلے پہل خراسان کے موضع جام میں اقامت اختیار کی۔ آپ کے والد مولانا نظام الدین بھی متبحر عالم اور مشہور درویش تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی موضع جام ہی میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجموعہ کمالات و جامع شخصیت بنایا۔ علم نحو میں آپ کی کتاب شرح ملاّ اپنے موضوع کی بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آپ کا عارفانہ، عاشقانہ اور نعتیہ کلام بے حد مقبول ہے۔ آپ ۱۹ ربیع الثانی ۸۹۶ھ کو واصل بحق ہوئے۔

درویش کو ذبح کر کے اس کا گوشت پوست کھانا چاہیے۔ بہت ہنسا اور کہا: اے استاذ! یہ کس کتاب میں پڑھا ہے کہ درویشوں کو ذبح کرنا اور ان کا کھانا حلال ہے؟ میں نے کہا: اور تم نے یہ کس کتاب میں پڑھا ہے کہ طالب علم پر سوار ہو کر اسے بے ہوش کرنا مباح ہے؟ کہنے لگا: ان الفاظ سے میں مجازی معنیٰ لے رہا تھا' یعنی طالب علم کو اپنے تصرّف میں لے کر اسے دنیائے آب وگل کی تکالیف سے نجات دلانی چاہیے۔ میں نے کہا: میں بھی مجازی معنوں میں کہہ رہا تھا۔ یعنی درویش کے قلب پاک کو کلی طور پر اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کمالات حاصل کرنے چاہئیں۔ کہنے لگے: مجاز کو حقیقی معنوں سے کچھ تعلق ہونا چاہیے' میرے مجاز کا تعلق ظاہر سے ہے۔ فرمایئے! تمہارے مجاز کا حقیقت سے کیا تعلق ہے؟ میں نے کہا: منقول ہے کہ امامِ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے آغازِ عمر میں خواب دیکھا کہ حضرت پیغمبر ﷺ کی ہڈیاں مبارک قبر سے باہر نکال کر انہیں ایک دوسرے سے چھانٹ رہے ہیں۔ آپ اس خواب کی ہیبت وعظمت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے اور مشہور مُعبّر ابن سیرین کے اصحاب میں سے ایک کے سامنے یہ خواب بیان کی۔ انہوں نے کہا: مبارک اور بشارت ہو کہ تم سنتِ نبوی ﷺ کو بخوبی پہچانو گے اور صحیح کو غلط سے جُدا کر سکو گے' یہ تعبیر میرے مجاز کے تعلق پر شاہد ہے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ اگر ان تین راتوں میں ذکر الٰہی کرتے تو اُخروی فوائد حاصل ہوتے۔ اگر آرام کرتے تو تن بدن کو راحت نصیب ہوتی' مُردوں کے جھگڑوں سے تجھے کیا حاصل۔ عرض کی: سچ کہتے ہو' مگر کیا کروں۔ ایسی علمی تحقیقات سے اس قدر اُلفت پیدا ہو چکی ہے کہ اس کا ترک ممکن نہیں۔ فرمانے لگے: خوش ہو' ان لایعنی امور کے ترک کا زمانہ قریب پہنچ گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے۔ مجھ سے ایک شعر لکھ لو۔ عرض کی: دوات وقلم ساتھ نہیں۔ فرمانے لگے: حافظے پر نقش کر لو۔

کارے نساختیم ودمیدن گرفت صبح   ادجِ چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

"(زندگی کے سفر میں) کوئی کام نہ کر سکے کہ صبح طلوع ہو گئی' چراغ خانہ کی بتی یونہی افسانہ گوئی میں جل کر رہ گئی"۔

ولی را ولی می شناسد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد مطالعہ کرنے سے دل بُجھ گیا اور پھر

کبھی طالبعلموں کی طرح مطالعے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ راستہ میں جارہا تھا کہ ایک مجذوبہ سامنے آ گئی۔ بتی کے تیل سے تَر کی ہوئی چیتھڑوں کی گدڑی اس نے اپنے اوپر لے رکھی تھی۔ میرا راستہ پکڑ لیا اور بُلند آواز سے پکاری کہ یہ شخص لوائے نقشبندیہ کا حامل ہے' جسے خواہش ہو اسے دیکھ لے۔ میں نے کہا اس سے زیادہ مجھے رُسوا مت کرو۔ چنانچہ یہ سُن کر وہ چلی گئی۔ راقم الحروف کے گمان میں حضرت والد نے اس روز یہ بھی فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کے دن تجھے جو بھی دیکھے گا وہ بخشا جائے گا اور اسی وجہ سے بازار چلا گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میرے دل میں آیا کہ صوفیاء کے لباس میں قید رہنا تکلف سے خالی نہیں۔ چنانچہ میں نے یہ لباس اُتار دیا۔ سپاہیوں والا عمامہ باندھ کر کمر سے شمشیر لٹکائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ ایک مجذوب سامنے آ گیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص چاند کو پیالے سے ڈھانپ سکتا ہے؟ تجھے قسم ہے معبودِ ذوالجلال کی! یہ وردی اُتار اور لباسِ صوفیاء پہن' اس دن کے بعد میں نے اپنے اوپر صوفیانہ لباس لازم قرار دے دیا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شاہ ارزانی ایک مجذوب بزرگ تھے' جو عموماً حاکمانہ وضع میں رہتے تھے۔ میری دعوت قبول کرنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ایسی خلعتِ فاخرہ میں ملبوس ہو کر باہر نکلتے جو سلاطین کے سوا عموماً کسی کو میسر نہیں آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد لباس اُتار کر ننگے ہو جاتے' ایک روز ہم مسجد جنو میں بیٹھے تھے کہ میں اُٹھ کر کہیں چلا گیا اور اہلِ خانہ کو بھی مجذوب کی خدمت اور مہمان نوازی کے بارے میں کچھ کہنا بھول گیا۔ پندرہ دنوں بعد واپس آیا تو انہیں وہیں پایا۔ اس عرصے میں ایک دو بار سے زیادہ انہیں کھانا نہ مل سکا۔ مگر اس کے باوجود ان کے بدن پر نقاہت وغیرہ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ برادرِ گرامی (ابوالرضا محمد) ابتداء میں انتہائی تنگ دست تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں انہی مجذوب بزرگ سے رجوع کیا۔ مجذوب نے اکتالیس بار سورۂ مزمّل پڑھنے کو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے برادرِ گرامی کو وسعت اور خوش حالی سے سرفراز فرمایا ہے' ایک دفعہ کسی دوست کے بارے میں ان سے سفارش کی کہ تنگ دست اور عیال دار ہے' اس پر توجہ فرمائیے۔ چند شرائط کے ساتھ ایک دُعا پڑھنے کو فرمایا۔ ان شرائط میں ترکِ کذب اور ترکِ قتلِ حیوان بھی شامل تھا۔

اسی دوران اس نے ایک جوں کو مارا اور ایک لڑکے کو بُلا کر کہا: آؤ اور لے جاؤ مگر دیا کچھ نہیں۔ یہ سُن کر مجذوب نے فرمایا: اب یہ دُعا پڑھنے کی تکلیف نہ اُٹھاؤ۔ تمہیں کچھ فائدہ نہ ہو گا، مگر اس نے چلّہ پورا کیا اور توجہ وزاری کے ساتھ مجذوب سے رجوع کیا۔ مجذوب نے ایک کورا برتن طلب کیا، اس میں نقش لکھا اور سیماب ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اس میں سے تھوڑا سا جوڑا بنا اور کچھ ایسے ہی رہ گیا۔ اس کے بعد ان مجذوب کی زبان سے معلوم ہوا کہ یہ شخص اس قابل نہیں تھا، ورنہ میں نے جو کچھ چاہا ہے وہ بغیر کسی شرط کے ہوجاتا رہا ہے۔

مگس را ہما کنند

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھی۔ ایک دن مجھ سے کہا: سماع کا ذوق رکھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، پھر ایک کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ سنگریزے پر کچھ لکھا اور وہیں ڈال دیا۔ عجیب وغریب سازوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کبھی کبھار ایسے دُعا پڑھتے کہ بھڑ نکل آتے اور پہلے سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی سے انہیں مارتے اور خالص سونا بن جاتا، ایک دن میرے پاس آئے کہ زندگی کے آخری لمحات ہیں، مجھ سے یہ اعمال (دعوات واوراد) لے لیجئے۔ میں نے کہا: مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ کہنے لگے: اگر تم نہیں لیتے تو دریا میں ڈالتا ہوں کیونکہ دوسرا کوئی اہل نظر نہیں آتا۔ میں نے کہا: ڈال دیجئے، چنانچہ اعمال واوراد کی وہ تمام کتابیں انہوں نے دریا میں ڈال دیں۔

بئس الفقیر علی باب الأمیر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شہر میں ایک صالح وفاضل مرد رہتے تھے، جو انتہائی بے تعلق رہ کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ سعد اللہ خان کے بعض خواجہ سرا ان سے تعلیم حاصل کرنے آتے اور ان کی خدمت بجا لاتے تھے۔ سعد اللہ خاں نے انہیں اپنے پاس ہر چند بُلانے کی کوشش کی، مگر وہ اس کے پاس نہ گئے۔ اتفاقاً ایک دن میں ان کی خدمت میں جا پہنچا، میں ان دنوں کافیہ پڑھتا تھا۔ ایک خواجہ سرا نے منادیٰ کے مباحث میں سے مجھ سے ایک سوال کیا۔ فوری جواب ذہن میں نہ آنے کے سبب میں کچھ محزون ہوا تو وہ بزرگ صالح میری پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے خواجہ سرا پر غصہ ہوئے اور کہا: اس بچہ کو نہیں جانتے کہ کون ہے؟ ایک وقت آئے گا کہ اس کی نعلین تیرے آقا کے سَر تک پہنچنا اپنے لیے ننگ و

عار سمجھے گی۔

ہستی فریب ہے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حاجی شاہ محمد ایک معمر اور سیاح بزرگ تھے۔ بہت سے بزرگوں سے مل چکے تھے۔ مزاج میں انتہائی گرمی تھی۔ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا۔ میں نے کہا: آپ کا وجود مسعود تو غنیمت ہے' فرمانے لگے: یہ وجود تو تنور میں ڈالنے کے قابل ہے۔ میں نے کہا: ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ جو وجود تنور کے لائق ہوا سے تنور میں ڈالا جائے۔ آپ کا وجود اللہ کی نعمت ہے' جو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی ہے۔ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

اُستاذ اور شاگرد کے روابط

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شرح مواقف اور کلام واصول کی دیگر کتابیں میرزا زاہد ہروی کوتوال سے پڑھیں۔ ان کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ اگر کبھی میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا تو فرماتے: ایک دو سطریں پڑھ لیجئے تا کہ ناغہ نہ ہو۔ ایک دن بادشاہِ وقت نے کسی کے ہاتھوں انہیں بُلوا بھیجا۔ یہ فوراً اُدھر جانے لگے۔ دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ میں بھی ان سے جاملا۔ میں نے دروازے کے دونوں تختے مضبوطی سے تھام لئے اور میرزا زاہد ہروی سے کہنے لگا: جب تک آپ فلاں کام پُورا نہیں کریں گے' میں دروازہ ہرگز نہیں کھولوں گا۔ فرمانے لگے: تم بیٹھو تا کہ میں واپس آ کر اطمینان سے تمہاری بات سُنوں۔ اس وقت دل پریشان ہے۔ میں نے کہا: جب تک کام پورا نہیں کریں گے' دروازہ نہیں کھولوں گا۔ جب یہ اصرار دیکھا تو رُک گئے اور جب تک کام پورا نہ کیا پاؤں باہر نہ رکھا۔ جن لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تعجب کیا۔

زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خُدا ترسی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میرزا محمد زاہد نے ایک دن رمضان المبارک میں میری دعوت کی۔ میں انہی کے گھر میں تھا کہ مغرب کے وقت ایک کباب فروش نے کبابوں کا خوانچہ ان کے سامنے لا کر رکھا کہ نیاز لایا ہوں۔ میرزا متبسم ہوئے اور کہا کہ اے عزیز! میں

تمہارا استاد ہوں نہ پیر! پھر یہ نیاز کیسی! البتہ کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی سو بیان کرو۔ کہنے لگا: کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میرزا نے استفسار میں اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دکان راستے میں ہے اور مرزا کے کارکن چاہتے ہیں کہ اس کو اُٹھادیں۔ مرزا کہنے لگے: کل کسی منصف کو بھیجوں گا تا کہ بغیر کسی ظلم وزیادتی کے تمہاری حق رسی کردے اور یہ کہہ کر اسے جانے کا حکم دیا' کبابی کہنے لگا: یہ اتنے سارے کباب میں نے آپ کے لیے تیار کئے تھے۔ اب تو وقت بھی کافی گزر گیا ہے۔ اس تنگ وقت میں یہ کباب بک نہیں سکیں گے۔ اس گفتگو میں مرزا کے بچوں کا استاد بھی موجود تھا۔ اسے کہنے لگے: اے فلاں! ان کبابوں کی قیمت لگا کر میرے گھر سے لا دیجئے۔ اس نے اُٹھنّی لا کر دے دی۔ اس فقیر (شاہ عبدالرحیم) نے مرزا کو آہستہ سے کہا کہ اس سارے معاملے میں آپ کا مقصد رشوت سے بچنا تھا مگر وہ پورا نہ ہوسکا۔ اس لئے کہ ان کبابوں کی قیمت زیادہ ہے مگر اپنی مجبوری کے تحت کباب فروش اس قیمت پر راضی ہو گیا ہے۔ مرزا نے یہ بات سُنتے ہی کباب فروش کو بُلایا اور اس سے پوچھا: سچ بتا! گوشت کتنے میں خریدا تھا؟ مصالحے وغیرہ کتنے میں اور تیری مزدوری کتنی ہے؟ حاصلِ کلام جب حساب کیا تو ان کبابوں کی قیمت تین گنا بڑھ گئی۔ پوری قیمت اس کو دے کر استاذ کو طلب کیا اور اس پر بے حد بگڑے اور کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مالِ حرام سے روزہ افطار کریں۔ یہ کہاں کی عقل اور کہاں کی دوستی ہے؟

سوانح میرزا زاہد ہروی

واضح ہو کہ میرزا زاہد ہروی قاضی اسلم کے فرزند تھے' جو جہانگیر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے اور بادشاہ نے انہیں قاضی القضاۃ بنا دیا۔ وہ ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے۔ ملا محمد فاضل کا وطن مالوف بدخشاں تھا۔ آغازِ جوانی میں سب سے پہلے کابل میں ملا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی' پھر توران میں جا کر مشہور علمی مشکلات کے حل کرنے والے معقولات کے گرہ کشا ملاّ میرزا جان شیرازی کی صحبت اختیار کی' نیز فنونِ حکمت کا اکتساب ملاّ میرزا جان شیرانی کے تلمیذ ارشد اور اپنے وقت کے استاذ العلماء ملاّ یوسف سے کر کے لاہور میں آ کر قیام پذیر ہوئے اور لاہور ہی میں علم تفسیر واصول ملاّ جمال لاہوری سے حاصل کیا' جو ادب عربی میں یگانہ روزگار تھے۔ اس طرح میرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر

میں علومِ معقول و منقول سے فارغ ہو گئے تھے۔ وہ جودتِ طبع اور فہم رسا کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔ ان کی تصانیف میں سے شرح مواقف، شرح تہذیب اور رسالۂ تصور و تصدیق کے حواشی شہرہ آفاق اور علماء و طلباء میں متداول ہیں۔ علاوہ ازیں مرزا کی اور تصانیف بھی ہیں۔ مثلاً حاشیہ شرح تجرید اور حاشیہ ہیاکل، معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ شرح مواقف کی مسوّدہ نگاری کا کام میرزا نے اسی سلسلے میں کیا۔ جب والد گرامی ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے اور اس کا مُبیّضہ کابل میں تیار ہوا کیونکہ میرزا منصبِ احتساب سے استعفاء کے بعد کابل میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ میرزا زاہد صوفیائے صافیہ کے مشرب سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے اور انہوں نے مشائخِ عظام کی صحبت میں رہ کر طریقِ تصوّف میں کمال حاصل کیا، ان کی تصانیف تصوّف میں سے، دو تین نکتے تو فقیر کے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے، مثلاً وحدت الوجود کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

نکاتِ تصوّف اور میرزا زاہد کا منطقی اِستدلال

حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''وجود'' مصدری معنیٰ کے لحاظ سے ایک ایسا امر ہے جو قابلِ اعتماد اور حقیقت نفس الامری سے ثابت ہے اور حقیقی (وضعی) معنوں کے اعتبار سے وجود کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جائے گا، جو موجود بنفسہٖ ہو، بلکہ جس کا وجود اپنی ذات کے لیے واجب اور ضروری ہو اور یہ اس لیے کہ کسی چیز کے قابلِ اعتبار (اعتباری) اور نفس الامر میں ثابت ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس وجود کا موصوف اس حیثیت میں ہو کہ اس پر سلبِ وجود کا اطلاق بھی صحیح ہو سکے، کسی بھی شے کے سلب و وجود کے سلسلے میں تین اُمور کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے:

امر اوّل یہ کہ وجود سے جس چیز کا سلب کیا جا رہا ہے، کیا وہ ماہیتِ وجود ہے؟ (جس حیثیت میں بھی ہو)، دوسرا یہ کہ کیا سلب کردہ چیز وجود کا مصدری معنیٰ ہے؟ تحقیق و تدقیق سے جب ان دونوں اُمور کا جواب نفی میں ملا تو تیسرا امر خود بخود ثابت ہوا کہ منشاء انتزاع وجود کا مابہ الموجودیت معنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ وجود اپنی قوّت و حیثیت میں قائم اور اپنی ذات کے لیے واجب ہے، اس لیے کہ محض انضمام کی وجہ سے وجود کو قائم بالماہیۃ نہیں کہا جا سکتا، اگر کہا جائے تو اس کا اپنے موصوف سے مؤخر ہونا لازم آتا ہے، جو بدیہی طور پر غلط ہے اور نہ ہی

وجود سے ماہیت کے انتزاع کی وجہ سے اسے قائم بالماہیۃ کہا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو وجودِ مصدری سے انتزاع کے وقت دوسرا انتزاع لازم آسکتا ہے اور اس طرح انتزاعات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل سکتا ہے۔

علم واجب الوجود کی بحث میں ایک نفیس نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ ذاتِ واجب الوجود تعالیٰ شانہٗ کے لیے علمِ اجمالی بھی ہے اور علمِ تفصیلی بھی۔ علمِ اجمالی سو علم تفصیلی کے لیے مبدأ و ماخذ اور صورتِ ذہنیہ و خارجیہ کے لیے خلاق ہے' یہ علمِ حقیقی ہے اور یہی صفتِ کمال اور عین ذات ہے۔ اس مسئلہ کی جو تحقیق میرے پروردگار نے اپنے فضل وکرم سے الہام فرمائی ہے' سو یہ ہے کہ ممکن کے لیے دو جہت ہیں۔ ایک وجود اور فعلیّت کی جہت' دوسری عدم وجود اور لافعلیت کی جہت اور ممکن جہت ثانی سے متعلق ہونے کی صورت میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس سے متعلق ہو۔ اس لئے کہ وہ جہت ثانی سے متعلق ہونے کی بنا پر معدوم محض ہے۔ پس جس جہت کے ساتھ علم متعلق ہوسکتا ہے' وہ جہتِ اولیٰ ہے اور اسی جہتِ اولیٰ کا مرجع علم ہے کہ وجودِ ممکن بعینہٖ وجودِ واجب ہے' جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا علم بالممکنات اس کے علم بذاتہ میں سمویا ہوا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے ممکنات اور ذات کی کوئی چیز خارج قرار نہیں پائے گی۔ موصوفات کے ساتھ اوصاف انتزاعی کے احوال سے بھی آپ کو اس سلسلے میں مدد ملے گی۔ اوصاف انتزاعی بھی وجود رکھتی ہیں' جو آثار کے مرتب ہونے پر وجودِ خارجی کے مقابل پایا جاتا ہے اور یہی منشاء اتصاف ہوتا ہے اور اسی کی بناء پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے اور علمِ تفصیلی سو موجوداتِ خارجی اور علوی وسفلی مراتب میں صور ذہنی کے علمِ حضوری کو کہتے ہیں۔ پس غور وفکر کرو شاید کہ یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہو کر باریک بینی سے اور زیادہ واضح ہو' ہم نے اس کی کچھ مزید تفصیل تعلیقات شرح تجرید میں بیان کردی ہے۔

کشفِ اَرواح اور اِس قسم کے دُوسرے احوال پر حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے وقائع

مرتبۂ فنافی التوحید

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا کہ ایک جماعت حضرت حق تعالیٰ کو واقعہ میں دیکھنے کا ارادہ کر کے رواروی میں جارہی ہے اور میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں۔ ایک صاف قطعہ زمین سامنے آیا اور ادھر وقتِ عصر ہوگیا۔ ان لوگوں نے مجھے اپنا امام بنالیا' جب نماز ختم ہوئی تو میں نے جماعت کی طرف رُخ کر کے کہا کہ دوستو! اس قدر سعی وکاوش کس کی تلاش میں دکھا رہے ہو؟ کہنے لگے: حق تعالیٰ کی طلب میں۔ میں نے کہا کہ میں وہی تو ہوں جس کی تلاش میں تم نکلے ہو۔ وہ یکدم اُٹھے اور مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات کی حقیقت واصلیت یہ ہے کہ کبھی تو ایسا واقعہ حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی الخلق کے مقام حاصل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور کبھی کبھار ایسا دعویٰ شیخ اس عالم میں کرتا ہے کہ جب وہ فنافی التوحید ہوتا ہے۔

مقامِ قیومیّت

فرمایا کرتے تھے کہ اوقاتِ تدبّر وتفکر میں سے ایک وقت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے میں نے تحقیق واطمینان کی نیت سے ذاتِ بیچوں کا مثالی صورتوں میں ظہور طلب کیا۔ میرے اوپر ایک حالت طاری ہوگئی اور اپنے آپ کو قیومِ عالم کی صورت میں ملاحظہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا تعلق اور ربط میری ذات کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ اگر وہ تعلق منقطع ہوجائے تو پوری کائنات لاشئی محض ہو کر رہ جائے۔

تصرّف بالحق فی الخلق

والدگرامی فرماتے تھے کہ ایک رات میں نے عیاناً دیکھا' گویا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ

میرے گھر میں تشریف لائے ہیں اور میں جگہ کی تنگی' سامانِ خانہ کے بکھرے ہونے اور اس قسم کی دوسری بے سلیقہ باتوں کے سبب جو بزرگ ہستیوں کی تشریف آوری کے وقت غیر موزوں سمجھی جاتی ہیں' شرمندہ اور خجل ہوں اور باوجود اس کے ادھر سے بے انتہا لطف و کرم مبذول ہو رہا ہے۔ اتفاق سے صبح اٹھتے ہی حافظ عبداللطیف کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر میں بٹھایا اور میرے جانے پر جگہ کی تنگی وغیرہ سے اظہارِ ندامت کرنے لگے۔ میں نے کہا: آج رات حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو میں نے دیکھا اور اسی طور پر عرقِ ندامت میں غرق رہا' مگر ادھر سے اظہارِ نوازش ہوتا رہا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی نصرتِ حق کے ذریعے تصرف فی الخلق کے مقام کے حصول پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والی ہستی خود صورتِ حق میں ظہور پذیر نظر آ رہی ہے۔

صوفیاء اور رؤیتِ باری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ بعض درویشوں کے بارے میں مجھے تردّد تھا کہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کیا مرتبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہ چشمِ مشاہدہ ایک تجلّی دیکھی' گویا حضرتِ حق' حسین صورت میں متمثّل ہو کر برقعہ پوش ہیں۔ میرے اور حضرتِ حق کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ جب اس کا جمالِ پاک مجھ پر ظاہر ہوا تو دل ہاتھ سے چلا اور مجھے اس سے بھی زیادہ قرب کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ میری اس تمنا پر مطلع ہو کر قدرے اور نزدیک ہوا۔ اس پر آتشِ شوق بھڑک اٹھی اور خواہشِ قرب میں اور اضافہ ہوا۔ اس پر مطلع ہو کر وہ اور نزدیک آ گیا۔ اس مرحلہ پر برقعہ کی موجودگی سے تنگ آ گیا اور اس کے ہٹانے کی آرزو کی۔ فرمایا: برقعہ تو بہت باریک ہے' جو حسنِ مستور کو اور نمایاں کر رہا ہے۔ عرض کی: پھر بھی حجاب تو ہے۔ بالآخر نقاب اُٹھا دی اور پھر فرمایا کہ بعض سالکوں کو پہلا مرتبہ حاصل ہے۔ خاص سالکین کو دُوسرا مرتبہ اور اخص الخواص کو مرتبۂ ثالث میسّر ہے اور فلاں فلاں ان تینوں میں سے کوئی مرتبہ بھی نہیں رکھتے۔

بے صُورت اندر صورت آمد

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں انتہائی روحانی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ واقعتاً

مجھ پر ایک تجلی وارد ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت زیورات اور جاذب نظر لباس سے مزین ہے' وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اور اس کے قرب سے میرا شعلہ بھڑکنے لگا' بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک تن ہو گئی۔ میرا وجود اسی کی شکل میں متمثل ہو گیا اور وہ تمام زیورات اور لباس میں نے اپنے وجود پر موجود پائے۔ یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط وسرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی مقامِ توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گزشتہ واقعہ کی ہی ایک شاخ ہے۔

اسمائے الٰہیہ کے ظہور کی کیفیت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے بصورتِ واقعہ (کشفی) دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حی' علیم' سمیع اور بصیر روشنی بخش دائروں مثلاً سورج اور چاند کی شکل میں میرے لیے صورت پذیر ہو گئے ہیں اور یکے بعد دیگرے طلوع وغروب کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بسیط کے شکل پذیر ہونے کے لیے قریب تر صورت دائرے کی ہے' اسی وجہ سے اسمائے الٰہیہ دائروں کی شکل میں نمودار ہوتے رہے۔

تصرفات وعلوم صوفیاء

والد ماجد فرمایا کرتے ہیں کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبے میں تھا کہ غیبت[1] کی کیفیت طاری ہو گئی۔ میرے لیے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغازِ آفرینش سے روزِ قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ آپ نے یہ کلمات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے۔ واللہ اعلم

مقاماتِ صوفیاء

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو آدمی دکھائے گئے۔ ایک ذکرِ حق میں اس قدر مستغرق تھا کہ ماسویٰ اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی اور نہ ہی کچھ اپنا ہوش تھا دوسرا اس سے بھی

[1] اپنے نفس اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور رہنے کو غیبت کہتے ہیں۔

زیادہ کامل، لیکن وہ اس قدر ذکرِ حق کے باوجود تمام کائنات پر بھی نظر رکھتا تھا، اپنا شعور بھی رکھتا تھا اور ظاہری و باطنی آداب سے بھی کمال درجہ مزیّن تھا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں الہام ہوا کہ پہلا ذاتِ حق میں فانی ہے اور دوسرے کے مقام کو آیہ کریمہ "فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً" (پارہ ۱۴، سورت: ۱۶، آیت: ۹۷) (البتہ ہم (ایسے مردانِ خود آگاہ و حق آگاہ کو) پاکیزہ زندگی عطا فرماتے ہیں) بخوبی بیان کر رہا ہے۔

شانِ عبدیت

والد گرامی فرماتے تھے کہ اوقاتِ عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی[1] اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ۔ زمین میں تلاش کیا نہ پایا، آسمان چھان مارے نہ ملا۔ بہشت میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس پر حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا کہ جو بھی مجھ میں فنا ہوا، وہ نہ آسمان میں ملے گا، نہ زمینوں میں پایا جا سکے گا اور نہ ہی بہشت میں۔

جنتِ اولیاء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں نے بہشت کو دیکھا گویا عین اس کے درمیان میں کھڑا ہوں اور اس کی حوروں اور محلات کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت دل میں آیا کہ ہم نے تو حور و قصور کے خیال کو دل سے نکال دیا تھا اور یکسو ہو کر حضرت حق تعالیٰ کی طلب میں لگے رہتے تھے۔ یہ کیا ہوا کہ یہاں حور و قصور پیشِ نظر ہیں مگر مقصودِ حقیقی نہیں مل رہا۔ اسی وقت مجھ پر وجد اور گریہ طاری ہوا۔ وہاں کے لوگ آ آ کر مجھے اپنی آستینوں اور دامنوں میں چھپانے لگے اور کہنے لگے: یہ تو مسرت و شادمانی کی جگہ ہے نہ کہ گریہ و غم کی۔ میں نے ان کے دامن جھٹک دیئے اور منہ پھیر لیا۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ تجھے اپنے معبود و مقصود کی قسم ہے، بتا کہ تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟ ان کی بات سُن کر میں پریشان ہوا اور اپنے اسرار و رموز کی کچھ باتیں انہیں پیش کیں۔ اسی اثناء میں مولائے مہربان نے الہام فرمایا کہ کیا تم نے ہماری کتاب میں یہ نہیں پڑھا: "**كانت لهم جنات الفردوس نزلا**" (پارہ ۱۶، سورت: ۱۸، آیت: ۱۰۷) (ان بندگانِ خدا کے لیے فردوس کے باغ بطور مہمانی ہیں)

---

[1] فنائیت عدمِ شعور کو کہتے ہیں۔ ذاتِ احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔

نزل اس چیز کو کہتے ہیں جو بوقتِ آمد فوری طور پر مہمان کے لیے بچھائی جاتی ہے' تا کہ وہ اس پر بیٹھ جائے۔ اس کے بعد اس کی ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پس تم اس قدر گریہ وزاری کیوں کر رہے ہو؟

علوم اولیاء

اس فقیر نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) کے خادم قدیم شیخ فقیر اللہ سے (جو حسب ذیل واقعہ کے عینی شاہد اور قاصد رہے ہیں) خود سنا ہے کہ محمد فاضل کے رشتہ داروں میں سے رابعہ نامی ایک عورت کے بچہ نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے حضرت والا سے استمداد کی' آپ نے توجہ کامل سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب نومولود سات ماہ کا ہوا تو اس پر حالتِ نزع طاری ہوگئی۔ آپ اس وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کے دل پر روشن کیا کہ یہ شخص (نومولود) جو تمہارے متوسلین میں سے تھا' قریب مرگ ہے' مگر تجھے غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ ہم تجھے اس کا اجرِ جمیل عطا کریں گے۔ اس سانحہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس الہام کے بعد آپ کی حالت دُرست ہوگئی' مگر آپ کو قدرے تامل ہوا کہ یہ متوسل کون ہے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ پر منکشف ہوا کہ یہ رابعہ کا بچہ ہے' جو فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں مر گیا ہے۔ آپ نے شیخ فقیر اللہ کو بھیجا تا کہ محمد فاضل کو اس سارے قصے سے آگاہ کرے اور رسمِ تعزیت بھی ادا کرے۔ محمد فاضل نے اس واقعہ کو وقت اور تاریخ کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا۔ ایک ہفتہ بعد اس کا خط پہنچا تو مذکورہ واقعہ بے کم و کاست سچ ثابت ہوا۔

بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک صاحب کشف آدمی کی تعریف سُن رکھی تھی' میں نے چاہا کہ اس کی صحبت سے کچھ حاصل کروں تو میرے دماغ میں یہ بات سموئی گئی کہ وہ بدعتی ہے اس کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ میں نے اس واہمہ کو دل سے نکال دیا۔ دوبارہ دماغ میں یہ خیال ڈالا گیا۔ پھر میں نے اسے جھٹک دیا اور اُٹھا کہ اس کے پاس جاؤں مگر بغیر کسی کیچڑ' سنگ وخشت اور لکڑی کے میرا پاؤں پھسلا' شدید چوٹ لگی اور میں گر پڑا' دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ اگر پہلی مرتبہ کے انتباہ پر عمل کرتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

أو كما قال

جبہ غوث الاعظم رحمہ اللہ

فرمایا کرتے تھے: ایک دن میرے دل میں ایک بات ڈالی گئی جس کا اجمال یہ ہے کہ آج تجھے ایک نعمت ملے گی۔ میں سیر و تفریح کے خیال سے باہر نکل کر شہر کے بعض مقامات سے گزرا تو دل نے یہ گواہی دی کہ تیرا مطلوب یہیں ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش یا فاضل ہے؟ تو جواب ملا کہ ہاں فلاں درویش یہاں رہتا ہے۔ میں اس کی زیارت کو پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کا جبہ تبرکاً مجھ تک پہنچا ہے اور آج رات مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج کے دن جو شخص بھی سب سے پہلے میرے سامنے آئے' میں یہ جبہ مبارکہ اسے دے دوں۔ میں نے وہ جبہ اس درویش سے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

نگاہِ ولی

ایک دن سمتِ قبلہ کے تعین کی بات چل پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہماری چشمِ وجدان کے مشاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے تو چاہیے کہ اس سمت کو کھڑے ہوں' یہ کہہ کر آپ قدرے دائیں طرف کو مُڑ گئے۔

نہ کر تقلید اے جبریل! میرے جذب و مستی کی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ذکر اسم ذات کے دوران میں نے بعض فرشتوں کو دیکھا کہ میرے اردگرد بیٹھے ہوئے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے قریب آؤ اور ذکر اسم ذات میں میرا ساتھ دو۔ کہنے لگے: ہم تیرے نزدیک آنے اور تیرے ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ذکر اسم ذات میں مقام کمال

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے حال میں بازاری لوگوں کی آوازیں بھی مجھ پر اسم ذات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا تو چلنے میں اس سے

جو آواز نکلتی، اس پر بھی "جل جلالہٗ" کہتا، جسے سُن کر لوگ تعجب کرتے۔

فضیلتِ بیعت

فرمایا کرتے تھے: ایک بار میں پُھلت [1] میں تھا۔ مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ درجہ اس شخص کے لیے ہے جو آج کے دن تمہاری بیعت کرے گا۔ اسی روز ایک عورت بیعت کے لیے تیار ہو کر آئی اور رسم کے مطابق شیرینی وغیرہ بھی ساتھ لائی۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہ عورت تو اس درجے کے قابل نہیں۔ تھوڑی دیر گزری کہ اسے ایک زنانہ عارضہ لاحق ہوا اور وہ شرف بیعت حاصل نہ کر سکی۔ صالحات میں سے ایک دوسری نیک بخت آئی۔ اس کی شیرینی وغیرہ خرید کر بیعت کر لی۔

شرفِ اقتداء

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس نماز میں جو شخص بھی تیری اقتداء کرے گا، وہ بخشا جائے گا۔ اس جماعت میں ایک ایسا آدمی تھا، جس کے بارے میں میرا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ اسے یہ دولت نصیب نہیں ہو گی۔ جب تکبیر کہی گئی تو اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ جب وہ دوبارہ وضو کر کے پہنچا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک اور اجنبی شخص آیا اور اس کی جگہ شریکِ نماز ہو گیا۔

عطیّہ سرکارِ دو جہاں ﷺ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں، میں نے چاہا کہ دائمی روزہ اختیار کروں۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو بچشمِ حقیقت دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے روٹی عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا: "الھدایا مشترک" ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔ میں نے وہ روٹی ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ انہوں نے ایک ٹکڑا لے لیا، اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الھدایا مشترک"

---

[1] پُھلت ضلع مظفر نگر (یوپی) کا ایک گاؤں ہے، جو میرٹھ سے شمال کی طرف تقریباً بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مولد اور ننہال بھی پُھلت ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ کا مزار بھی یہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پُھلت میں وہ کمرہ ابھی تک محفوظ ہے، جس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی تھی۔

میں نے پھر روٹی انہیں پیش کی۔ انہوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الھدایا مشترک'' تو میں نے ان کی بارگاہ میں روٹی پیش کی' انہوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الھدایا مشترک'' میں نے عرض کی: اگر روٹی اسی طور تقسیم ہوتی رہی تو اس درویش کو کیا حصہ ملے گا؟ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس موقع پر میں بیدار ہو گیا۔ ایک عرصے تک میں غور وفکر کرتا رہا کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی باری پر حرف عذر کہنے میں آخر کیا نکتہ پوشیدہ تھا؟ بالآخر معلوم ہوا کہ مثالی صورتوں میں ایسے اُمور اور وقائع کی مثالوں سے رابطہ مراد ہوتا ہے' جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے طریقۂ نقشبندیہ کا تعلق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ہمارا شجرہ نسب پہنچتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ والدہ کی طرف سے ہمارے نسب اور اصل کا تعلق ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ نیز دیگر سلاسلِ صوفیاء بھی انہی کی ذاتِ گرامی تک پہنچے ہیں اور بعض واقعات میں آنجناب کی ذاتِ گرامی سے ہم نے فیوض بھی حاصل کیے ہیں تو یہ معاملہ ان اصحاب ثلٰثہ کی ذاتِ گرامی تک محدود رہنا ضروری تھا' جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ کے ساتھ ان وجوہات واسباب میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم

مشکل میں حضور ﷺ کی دستگیری

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ماہِ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بناء پر روزہ افطار کر لوں کہ صومِ رمضان کی فضیلت کے ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا۔ اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زَردہ مرحمت فرمایا ہے۔ پھر انتہائی خوشگوار ٹھنڈا پانی بھی عطا فرمایا' جو میں نے سَیر ہو کر پیا۔ میں اس عالمِ غنودگی سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے ہاتھوں میں ابھی تک زَردہ کے زعفران کی خوشبو موجود تھی۔ عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھ دھو کر پانی محفوظ کر لیا اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا۔

مجلس سرورِ انبیاء ﷺ

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت ختمی مرتبت (علیہ اتم الصلوۃ واکمل التحیات) کو بچشمِ حقیقت اس انداز میں دیکھا کہ آپ ﷺ یاقوتِ سُرخ کی ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جس کا ظاہر و باطن حسن و خوبی کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ بہ شکلِ مراقبہ تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اولیائے کاملین بھی مراقبے کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے اردگرد بیٹھے ہیں۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ یاقوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ حضرت غوث الاعظم اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارھما اندر سے اُٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے ہی بارے میں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ اس شخص کے آباؤ اجداد میرے خلفاء سے توسل رکھتے تھے اس لیے میں اس سے زیادہ قریب ہوں اور حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا: اس شخص نے میرے خلفاء سے روحانی تربیت حاصل کی ہے اس لیے مجھے اس پر زیادہ حق حاصل ہے یعنی آپ کی مراد اس سے تھی کہ اس نے شیخ رفیع الدین خلیفہ خواجہ محمد باقی سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ اس گفتگو نے طول پکڑا' یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ اس مجلس کے ختم ہونے تک کہیں میں اس فیض سے محروم نہ رہ جاؤں۔ بالآخر حضرت غوث الاعظم نے فرمایا: جبکہ آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں تو پھر اس قدر مناظرے کی کیا ضرورت ہے؟ خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ اگر کچھ فرق نہیں تو پھر یہ سعادت میں کیوں نہ حاصل کروں۔ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ نے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ ہی اسے اندر لے جائیے۔ حقیقت میں یہ شخص میرا اعزّ و شرف ہے اور میں اسے اپنی ہی نسبت سے بہرہ ور کروں گا۔ یہ تمام مناظرہ ایسے ادب و احترام کی فضاء میں ہوتا رہا' جس سے زیادہ بہتر صورت ناممکن ہے۔ اسی وقت خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اُس مسجد میں داخل کیا اور لا کر سید الانبیاء ﷺ کے سامنے اہلِ صف سے ذرا آگے بٹھا دیا اور آپ میرے ساتھ صف برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں بجز اس کے اور کیا حکمت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مراقبے سے سَر اٹھائیں تو سب سے پہلے آپ کی نگاہِ کرم مجھ پر پڑے اور جب کوئی شخص پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو خواجہ نقشبند عرض کر سکیں کہ اسے میں نے حاضر کیا ہے۔

خواجہ اس خیال پر مطلع ہوئے اور فرمایا: واقعی اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔

اتنے میں آنحضرت ﷺ نے مراقبے سے سَر اٹھایا اور بے پایاں لطف و کرم سے مشرف فرمایا۔ کاتب الحروف کا گمان ہے کہ اس واقعے کا تتمہ یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ خلوت میں لے گئے اور نفی واثبات کی عجیب وغریب کیفیات سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم

جمالِ محمدّی (حسن تمکین والا ہمارا نبی ﷺ)

فرمایا کہ "انا املح واخی یوسف اصبح" والی حدیث کے بارے میں میرے دل میں حیرت پیدا ہوئی تھی کیونکہ ملاحتِ حسن عاشقوں کے لیے صباحت سے زیادہ بے قراری و اضطراب کا موجب بنا کرتی ہے اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام لباسِ فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو جمالِ یوسفی کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ دارالبقاء کو سدھار جاتے تھے۔ جبکہ اس قسم کی کوئی بات حضرت سیدالرسل ﷺ سے روایت نہیں ہے تو معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا اور اس نکتے کے بارے میں استفسار کیا تو فرمانے لگے کہ خدائے غیور نے میرے جمالِ حسن کو لوگوں کی آنکھوں سے مستور رکھا ہے۔ اگر میرا حسن ظاہر ہو جاتا تو ہر شخص وہی کچھ کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کیا کرتے تھے۔ اسی توجیہ سے میں نے جانا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ علیہا السلام کی یہ روایت کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو تمام عمر میں ایک یا دو بار دیکھا ہے' کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان معصومات کی قوتِ اخذ وقبول کے مطابق اسی جمالِ جہاں آراء کے خمخانے سے ان تک ایک آدھ جُرعہ پہنچا ہے۔

ولایت اور نبوت کے مراتب اور اِن میں فرق

فرمایا کہ حضرت سیدالرُسل علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو میں نے صورتِ واقعی میں دیکھا۔ میری طرف متوجہ ہوئے۔ محض توجہ گرامی سے میں مقاماتِ اولیاء کو عبور کر گیا اور وہ تمام مقامات مجھ پر بخوبی منکشف ہو گئے' حتیٰ کہ میں اس مقام تک جا پہنچا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ولی اس سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ میں نے عرض کی کہ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس محال (ناممکن) کی طرف متوجہ ہوں' وہ امکان کی صورت قبول کر لیتا ہے'

کچھ مشکل نہیں کہ استعداد نہ ہونے کے باوجود بھی اس مقصود کا چہرہ مجھ پر جلوہ نمائی کرے۔ پس آنحضرت ﷺ میری رُوح کو اپنی رُوح کے سائے میں لے کر مقامِ صدیقیت سے بھی عبور فرما گئے' جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ وہاں برزخ ہمارے سامنے آیا' گویا آگ کا دریا ہے' جسے کوئی ولی پار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ولایت کے مقاماتِ سابقہ کی مثل ہم پر کچھ مقامات منکشف ہوئے۔ مقامِ صبر اور مقامِ توکل سابق مقامات کی طرح ہمیں مشاہدہ کرائے گئے۔ بجز اس فرق کے کہ اب کے یہ مقامات بطورِ حقیقت دکھلائے گئے جبکہ سابق مقامات محض مجازی تھے' گویا اس مرتبہ پر یہ مقامات اصول کی حیثیت رکھتے تھے' جبکہ پہلی مرتبہ اشباح وتماثیل کی صورت میں دکھائے گئے۔

کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی روح کو آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کے سائے (ضمن) میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے' یوں محسوس ہوتا تھا' گویا میرا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود سے مِل کر ایک ہو گیا' خارج میں وجود کی کوئی الگ حیثیت نہیں تھی' بجز اس کے کہ میرا علم مجھے اپنا شعور دلا رہا تھا۔ کاتب الحروف کے نزدیک واقعۂ مذکورہ میں آگ کے دریا کو مثالی صورت میں دیکھنے کے سرِّ مخفی کا سمجھنا اس مقدمے پر موقوف ہے کہ نبوت کے حصول کا سبب ہر مصلحت سے خالی محض عنایتِ ازلی کی توجہ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ عنایتِ ازلی کی توجہ سے نبوّت کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کی قوم کو دنیا میں ہونے والے عظیم واقعات' طوفانوں اور قیامت وغیرہ کے آثار وقرآئن سے مطلع کرتا رہتا ہے' اس کے برعکس اولیائے کرام کا ہر کمال محض ان کے نفوس قدسی کی استعداد اور ہمت پر منحصر ہوتا ہے۔ گویا کمالاتِ ولایت کے عطا کرنے میں عالمِ انفس و آفاق کی مصلحتوں اور تدابیر عالم کی بہ نسبت اولیاء کے نفوس اور ذوات کی مصلحتوں کا بطورِ خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت عالمِ انفس اور عالمِ آفاق میں حکما تدبیر عالم ومصالح کائنات کے رموز واسرار پر محتوی ومشتمل ہوتی ہے۔ پہلا حکم یعنی مصلحت تدبیر عالمِ انفس وجود ذہنی رکھتا ہے اور دوسرا حکم یعنی مصالح تدبیر عالمِ آفاق وجودِ خارجی۔ حکمِ اوّل کا منشا حکمت خلق اور حکمِ ثانی کا منشاء حکمتِ تدبیر ہے۔ مجموعی طور پر پہلے حکم یعنی مصالح تدبیر عالمِ آفاق میں کسب ومحنت اور مافیات کو بھی دخل ہے نہیں مگر نبوت

کے حکم ثانی یعنی مصلحت تدبیر عالم آفاق میں کسب و محنت نہیں بلکہ موہبتِ الٰہی اور عنایتِ ازلی کو دخل ہے گویا حکمِ اوّل کے لیے الگ استعداد کی ضرورت ہے اور حکمِ ثانی کے لیے دوسری استعداد کی حاجت۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کمالاتِ نبوت کے حکمِ ثانی کے ممتنع الحصول یا ناممکن الحصول ہونے کی وجوہ سے کمال اوّل کی استعداد و اہلیت رکھنے اور روح سرور عالم ﷺ سے بغلگیر ہونے کی بناء پر حضرت والد ماجد کے سامنے کمال ثانی یعنی مصالح تدابیرِ عالمِ آفاق کو آگ کے دریا کی شکل میں برزخی طور پر پیش کیا گیا۔

موئے مقدس کی برکات

فرمایا کہ ایک بار مجھے بخار نے آلیا اور بیماری نے طول پکڑا یہاں تک کہ زندگی سے نا اُمید ہو گیا۔ اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالعزیز سامنے موجود ہیں اور فرما رہے ہیں: بیٹے! حضرت پیغمبر ﷺ تیری بیمار پُرسی کو تشریف لا رہے ہیں اور شاید تیری پائنتی کی طرف سے تشریف لائیں۔ اس لیے چارپائی کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ حضور ﷺ کی طرف تمہارے پاؤں نہ ہوں۔ یہ سُن کر مجھے کچھ افاقہ ہوا قوتِ گویائی نہیں تھی۔ حاضرین نے میرے اشارے پر چارپائی کا رُخ پھیر دیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ''کیف حالک یا بنی'' (اے بیٹے! کیسے ہو؟)۔

اس کلام کی لذت اس قدر غالب ہوئی کہ مجھ پر آہ و بکا اور درد و اضطراب کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میرے سر پر تھی اور آپ کا جبہ مبارک میری آنکھوں سے تر ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ وجد و اضطراب کی کیفیت حالتِ سکون میں بدل گئی۔ اسی وقت میرے دل میں آیا کہ ایک مدت سے موئے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں۔ کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت تبرک عنایت فرمائیں۔ میرے اس خیال سے آپ مطلع ہوئے اور ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیئے۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ دونوں مقدس بال عالمِ بیداری میں بھی میرے پاس رہیں گے یا نہیں۔ اس کھٹکے پر مطلع ہو کر آپ ﷺ

نے فرمایا: یہ دونوں بال عالمِ ہوش یا بیداری میں بھی باقی رہیں گے۔ اس کے بعد آپ نے صحتِ کلی اور طویل عمر کی خوشخبری سنائی۔ اسی وقت مرض سے افاقہ ہو گیا' میں نے چراغ منگوایا' وہ دونوں مقدس بال اپنے ہاتھ میں نہ پائے تو میں غمگین ہو کر بارگاہِ عالی کی طرف متوجہ ہوا۔ غیبت واقع ہوئی اور آنحضور ﷺ مثالی صورت میں جلوہ فرما ہوئے' فرمایا: اے بیٹے! عقل و ہوش سے کام لو' وہ دونوں بال احتیاطاً تمہارے سرہانے کے نیچے رکھ دیئے تھے' وہاں سے لے لو۔ افاقہ ہوتے ہی میں نے وہ مقدس بال وہاں سے اُٹھا لیے اور تعظیم و تکریم سے ایک جگہ محفوظ کر کے رکھ دیئے۔ اس کے بعد دفعۃً بخار ٹوٹا اور انتہائی ضعف و نقاہت طاری ہوئی۔ عزیزوں نے سمجھا کہ موت آ پہنچی' رونے لگے۔ مجھ میں بات کرنے کی سکت نہیں تھی۔ سر سے اشارہ کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اصل طاقت بحال ہوئی اور صحتِ کلی نصیب ہوئی۔ اسی سلسلے میں یہ کلمات بھی فرمائے تھے کہ ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں گُتھے رہتے ہیں' مگر جب درود پڑھا جائے تو جُدا جُدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ تاثیر تبرکات کے منکروں میں سے تین آدمیوں نے امتحان لینا چاہا۔ میں اس بے ادبی پر راضی نہ ہوا مگر جب مناظرے نے طول کھینچا تو کچھ عزیز ان مقدس بالوں کو سورج کے سامنے لے گئے۔ اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ حالانکہ سورج بہت گرم تھا اور بادلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھ کر منکروں میں سے ایک نے توبہ کی اور دوسروں نے کہا: یہ اتفاقی امر ہے۔ عزیز دوسری مرتبہ لے گئے تو دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ اس پر دوسرے منکر نے بھی توبہ کر لی۔ مگر تیسرے نے کہا: یہ تو اتفاقی بات تھی۔ یہ سن کر تیسری بار موئے مقدس کو سورج کے سامنے لے گئے' سہ بارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تو تیسرا منکر بھی توبہ کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ میں یہ موئے مبارک زیارت کے لیے باہر لے آیا۔ بہت بڑا مجمع تھا' ہر چند صندوقِ تبرک کا تالا کھولنے کی کوشش کی گئی لیکن نہ کھلا۔ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا فلاں آدمی ناپاک ہے۔ جس کی ناپاکی کی شامت کے سبب یہ نعمت میسر نہیں آ رہی۔ عیب پوشی کرتے ہوئے میں نے سب کو تجدیدِ طہارت کے لیے حکم دیا۔ وہ ناپاک آدمی بھی مجمع سے چلا گیا اور اسی وقت بڑی آسانی سے تالا کھل گیا اور ہم سب

نے زیارت کی۔ حضرت والد ماجد نے آخری عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے تو ان دونوں بالوں میں سے ایک کاتب الحروف کو عنایت فرمایا' جس پر پروردگارِ عالم کا شکر ہے۔

سجدہ غیر اللہ کی ممانعت

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت پیغمبر ﷺ کو بچشمِ حقیقت دیکھا۔ جب اس مظہر اتم میں صفاتِ الٰہیہ کا کمالِ ظہور مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اظہارِ تعجب کے طور پر اُنگلی منہ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے۔ دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفاتِ الٰہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہتِ کفر کی وجہ سے ممنوع ہے' لہٰذا اس باریک فرق کی بناء پر اس وضع سے آپ نے منع فرمایا۔

قرابتِ رسول ﷺ کا مقام

فرمایا: ایک آدمی کے سید یا غیر سید ہونے کے بارے میں مجھے تردّد تھا۔ حضرت پیغمبر ﷺ کو دیکھا' گویا ایک پلنگ پر دراز سو رہے ہیں۔ عنایت سے پیش آئے اور آخر میں فرمایا: پلنگ کے نیچے دیکھو' میں نے اس شخص کو دیکھا سو رہا ہے۔ فرمایا: اگر سید ہونے کی قرابت نہ رکھتا تو یہاں کیسے پہنچتا۔

حضور کا پسندیدہ درود

فرمایا کہ ایک دن میں نے حضرت پیغمبر ﷺ کو دیکھا کہ حاضرین میں سے ہر شخص اپنے فہم و فراست کے مطابق آپ کی بارگاہ میں دُرود پیش کر رہا ہے' میں نے بھی یہ درود عرض کیا: ''اللھم صَلِّ علی محمّد النبی الامّی و آلہ واصحابہ وبارک وسلم'' جب آپ نے یہ سنا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے بشاشت اور تازگی نمودار ہو رہی تھی۔

حضور ﷺ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہِ نبوی میں مقبولیّت

فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے عرس مبارک کے دنوں میں ایک مرتبہ اتفاقاً خزانۂ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آنحضرت ﷺ کی رُوحِ پر فتوح کی نیاز دلوا سکتا۔ لہٰذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور قند پر اکتفاء کرتے ہوئے میں نے آپ

کی نیاز دلوادی۔ اسی رات بچشمِ حقیقت دیکھا کہ انواع واقسام کے طعام آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیئے جارہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے۔ انتہائی خوشی و مسرت سے آپ ﷺ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے' مگر یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے' ہوسکتا ہے کہ توارد ہوگیا ہو۔

نسبتِ فقر

فرمایا: امرِ واقعہ میں دیکھا کہ حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کسی راستے میں یاقوتِ سُرخ کی بہلی پر سوار ہیں' جو بغیر جانوروں کے محض قدرتِ الٰہی سے چل رہی ہے۔ میں بھی ان کے ہم رکاب سیر کررہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ اور ہمارے ساتھ بہلی میں بیٹھ جاؤ' مگر میں رعایتِ ادب کی وجہ سے اس بات پر راضی نہیں ہوا' بلکہ بات ہلکے مزاح پر جا پہنچی اور بُلا کر فرمایا کہ بہلی کے پردے کو نیچے لٹکا دو۔ میں اس کے پائے پر چڑھ کر پردہ لٹکانے ہی والا تھا کہ ایک ہاتھ سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے ہاتھ سے امام حسین رضی اللہ عنہ نے مضبوط پکڑ لیا اور ہنستے ہوئے فرمایا: اب خبر دیجئے کیسے رہے۔ میں نے عرض کی کہ اس شخص کی حالت کیا بیان کی جائے جس کے دونوں ہاتھ قرۃ العین حضرت پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں میں ہوں۔ بہرحال مجھے بہلی میں بٹھا کر مسرت وشادمانی کے ساتھ اپنے گھر تک لائے' جہاں مجھے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ آنجناب کی خدمت میں' میں نے التماس کی کہ ہم فقیروں کو کسب وریاض سے جو نسبتِ فقر حاصل ہوتی ہے' کیا وہی نسبت ہے جو حضرت پیغمبر ﷺ کی بارگاہ سے صحابہ کرام حاصل فرمایا کرتے تھے یا زمانۂ دراز گزرنے کے سبب اب کچھ تبدیل ہوگئی ہے؟ فرمانے لگے: کچھ دیر اپنی نسبت میں غرق ہو جاؤ تا آنکہ میں اپنی نسبتِ روحانی کی طرح متوجہ ہو کر مستغرق ہوا تو تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں بھی بغیر کسی فرق کے وہی نسبت حاصل ہے جو صحابہ کو آنحضرت ﷺ سے حاصل تھی۔

اجازتِ سلسلہ

فرمایا کہ ابتدائے احوال میں مختلف طریقِ سلوک کے اصحابِ طریقت کو میں نے دیکھا اور ان سے امر واقعی میں اجازت حاصل کی۔ منجملہ ان اصحابِ طریقت کے حضرت خواجہ نقشبند کو بھی میں نے بچشمِ حقیقت دیکھا کہ لکڑی کے پیالے میں انہوں نے مجھے پانی دیا' میں نے سیر ہو کر پیا' پھر انہوں نے مختلف طرق وسلاسل کی باتیں بیان کیں اور آخر میں تلقینِ طریقہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

خواجہ اجمیری رحمہ اللہ سے خلافت

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے' لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی' تاکہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا' چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی اور اس واقعے کی تعبیر بھی اجازتِ طریقہ ہے۔

سیرِ رُوحانی

فرمایا کہ ایک بار اولیاء اللہ کے سلاسل مجھے اس طرح مشاہدہ کرائے گئے کہ گویا ایک وسیع بازار ہے جس میں خوبصورت پختہ دکانیں ہیں اور ہر دکان میں صاحب سلسلہ بزرگ اپنے اپنے خلفاء اور معتقدین کے ساتھ فروکش ہیں۔ میں سب بزرگوں کی زیارت کرتا ہوا بازار سے گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ کی دکان پر پہنچا اور آپ کی مجلسِ مبارک میں بیٹھ گیا۔ اس وقت ''الاعیان ما شمت رائحة الوجود'' پر بحث ہو رہی تھی۔ حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم وفراست کے مطابق اس کے معانی بیان کر رہا تھا' اپنی باری پر میں نے بھی اس کا مفہوم بیان کیا۔ حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ نے میری تشریح پر خوش ہو کر فرمایا: غرضِ آں بے چارہ ہمیں بود (اس بیچارے (مصنف) کی مراد بھی یہی تھی) اس واقعے کو عرصہ گزر گیا' لیکن فارسی زبان میں ادا کئے ہوئے آپ کے یہ کلمات ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد آپ اس مجلس سے اُٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمانے لگے: کیا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی کھٹکا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! تمام صاحب سلسلہ بزرگوں نے مجھے بلاواسطہ اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ سوائے

آپ کے۔ آپ نے فرمایا: میرے خلفاء سے تم نے اجازت حاصل کر لی ہے' گویا بلاواسطہ مجھ سے کسب فیض کر لیا ہے' کیونکہ میرے خلفاء اور میں معنا لحاظ سے ایک ہیں۔ میں نے عرض کیا: یہ درست ہے لیکن بلاواسطہ فیض میں ایک خاص لطف ولذت ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا: اچھا میں نے بھی تم کو اجازت دی۔ میرے طریقہ پر لوگوں کو ارشاد وسلوک کی تعلیم دو۔ جب اشغال کی نوبت آئی' فرمایا: تم نے ابتدائی' درمیانی اور انتہائی تینوں قسم کے اشغال کر رکھے ہیں' مزید ضرورت نہیں ہے۔ پھر آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت عنایت فرمائی' اس کے بعد میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا۔ اس دوران میں نے بے شمار عجائب وحقائق دیکھے' آخر میں عرش کے زیر سایہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سلسلہ عرش کے ساتھ معلّق ہے اور حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ اس کو تھامے ہوئے حالتِ استغراق میں ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے استغراق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلفاء (زندہ ہوں یا رفتہ) میں مخلوق کی طرف توجہ کی ریاضت ومشقت زیادہ ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفہ سر میں زیادہ ہے اور حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ علیہ کی نسبت کی وسعت لطیفۂ روح میں' روحانی تربیت اسی اعتبار سے ظہور پذیر ہوتی ہے' اسی طرح قدیم صوفیائے کرام کی نسبت' لطیفۂ نفس میں زیادہ ہے۔ اسی بناء پر قدیم صوفیائے کرام کے ہاں سخت مشکل ریاضتیں پائی جاتی ہیں۔ فتدبّر

بظاہر آپ نے بے چارے کا لفظ اسی لیے استعمال فرمایا کہ وہ نفوسِ قدسیہ کہ جو ارشاد کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں' ان کے نزدیک عجیب وغریب علوم ومعارف کو خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

مقاماتِ اولیاء

فرمایا کہ ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا۔ یکایک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میری گناہ گار آنکھیں اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دیں۔ اس خیال کے آتے ہی مزارِ مبارک سے متصل چبوترے پر رُک گیا۔ اسی دوران آپ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ آگے آؤ! میں دو تین قدم آگے بڑھا۔ اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے

ایک تخت اٹھائے ہوئے آپ کی قبرِ مبارک کے قریب اُترے' معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ ہیں' قرانُ السعدین ہوا۔ دونوں شیوخ نے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں کیں۔ اس کے بعد حسبِ سابق فرشتے تخت کو اُٹھا کر روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ نزدیک آؤ' میں دو تین قدم اور آگے بڑھا۔ آپ بار بار نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت کے بہت نزدیک ہو گیا۔ پھر آپ نے پوچھا: شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: ''کلامٌ حسنه حسن وقبیحهٗ قبیحٌ '' (شعر بھی منجملہ دیگر کلام کے ہے' اس میں جو بہتر ہے وہ اچھا ہے اور جو مخرب ہے وہ قبیح ہے) اس پر آپ نے فرمایا: بارک اللہ۔

پھر آپ نے دریافت فرمایا: خوبصورت آواز کے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ''ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء'' (یہ لُطفِ ایزدی ہے) آپ نے فرمایا: بارک اللہ! لیکن جب یہ دونوں باتیں (شعر و آواز) جمع ہو جائیں پھر؟ میں نے کہا: ''نور علٰی نور یهدی اللّٰہ لنورہٖ من یشاء''۔ آپ نے فرمایا: بارک اللہ۔ تم بھی کبھی کبھار ایک دو بیت سُن لیا کرو۔ میں نے عرض کیا: حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ کی موجودگی میں آپ نے یہ بات کیوں نہیں فرمائی؟ خلافِ ادب تھا' یا مصلحت نہیں تھی؟ (ان دو باتوں میں سے آپ نے ایک فرمائی)۔ حضرت والد ماجد نے فرمایا: عرصے کی بات ہے' صحیح الفاظ یاد نہیں رہے۔

بشارتِ فرزند

فرمایا: ایک دفعہ میں انہی (حضرت شیخ قطب الدین رحمہ اللہ) کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہو گا' اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکی تھیں' جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔ میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا: میرا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہو گا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد

ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اُتر گیا۔ اس لیے انہوں نے ولی اللہ نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انہیں یہ واقعہ یاد آیا تو انہوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

مجالسِ ارواحِ اولیاء

فرمایا: ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ تو عالم (آخرت) تکلیف (عمل) نہیں ہے۔ یہاں پر وضو اور نماز کی حکمت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ دنیا میں اکثر وقت ان اُمور کی انجام دہی میں گزرا ہے' اس لیے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر ان کی ادائیگی کسی فریضے کے طور پر نہیں' بلکہ لُطف و لذت کی خاطر ہے۔ نماز کے بعد ارواحِ اولیاء جمع ہو گئیں اور ان کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔ میں اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کرنے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہماری مجلس عام مجالس کی طرح نہیں ہے' چنانچہ میں حاضر ہو گیا' اس روحانی محفل میں وجد بھی دیکھا گیا۔

تصرّف اولیاء

فرمایا کہ اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد سے تعلیم کے دوران ایک دفعہ درس سے واپسی پر ایک لمبے کوچے سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازی رحمہ اللہ کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا:

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است	جز سرّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوحِ دل از نقشِ غیر حق	علمے کہ راہِ حق نماید جہالت است

اتفاق کی بات چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اُتر گیا۔ ہر چند ذہن پر زور دیا' لیکن یاد نہ آیا۔ اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فقیر منش' ملیح چہرہ' دراز زُلف' پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا ؎

علمے کہ راہِ حق نماید جہالت است

میں نے کہا: جزاک اللہ خیر الجزاء! آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے اور میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کئے' انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ بھولا ہوا

مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں' یہ تو بطور ہدیہ اور شکریہ پیش کر رہا ہوں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: میں پان استعمال نہیں کیا کرتا۔ میں نے عرض کیا: پان کے استعمال میں کوئی شرعی پابندی ہے یا طریقت کی رکاوٹ؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتایئے' تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں۔ انہوں نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں' البتہ میں پان کھایا نہیں کرتا۔ پھر فرمانے لگے: مجھے جلدی جانا چاہیے۔ میں نے کہا: میں بھی جلدی چلوں گا۔ انہوں نے فرمایا: میں جلد تر جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا۔ میں نے جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے' میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جایئے تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں' فرمایا: فقیر کو سعدی (رحمہ اللہ) کہتے ہیں۔

مقام مجاذیب

فرمایا: میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا کہ میں آسمان پر گیا ہوں۔ وہاں ایک شخص گدڑی لپیٹے ہوئے محوِ خرام ہے اور اس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص حلقۂ مجاذیب کا سرخیل ہے اور ہر مجذوب اس کا خوشہ چین ہے۔ ظاہراً یہ مجذوب آنحضور ﷺ کے زمانِ مبارک سے پہلے ہو گزرا ہے۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ ممکن ہے کہ مجاذیب کے لیے یہ مثالی صورت تربیت الٰہی اور عقل وخرد سلب کرنے والی عظیم نسبت کا راز ہو۔

دعوت و مخدوم الٰہ دیار حمہ اللہ تعالیٰ

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو خود اس واقعے میں عینی شاہد تھے' سُنا ہے کہ ایک بار حضرت والد ماجد' مخدوم شیخ الٰہ دیہ صاحب کے مزار کی زیارت کے لیے قصبہ ڈاسنہ میں گئے ہوئے تھے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ اسی دوران آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کچھ تناول کر کے جائیں۔ آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا' یہاں تک کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت بھی ختم ہو گئی۔ احباب ملول ہوئے' اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اور اس نے کہا: میں نے منّت مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر گھر واپس آئے' میں اسی وقت طعام پکا کر مخدوم اللہ دیہ رحمہ اللہ

کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی۔ اسی وقت میرا شوہر گھر واپس پہنچا ہے' میں نے اپنی منّت پُوری کی ہے۔ میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہوتا کہ طعام تناول کرے۔

ذکرِ الٰہی

فرمایا: ایک دفعہ رات کے وقت میں سیر کرتا ہوا ایک بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا' میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا۔ اسی اثناء میں میرے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ اس وقت میرے بغیر کوئی شخص بھی ذکرِ الٰہی میں مصروف نہیں ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اچانک ایک کوزہ پشت معمر شخص ظاہر ہوا اور اس نے پنجابی زبان میں گانا شروع کیا۔ اس کے گیت کا مفہوم یہ تھا:

دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آ گئی ہے

میں اس کے نغمے سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ میں جوں جوں اس سے نزدیک ہو رہا تھا' وہ اسی قدر مجھ سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا: تمہارا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذاکر نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا: میرا یہ خیال زندوں کے بارے میں تھا۔ اس پر اس نے کہا: اس وقت تو تم نے مطلق تصور کیا تھا۔ اب تخصیص کر رہے ہو' اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔

حُسنِ نیت

فرمایا: شیخ بایزید اللہ گو نے حرمین کی زیارت کا قصد کیا۔ آپ کی معیت میں بہت سے ضعیف مرد' بچے اور عورتیں بھی تیار ہو گئیں' حالانکہ زادِ راہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ برادر گرامی اور میں نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ انہیں واپس لایا جائے۔ جب ہم تغلق آباد پہنچے تو دن بہت گرم ہو چکا تھا۔ ہم لوگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔ اس دوران تمام احباب سو گئے اور میں اکیلا ان کے کپڑوں اور سامان کی حفاظت کے لیے جاگتا رہا۔ اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لیے میں نے قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ چند سورتیں تلاوت کر کے میں خاموش ہو گیا۔ اچانک قریبی قبور میں سے ایک صاحبِ قبر مجھ سے مخاطب ہوا: قرآنِ مجید کے زندگی بخش نغمات سُننے کے لیے مدت سے ترس رہا ہوں۔ اگر کچھ وقت

اور تلاوت کریں تو احسان مند ہوں گا' میں کچھ اور تلاوت کر کے پھر خاموش ہو گیا۔ صاحبِ قبر نے مزید استدعا کی۔ میں نے پھر پڑھا' میرے چُپ ہونے پر اس نے تیسری بار درخواست کی' میں نے اس دفعہ بھی اس کی درخواست قبول کی اور قرآنِ مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔ اس کے بعد یہ صاحبِ قبر مخدومی برادرِ گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے' کہ خواب میں آیا اور کہا: میں نے ان کو بار بار تلاوت کے لیے کہا ہے' اب مجھے حیاء آتی ہے۔ آپ انہیں فرمائیں کہ قرآنِ مجید کا کچھ حصہ زیادہ تلاوت کر کے میری رُوح کی غذا فراہم کریں۔ وہ نیند سے اُٹھے اور مجھے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ میں نے نسبتاً زیادہ تلاوت کی اور اس پر ان اہلِ قبور میں خوشی و مسّرت کی خاص کیفیت میں نے محسوس کی اور انہوں نے مجھے فرمایا: جزاک اللّٰہ عنی خیر الجزاء.

اس کے بعد میں نے ان سے عالمِ برزخ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: میں ان قریبی قبروں میں سے کسی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا' البتہ میں اپنا حال آپ کو سناتا ہوں۔ جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے' میں نے کسی قسم کا عذاب یا عتاب نہیں دیکھا' اگر چہ بہت زیادہ انعام و اکرام بھی نہیں ہے۔ میں نے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کی برکت سے تمہیں نجات ملی ہے؟ اس نے کہا: میں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ دنیاوی بکھیڑوں سے خود کو آزاد کروں اور ذکرِ الٰہی اور عبادات سے غافل کرنے والی چیزوں سے کنارہ کشی کروں۔ اگر چہ اپنے اس ارادے کو مکمل عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ تاہم خدائے بزرگ و برتر نے میرے حسنِ نیّت کو پسند فرما کر مجھے یہ صلہ عطا فرمایا۔ قیلولہ سے فراغت حاصل کر کے شیخ بایزید رحمہ اللہ سے صحبت ہوئی اور انہیں واپس لائے۔

تاثیرِ ذکر

فرمایا: ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ کی درگاہ کے قریب سَیر کر رہا تھا۔ اس دوران مجھے ایک ایسی قبر نظر پڑی کہ اس کے ذکر کی وجہ سے زمین سے تحت الثریٰ اور فضا میں عرشِ علاء تک ہر چیز ذاکر ہے۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں نے فضیلت پناہ شیخ محمد سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے' کہا: آپ بھی اس قبر پر مراقبہ کر کے اس کا حال معلوم کریں۔ مراقبے کے بعد قریب قریب انہوں نے بھی وہی کیفیت بیان کی' جو میں مشاہدہ کر چکا تھا۔

اس وقت وہاں ہمیں ایک عمر رسیدہ دیہاتی ملا۔ میں نے اس قبر کے متعلق اس سے استفسار کیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک بزرگ کا مزار ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ اس وقت میری عمر ۸۰ سال ہے۔ میرے والد سو برس کے ہو کر فوت ہوئے ہیں اور میرے دادا نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ میں نے اپنے والد سے سنا ہے' وہ اپنے والد سے بیان کرتے تھے کہ اس مزار پر ہر وقت لوگوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ لوگ نذر نیاز لایا کرتے تھے۔ حضرت قطب الدین رحمہ اللہ کے مزار کی طرح زائرین دُور دراز کے علاقوں سے آ کر یہاں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ بزرگ گمنامی میں چلے گئے اور لوگ اس سے غافل ہو گئے۔

قصرِ نماز

فرمایا: ایک سفر کے دوران مجھے خیال آیا کہ سفری نماز میں قصر رخصت ہے' کبھی کبھار سفر کی حالت میں مکمل نماز بھی پڑھ لینی چاہیے۔ چنانچہ اس دفعہ میں نے قصر نہیں کی۔ رات کو خواب میں مَیں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ بے حد مسرور اور میری طرف متوجہ ہیں۔

علوم اولیاء

فرمایا کہ میرے والد شہید شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل وصورت میں مجسم ہو کر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور حال واستقبال کی خبریں سُنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مخدومی برادر گرامی کی دختر کریمہ بیمار ہو گئی' اس کی بیماری نے طول پکڑا۔ انہی ایام میں ایک دن تن تنہا میں اپنے حجرے میں سو رہا تھا کہ اچانک والد شہید تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ کریمہ کو ایک نظر دیکھ لوں' لیکن اس وقت گھر میں بہت سی دوسری مستورات آئی ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں وہاں جانا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ تم ان مستورات کو ایک طرف کر دو' تا کہ میں کریمہ کو دیکھ لوں۔ چونکہ اس وقت ان مستورات کا وہاں سے اُٹھانا خلافِ مصلحت تھا' اس لیے میں نے ان کے اور کریمہ کے درمیان پَردہ لٹکایا' اس کے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ کریمہ اور میرے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ کریمہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا: عجیب بات ہے لوگ تو ان کو شہید کہتے ہیں' حالانکہ یہ زندہ ہیں۔ فرمانے لگے: بیٹی! اس بات کو چھوڑ' تم نے بیماری میں کافی تکلیف برداشت کی ہے۔ ان شاء اللہ کل صبح کی

اذان کے وقت تمہیں مکمل نجات مل جائے گی۔ یہ بات فرما کر اٹھے اور دروازے کے راستے باہر نکلے' میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا' فرمایا: تم ٹھہرو' اور پھر غائب ہو گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان کے وقت کریمہ کی رُوح پرواز کر گئی اور اس نے ہر قسم کی تکلیف سے نجات حاصل کر لی۔

تاثیرِ جذب ورقص

حضرت والد ماجد ایک دفعہ قصبہ پُھلت میں تھے۔ عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے۔ قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے: شیخ ابو الفتح قدس سرہٗ کی روحانیت محفل میں آ کر رقص کر رہی ہے' عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہلِ محفل پر طاری ہو جائیں گے۔ تھوڑی دیر گزری کہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہاو ہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔

فیوضِ اولیاء

حضرت والد گرامی جب کبھی مخدومی شیخ محمد قدس سرہٗ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھتے' فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتداء کرتی ہے اور مجھ سے کسب معارف کرتی ہے۔ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض و معارف عطا فرمائے۔ پھر فرمایا: مخدومی شیخ محمد قدس سرہٗ کی روحِ پُرفتوح نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں کو کچھ معارف کی تعلیم دو۔ وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔

موکلِ وباء

فرمایا: ایک دفعہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک طویل القامت پُرہیبت شخص ہاتھ میں تیر و کمان لئے ہوئے آیا اور مسنون طریق سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں وباء پر مقرر کیا ہوا' فرشتہ ہوں۔ عرصے سے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ آج ہمارے لشکر نے اس علاقے سے گزر کیا ہے۔ میں نے سوچا اچھا اتفاق ہے آپ سے مل لوں۔ آج ہمیں فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں مقام پر پہنچنے کا حکم ہے۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے احباب اور معتقدین میں سے کوئی شخص بھی اس وبا میں ہلاک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا۔ چنانچہ چند دنوں

میں وباء بھی اس کے بتائے ہوئے علاقے میں منتقل ہو گئی اور معتقدین واحباب بھی محفوظ رہے۔

موتِ اختیاری

فرمایا: ایک دن تنہا میں اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیائے دوں سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد۔ میں نے جواب دیا: ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا: اچھا تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت مؤخر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا۔ میں نے اس کی پُشت پر جڑے ہوئے مرصّع جواہرات دیکھے۔ یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

انجامِ کُفر

فرمایا: ایک دفعہ میں رہتک کے شہر میں تفریح کے ارادے سے باہر نکلا' راستے کی تھکاوٹ اور دن کی گرمی کے باعث تھوڑی دیر سستانے کے لیے ایک مقبرے میں چلا گیا۔ اندر جاتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ان قبور میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی تپش کے اثرات میں محسوس کرنے لگا۔ میں نے احباب سے کہا کہ اس مقبرے سے جلدی باہر نکلو' کیونکہ یہاں آگ بھڑک رہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی مسلمان مدفون ہے۔ اتفاقاً اس وقت مجلس میں ایک ہندو بھی موجود تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگا: آپ نے کس طرح معلوم کر لیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہے؟ میں نے کہا: کشف کے ذریعے۔ پھر اس ہندو نے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں' بلکہ یہاں پر چند جوگی زندہ درگور ہو گئے تھے' بعد میں لوگوں نے مسلمانوں کی طرز پر ان کی قبریں بنا ڈالیں۔

اولیاءاللہ کے ساتھ بحث وتکرار

فرمایا: ایک صاحبِ کشف بزرگ سے جو بعض کشفی مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے' میں نے معاہدہ کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کر جائے' وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے مطلع کرے۔ اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس بریں میں بلند مقام پر فائز اور گونا گوں نعمتوں سے بہرہ مند

ہے' لیکن اس کے باوجود اس کی بصارت کمزور ہے۔ میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اس کا باعث وہی عقیدہ ہے کہ جس پر میں تمہارے ساتھ بحثیں کیا کرتا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) عرض پرداز ہے کہ شیخ عبدالباقی لکھنوی رحمہ اللہ نے وحدت الوجود کے متعلق بہت مطالعہ کیا ہوا تھا' لیکن کم فہمی کی بناء پر عبادات اور اسلامی عقائد کے بارے میں سُست واقع ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد والد گرامی ان کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں قیام فرمایا' اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ عبادات و عقائد میں کمزوری اور سُستی کی وجہ سے ماخوذ تھے' لیکن میں نے ان کی شفاعت کر دی ہے۔

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فرمایا: ایک دفعہ اکبر آباد میں بارش اور ہواؤں کے موسم میں سوار ہو کر جا رہا تھا۔ دیکھا کہ راستے میں ایک جگہ کتے کا پلاّ دلدل میں ڈوب رہا ہے اور خوب زور زور سے چلاّ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی دردناک آواز سے میرا دل بھر آیا۔ میں نے خادم سے کہا کہ جلدی جاؤ اور اس پلّے کو باہر نکالو۔ اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا' میں جلدی جلدی گھوڑے سے اُترا' کپڑے اوپر چڑھائے اور پانی میں اُترنے کے لیے آگے بڑھا۔ خادم نے جب یہ صوت حال دیکھی تو چاروناچار وہ خود آگے بڑھا اور پلّے کو باہر نکال لایا۔ قریب ہی ایک حمام تھا۔ وہاں سے گرم پانی لے کر میں نے اس کو نہلایا۔ طبّاخی سے روٹی اور شوربا لے کر اسے خوب کھلایا۔ پھر میں نے کہا: یہ کتا اس محلّے کا ہے' اگر اس محلے والے اس کی خبر گیری کا ذمہ اٹھائیں تو بہتر' ورنہ ہم اس کو اپنے محلّے میں لے جائیں گے۔ طبّاخی نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ چنانچہ یہ کتا اس کے حوالے کر کے میں رخصت ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد میں اسی محلّے کے اسی کوچے سے گزر رہا تھا' میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کتا آ رہا ہے اور اس کوچے میں کچھ کیچڑ بھی ہے۔ میرے دل میں آیا' اس جگہ سے جلدی گزر جانا چاہیے تاکہ کتے کے ناپاک چھینٹے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ میں تیزی سے بڑھا مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا۔ اسی کیچڑ پر ہم ایک دوسرے کر قریب آ گئے' مجھے دیکھ کر وہ کتا ٹھہر گیا اور صاف زبان میں کہنے لگا: السلام علیک' میں نے وعلیک السلام کہا۔ پھر اس نے کہا: تم نے حدیثِ قدسی میں پڑھا ہے: رب العزت فرماتا ہے: "یا عبادی انی حرمتُ الظلم علی نفسی وجلعته

علیکم محرماً فلا تظالموا" (میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے' اسی طرح تمہارے لیے بھی ظلم حرام ہے' پس ظلم نہ کرو) مجھ پر تم نے کیوں ظلم کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے تو کچھ علم نہیں کہ میں نے کون سا ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: راستہ اور کوچہ' انسان اور حیوان دونوں کی گزرگاہ ہے' اصولاً ہمیں حسب عادت نرم رفتار سے آنا چاہیے تھا۔ پھر بھی ہم دونوں اگر اکٹھے ہو جاتے تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ میں نے کہا: انسان پر عبادتِ الٰہی کی بجا آوری کے لیے جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی بھی فرائض میں شامل ہے۔ میں نے سوچا: میں جلدی سے گزر جاؤں کیونکہ اگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے تو انہیں پاک کرنے میں وقت لگے گا۔ اس نے کہا: اس وقت تمہارے دل میں یہ خیال نہ تھا بلکہ تم نے محض کتے سے کراہت اور نفرت کے سبب جلدی گزر جانا چاہا۔ اب اپنے اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک جائز عذر کا بہانہ بنا رہے ہو' اگر تمہارے کپڑے پلید ہو جاتے تو وہ پانی کی معمولی مقدار سے پاک ہو سکتے تھے' لیکن اگر انسانی قلب تکبّر اور خود بینی کی پلیدی سے ناپاک ہو جائے تو وہ سات دریاؤں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بات پر اس کی داد دی اور دل میں شرمسار ہوا۔ اس کے بعد میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اسے کہا: تم نے مجھے نصیحت کی ہے۔ اب اس راستے سے گزر جاؤ۔ کہنے لگا: گزشتہ زمانے کے درویش قربانی و ایثار کا جذبہ رکھتے تھے لیکن اس دَور کے فقراء اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے کہا: ان دو لفظوں کی تشریح تو کرو۔ کہنے لگا: پہلے فقراء خسیس اپنے لیے اور نفیس دوسروں کے لیے اختیار کرتے تھے' لیکن اس دور کے درویش اچھی چیز اپنے لیے لے لیتے ہیں اور بُری دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ صاف راستہ تم نے پسند کر لیا ہے اور کیچڑ والا راستہ میرے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سُنتے ہی میں خراب راستے کی طرف ہو لیا اور اس کے لیے صاف راستہ چھوڑ دیا۔ پھر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ پاکیزہ عقل عطا کرے اور عقلِ کور سے بچائے۔

میں نے پوچھا: پاکیزہ عقل کیا ہے اور عقلِ کور کون سی؟ کہنے لگا: پاکیزہ عقل یہ ہے کہ بغیر کہے سُنے آدمی صحیح راستہ اختیار کرے اور عقلِ کور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے' وہ بھٹکتا رہے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور رُخصت ہو گیا۔ میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ پلّے کو باہر نکالنے کا عمل مقبول ہو گیا ہے اور اسی کے نتیجے میں یوں

تعلیم وتربیت دی جارہی ہے۔

واقفِ اسرار چڑیا اور موحد کوّا

فرمایا: رمضان المبارک کے آخری دن (جب کہ عید کے چاند کی توقع ہوتی ہے) میں مسجد حبوط میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا آ کر کہنے لگی: کل عید ہے۔ میں نے یہ بات حاضرینِ مجلس سے کہی، فرہاد بیگ کہنے لگے: حیوانات کی باتوں کا کیا اعتبار۔ اس پر وہ چڑیا کہنے لگی: جھوٹ بنی آدم کا وطیرہ ہے، ہم اس سے آزاد ہیں۔ پھر وہ اُڑ گئی اور اپنی ایک دوسری ہم جنس کو لائی۔ اس نے بھی اس بات کی گواہی دی۔ اس کے بعد جلد ہی قاضی شہر کے سامنے شرعی شہادتیں پیش ہو گئیں کہ عید کا چاند دیکھا گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے چڑیوں کی گفتگو کے بارے میں پوچھا، فرمانے لگے: ان کی آواز چوں چوں بھی بالکل دوسری چڑیوں کی طرح تھی، مگر لطفِ ربانی سے میں نے ان کی چوں چوں سے بامعنی مفہوم اخذ کر لیا۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنگلی کوّا دوسرے تیسرے دن حضرت کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور توحید کے بارے میں باتیں پوچھا کرتا تھا۔ کچھ عرصے بعد آپ نے اسے نہ پایا تو راوی (شیخ فقیر اللہ) سے پوچھا کہ اکثر یہاں پر ایک کوّا بیٹھا کرتا تھا، جسے میں چند دنوں سے نہیں دیکھ رہا۔ میں نے عرض کیا: فلاں شخص نے اسے شکار کر کے اپنے شکاری پرندے کو کھلا دیا ہے۔ آپ نے بہت افسوس کیا۔ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ کوّا موحد تھا، مجھ سے توحید کے بارے میں اکثر سوالات پوچھا کرتا تھا۔

صالح جنّ

فرمایا: ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور بعض دفعہ اکثر شب ذکرِ الٰہی میں گزرتی تھی۔ یہ ذکر کبھی اونچی آواز میں ہوتا، کبھی آہستگی سے، ذکر کے وقت ہمارے ساتھ ایک نیک بخت جن بھی انسانی شکل میں شریک ہوا کرتا۔ جب بعض احباب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بڑی دُرشتی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو؟ جمعہ کے دن میرے وعظ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا جنّات میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز اور روزہ ادا کرتے ہوں۔ میں

نے کہا: ہاں! یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے۔ جنات کے متقی افراد میں سے ہے، وعظ سُننے کے لیے آیا کرتا ہے۔ یہ سُن کر وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے اس کی شکل وشباہت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔

جنّ کی ہمدردی

فرمایا: ایک جن نے مجھ سے بیعت کے اشغال واوراد سیکھے۔ ایک دن میں گھوڑے پر سوار جارہا تھا کہ وہ متشکل ہوکر میرے سامنے آ گیا اور صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے بتایا، جہاں میری بات اسے پوری طرح سمجھ میں آتی، وہ دوبارہ پوچھتا۔ یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ ایک دن محمد غوث کی چارپائی پریاں اُٹھا کر لے گئیں اور اسے تکلیف پہنچانے لگیں۔ یہی جن وہاں پہنچ گیا اور اس نے پریوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر محمد غوث کو چھڑایا اور اسے کہا کہ حضرتِ والا سے سلام کے بعد کہنا کہ یہ پریاں تھیں، جو تمہیں ایذاء پہنچا رہی تھیں، میں نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا ہے۔

ایک بار اور آ کر کہنے لگا: میرا دکن جانے کا ارادہ ہے، معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آسکوں یا نہ۔ میری نجات کے لیے دُعا کیجئے۔ میں نے دعا کی، اس کے بعد پھر وہ نظر نہ آیا۔

ایک متعلّم جنّ کا نظام الاوقات

فرمایا: اکبر آباد میں میرزا محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطف سون پتی کے دروازے سے میرا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ دروازے پر پریشان کھڑے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمانے لگے: ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مجھے گھر کے اندر لے گئے۔ ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا، مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لیے اُٹھا اور سلام کیا۔ میں نے کہا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میرا نام عبداللہ ہے اور میں محمد طاہر کے درس میں انسانی شکل میں پڑھتا ہوں۔ جس روز آپ اکبر آباد میں داخل ہوئے تھے اور محمد طاہر اپنے تلامذہ سمیت آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے تھے تو میں بھی ان میں موجود تھا۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں، البتہ آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا: کیا پڑھتے ہو؟ کہنے لگا: کافیہ میں مفعولِ مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھ رہا ہوں، جہاں سے مصنف ''لبیک

وسعدیک'' سے بحث کرتے ہیں۔ میں نے کہا: ان دونوں لفظوں کی اس طرح نحوی تشریح کرو کہ جو طالب علم بیان نہ کر سکتے ہوں۔ اس نے تشریح کی۔ میں نے کہا: میں محمد طاہر سے تمہاری سفارش کروں گا تا کہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ رکھیں۔ اس نے کہا: اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔ پھر اس نے کہا: میرا طریقہ یہ ہے کہ میں رات کو چار حصوں میں تقسیم کر لیتا ہوں' ایک حصے میں نماز پڑھتا ہوں' دوسرے میں نفی و اثبات کرتا ہوں' تیسرے حصے میں کافیے کا مطالعہ کرتا ہوں اور آخری حصے میں آرام کرتا ہوں اور دن بھر محمد طاہر کے پاس رہتا ہوں۔ ایک اُونچی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے' اس نے کہا: میں یہاں رہتا ہوں' اس عورت نے اس مقام پر پیشاب کر کے میری جگہ کو ناپاک کر دیا ہے اور میرے نظام الاوقات کو خراب کر دیا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے تکلیف دی ہے' آپ نے حکم دیا۔ فوراً ہی اس جگہ کو پاک کر کے خوشبو میں بسا دیا گیا۔ چنانچہ اس انتظام سے وہ باغ باغ ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ اسی وقت وہ عورت ہوش میں آ گئی اور شرم و حیاء کے مارے اپنا چہرہ ڈھانپنے لگی۔

شاہ عبدالرحیم کے تصرّفات' مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان

طریقِ تربیّت

فرمایا: شیخ عبدالاحد سرہندی کی مجلس میں ایک آدمی کہنے لگا کہ اس زمانے میں کوئی صاحبِ کرامت نہیں ہے۔ انہوں نے شخصِ مذکور کے غلط عقیدہ کی اصلاح کے لیے اسی کے سامنے سات روپے میری نذر کے لیے مقرر کر دیئے۔ پھر فرمایا: پہلے پانچ روپے پیش کریں گے' دیکھیں کیا فرماتے ہیں: پھر مجھے کہلا بھیجا کہ آج میں آپ کی ملاقات کے لیے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا: مقدر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لیے آؤں۔ انہوں نے فرمایا: تکلیف نہ کریں۔ میں نے سواری کا انتظام کر لیا ہے۔ میں نے کہا: سواری کا ارادہ بے سود

ہے' ہمارے درمیان جب یہ بات بڑھی تو ہم نے باہم ایک درمیانی جگہ کا انتخاب کرلیا کہ ہم میں سے جو بھی پہلے اس مقام پر پہنچے گا' وہ دوسرے کو واپس لے جائے گا۔ میں نے گھوڑے کے لیے بہت کوشش کی' لیکن کہیں سے میسر نہ آسکا۔ اسی طرح شیخ عبدالاحد نے پالکی تیار کرائی' لیکن انہیں چوتھا کہار نہ مل سکا۔ آخری وقت میں ان سے پہلے اس جگہ پہنچ گیا اور انہیں واپس ان کے دولت کدہ پر لے گیا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو انہوں نے پانچ روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور فرمانے لگے: یہ آپ کی نذر ہیں۔ میں نے کہا: میری نذر یہ نہیں۔ میری نذر تو سات روپے ہے' چنانچہ انہوں نے پورے سات روپے پیش کئے۔ اس کے بعد شیخ عبدالاحد نے ازراہِ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر آپ کی خدمت میں دو روپے اور بھی پیش کرنے چاہئیں۔ چنانچہ دو روپے مجھے پیش کئے گئے۔ پھر فرمایا: یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لیے کیا ہے۔

مستقبل بینی

فرمایا: شیخ عبدالاحد رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں تھے۔ میں ان سے ملاقات کے لیے وہاں پہنچا۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا: پرسوں عید ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ میں نے کہا: نہیں' بلکہ عید اس کے بعد ہوگی۔ فرمانے لگے: جنتری والے یہی کچھ کہتے ہیں۔ میں نے کہا: لیکن میرا حساب یوں کہتا ہے۔ چنانچہ جیسے میں نے کہا تھا' اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔

نگاہِ دُور رس

فرمایا: ایک دفعہ شیخ عبدالاحد پورب یا کسی دوسرے علاقے سے واپس آئے تو میرے لیے ایک تحفہ بھی لیتے آئے' مگر فرمانے لگے کہ کشف سے بتلادیں کہ کیا لایا ہوں تو سمجھوں گا کہ تحفہ قبول ہوگیا۔ میں نے کہا: ابھی تو معلوم نہیں' بعد میں بتلاسکوں گا۔ چند دنوں بعد میں جائے آرام واستراحت میں تھا کہ اس ہدیے کی شکل مجھے دکھائی گئی۔ جب دوسری بار ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے' ایک حصہ سبز پھولدار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے اور وہ بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی چادر ہے کہ اس کی بالائی طرف مُدوّر اور زیریں حصہ مستطیل ہے' یہ چادر ایک چہارخانہ کپڑے میں

لپٹی ہوئی ہے۔ کہنے لگے: اور تو ساری بات دُرست ہے لیکن وہ چارخانہ کپڑے میں لپٹی ہوئی نہیں ہے۔ کچھ روز بعد انہوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھجوایا' لیکن اس وقت وہ مذکورہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ کپڑا ایک دوسرے کپڑے میں باندھا ہوا تھا۔ جب وہ کپڑا کام آ گیا تو پھر اسے چارخانہ کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا' اس درمیانی تبدیلی کا شاہ عبدالاحد کو علم نہیں ہو سکا تھا۔

جو چاہے سو آپ کرے

فرمایا کہ شیخ عبدالاحد سرہند سے چار حل طلب مسئلے لے کر میرے پاس آئے' جب باتیں چلیں تو کہنے لگے: ایک تو ان میں سے بہت ہی آسان ہے۔ دو اوسط درجے کے اور چوتھا بمشکل پورا ہونے والا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ جسے تم زیادہ مشکل سمجھ رہے ہو وہ تو بادشاہ سے پہلی ملاقات میں ہی پورا ہو جائے گا اور وہ دو جو اوسط درجے کے ہیں' ایک دو تین مہینے بعد اور دوسرا پانچ چھ مہینے میں پورا ہو جائے گا اور جسے تم آسان سمجھ رہے ہو' اس کا ہونا نہ ہونا میری زبان پر موقوف ہے' جب تک میں نہیں کہوں گا اس کے حل کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔ اس گفتگو کے بعد انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ میری ترتیب سے بتایا ہوا پہلا عقدہ اسی وقت حل ہو گیا اور دوسرا تیسرا میری بتائی ہوئی میعاد کے مطابق مگر چوتھا جوں کا توں رہ گیا۔ دوبارہ ملاقات کی اور مجھ سے توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا: ایسے نہیں' پہلے تمہیں شہر کے ان بزرگوں سے رجوع کرنا چاہیے' جو کشف و کرامت میں شہرت تامہ رکھتے ہیں اور ان سے مشکل حل ہونے کی میعاد مقرر کرنی چاہیے۔ مشائخ میں سے ایک نامور صاحبِ کشف بزرگ کے پاس گئے۔ انہوں نے تین ہفتے کی میعاد مقرر کی۔ وقت گزر گیا مگر مطلوبہ کام کی خوشبو تک ان کے دماغ تک نہ پہنچی۔ پھر دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے ایک ماہ کا عرصہ بتلایا۔ وہ بھی گزر گیا مگر کام ہونے کے کچھ آثار نظر نہ آئے۔ پھر میرے پاس لوٹ کے آئے اور توجہ کے طالب ہوئے۔ میں نے کہا: کچھ فرصت چاہیے تاکہ خود بخود میری زبان سے عقدہ حل ہونے کی بشارت نکلے۔ انہوں نے اپنا عقدہ کاغذ پہ لکھ کر فقیر اللہ کے حوالے کر دیا تاکہ روزانہ اشراق اور نمازِ عشاء کے بعد وہ مجھے دکھاتا رہے۔ ایک مدت مدید ہوئی اور انتظار کی گھڑیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اتفاق سے ایک دن طبیعت کھل

اُٹھی اور میں نے فوراً کہہ دیا کہ آج بادشاہ کے پاس جائیے' کام ہو جائے گا۔ وہ اسی دن دربار میں چلے گئے۔ بادشاہ نے توجہ سے پوچھا کہ کوئی مطلب ہے تو بتلایئے۔ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا' اسی وقت ان کے حسبِ منشاء کام سرانجام پا گیا۔

ختمِ خواجگان

فرمایا کہ میں شیخ عبدالاحد کے دولت کدہ پر گیا' وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے' مجھے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا: ختم پڑھنا بے سود ہے۔ اس سے آپ کا کام نہیں ہو گا۔ کہنے لگے: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہا: ہاں! فلاں کام ہے اور اس کا حل ایک عورت کے ہاتھ میں ہے' جس کی شکل ایسی ہے اور عمر یہ ہے۔ اسی طرح میں ان کی زندگی کا پورا کچا چٹھا بیان کرنے اور ان کے کرتوت ظاہر کرنے لگا تو وہ کہنے لگے: خدارا! بس کیجئے' راز ظاہر ہوتے ہیں۔

آدابِ مجلس اولیاء

حضرت والد ماجد ایک دفعہ شیخ عبدالقدوس کے گھر گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں شربتِ گلاب پیش کرو۔ وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں۔ لڑکے نے بڑی بوتل رکھ دی اور چھوٹی لا کر پیش کی۔ حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے ہو؟ وہ بھی لے آؤ۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحد بیمار ہوئے اور حضرت والد ماجد عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ فقیر بھی ہمراہ تھا۔ شیخ نے صحت کے لیے دُعا کی درخواست کی تو حضرت والد چُپ ہو گئے۔ ان کے عزیزوں نے دعا کے لیے زور دیا تو پھر بھی خاموش رہے۔ بالآخر شیخ عبدالاحد نے حضرت والد کے دل کی بات سمجھ لی اور اپنے عزیزوں کو دُعا کے لیے مجبور کرنے سے منع کر دیا کہ اولیاء کی بارگاہ میں اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت والد ماجد وہاں سے اُٹھے تو فقیر سے فرمایا کہ شیخ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اس وقت دُعا سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ میری خاموشی میں یہی حکمت تھی۔ شیخ چند دنوں بعد آغوشِ رحمت میں چلے گئے۔

فراستِ مؤمن

ایک دن حضرت والد ماجد اس فقیر کو علم و عرفان کے عجیب نکتے تعلیم فرما رہے تھے کہ حدیثِ نبوی ﷺ ''اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله'' کی بحث چل نکلی۔ اس کی تشریح میں آپ نے دو قصے بیان فرمائے' ایک قصہ شیخ رفیع الدین کی فراست کا جو اپنی جگہ بیان ہوگا اور دوسرا قصہ اپنی فراست کا کہ ایک مرد فقیرانہ وضع' نقاب پوش حد درجہ دردمند' جو ہر لمحے کوئی نہ کوئی عاشقانہ شعر یا پُر سوز ہندی دوہے پڑھتا اور گریہ و زاری کرتا رہتا ہے' میرے پاس آیا اور رشد و ہدایت کی طلب کے ساتھ قیام کے لیے حجرہ بھی مانگا' میں نے بالکل انکار کر دیا' جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا: یہ کالا سانپ ہے اس سے ڈرنا چاہیے۔ حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کیا' ایک مدت کے بعد وہ فقیر عورتوں کے لباس میں آیا اور عاقل خاں صوبیدار دہلی کے گھر میں خیرات کی تقریب میں عورتوں کے ساتھ چلا گیا۔ باہر آتے وقت ایک دربان نے اس کی رفتار دیکھ کر کہا کہ یہ تو عورتوں کی چال نہیں ہے اور تجسّس کے خیال سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ حقیقتِ حال واضح ہوگئی اور اسے قید کر لیا گیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ کسی عورت کو بھگائے ہوئے پھر رہا تھا۔ اسی لیے اس نے نقاب پوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس کا فقیرانہ سوز و ساز اور دردمندی محض ایک چال تھی۔

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست

فرمایا: عبدالحفیظ تھانیسری نے اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور میرے پاس رخصت کے لیے آئے۔ ایک دستار اور نصف روپیہ نذرانہ بھی لائے اور چاہا کہ دوسرا نصف روپیہ مخدومی محمد ابوالرضا کی خدمت میں پیش کرے۔ میں نے خوش دلی سے کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں بہت خوفناک مشکل پیش آئے گی۔ بہلی کا ایک پہیہ نکل جائے گا۔ میدان میں اسے ٹھیک کرانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جو شخص بہلی کی سواریوں کی حفاظت کرے گا' چوروں اور ڈاکوؤں کی مار دھاڑ سے بچانے اور ساز و سامان کی حفاظت میں کوشش کرے گا' مناسب ہے کہ اسے پورا روپیہ دیا جائے۔ اس نے پورا روپیہ مجھے دے دیا اور رخصت ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد جب واپس لوٹا تو کہا کہ اس خوفناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا۔ بہلی کا پہیہ جدا ہو گیا اور کچھ دُور تک بغیر پہیے کے گاڑی چلتی رہی۔ ہمیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور

پھر اس بیابان میں آسانی کے ساتھ ٹھیک ہوگئی۔ یہاں تک کہ ہم ساتھ والے قافلے سے ذرا بھر پیچھے نہ رہے۔

چراغِ فقر ہوا بھی جسے بُجھا نہ سکی

سُننے میں آیا ہے کہ ایک دن مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات چل پڑی۔ رات کا وقت تھا' تیز ہوا چل رہی تھی۔ چراغ روشن کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ حضرت والد نے فرمایا کہ نگاہیں چراغ پر مرکوز رکھو' قدرت کے عجیب تماشے مشاہدے میں آئیں گے۔ چراغ کو پیالے میں رکھ کر لے آئے۔ حضرت والد چراغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب حضرت نے پوری دل جمعی کے ساتھ توجہ ڈالی تو پیالہ بھی چراغ سے ہٹا دیا گیا' چراغ خوب جل اٹھا اور اس کے شعلے میں آندھی کے اثر کی کوئی لپک نہ تھی۔

توجہ و تاثیر

فرمایا: محمد مظفر نے مجھے خط لکھ کر ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا' جس میں لکھا تھا کہ خط لانے والا تاثیر و توجہ کا منکر ہے۔ اگر اس پر نگاہِ عنایت ہو جائے تو اس کے لیے ہدایت کا سبب بن جائے گی۔ خط پڑھتے ہی میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر کلیتًا اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا اور انکارِ تاثیر کے عقیدے سے تائب ہوا۔

ایک منکر سے بزور نذر وصول کی

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل پیش آئی۔ اس نے نذر مانی کہ بارِ خدایا! اگر میری مشکل حل ہو جائے تو اتنی رقم حضرت والد (شاہ عبدالرحیم) کی خدمت میں ہدیۂ پیش کروں گا۔ وہ مشکل حل ہوگئی تو نذر کا خیال دل سے جاتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اس بات کی روحانی طور پر اطلاع ہوئی تو ایک نوکر کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب ہے۔ اگر گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو جو نذر فلاں موقع پر تم نے مانی تھی' وہ بھیج دو۔ یہ سُن کر وہ نادم ہوا اور نذر بھجوا دی۔ اسی لمحے اس کا گھوڑا تندرست ہو گیا۔

ولی اور عامل میں فرق

فرمایا: ایک مستجاب الدعاء شخص ایران کے راستے روم سے ہندوستان پہنچا۔ اسے عبد اللہ چلپی کہتے تھے' اس سے بہت سے عجائبات مشاہدے میں آئے۔ ان میں سے ایک تو یہ دیکھا گیا کہ وہ اپنے حجرے میں چالیس دن تک بغیر روٹی اور پانی کے اعتکاف میں رہا۔ حجرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ اپنے پورے وجود کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے وہ باہر نکل آتا تھا' اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کمرے کے اندر اندھیرے میں قرآن مجید لکھا کرتا تھا اور بارہا یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ زمین کے اندر دھنس جاتا اور جہاں سے چاہتا باہر نکل آتا تھا۔

لوگ کہتے تھے کہ یہ صاحب کرامات اولیاء میں سے ہے۔ میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا۔ ان دنوں وہ ایرانیوں میں سے ایک کے گھر بادشاہ سے چھپ کر رہ رہا تھا۔ پہلے پہل جاتے ہی میں رافضیوں میں گھل مل گیا۔ بارہ مسائل میں گفتگو چل پڑی۔ میں نے تمام مسائل میں الزامی جوابات دے کر انہیں خاموش کر دیا' داد دیتے اور بُری باتیں قبول کرتے رہے مگر آغازِ گفتگو میں میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں سُنی ہوں بلکہ یوں کہا کہ میرا مذہب ''خُذُ ما صفادع ما کدر'' (اچھی چیز لے لو بُری چھوڑ دو) ہے۔ اس بناء پر وہ کچھ تعصب سے پیش نہ آئے اور موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک ایک مسئلہ دلائلِ برہانی' خطابی اور الزامی جوابات کی صورت میں ان کے سامنے بیان کیا۔ وہ قبول کرتے رہے اور انکار کی گنجائش نظر نہ آئی۔ ان سے نمٹ کر میں نے عبداللہ سے ملاقات کی' مگر اس کے اندر میں نے طریقۂ اولیاء میں سے کوئی بہرہ نہ پایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اس کی تعظیم سے منہ پھیر لیا۔ ایرانیوں میں سے ایک نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ انتہائی شوق سے آئے' مگر دیکھنے کے بعد منہ پھیر لیا؟ میں نے کہا: ولی سمجھ کر آیا تھا مگر یہ تو دُعائیں پڑھنے والا نکلا۔ عبداللہ نے یہ سُن کر خوب داد دی۔ اس کے بعد وہ دُعائے سیفی پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ جب ایسے مقام پر پہنچا جہاں قواعد نحو یہ کی رو سے دو اعراب پڑھنے کا احتمال تھا' مگر ذوق و وجدان کی رو سے ایک اعراب متعین تھا' اس نے خلاف ذوق اعراب اختیار کیا۔ میں نے اسے کہا کہ غلط پڑھ رہے ہو۔ کہنے لگا: یہ غلط نہیں بلکہ ٹھیک ہے اور اس بارے میں مناظرہ کرنے لگا اور دعائے سیفی کے وہ تمام نسخے منگوا لیے' جو اساتذہ سے اسے ملے ہوئے تھے۔ تمام نسخے اسی کے اعراب کی تائید کر رہے تھے'

یہاں تک کہ تیرھواں نسخہ جو حضرت شیخ احمد جام کے تبرکات میں سے تھا' بعض امراء کے گھر سے منگوایا' اس میں اعراب میرے موافق نکل آیا۔ داد دی اور اعتراف کیا۔ پھر ایرانیوں سے کہنے لگا: جانتے ہو کہ اتنی بحث میں کیوں کر رہا ہوں؟ میں جب بھی اس مقام پر پہنچتا تھا' نور کی بجائے ظلمت نظر آتی تھی۔ بالآخر یہ عبداللہ چلپی طریقۂ قادریہ میں مجھ سے بیعت ہو گیا۔

درد دل گاؤ خر

فرمایا: ایک دفعہ سید لطف کے دولت کدہ پر جانا ہوا تو وہاں ایک ایسے فاضل سے ملاقات ہوئی' جو صوفیاء کی بعض باتوں کا منکر تھا۔ اتفاقاً نماز کا وقت ہو گیا' اسے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس وقت چولہے پر دیگچہ رکھا ہوا تھا اور نوکر بازار گیا ہوا تھا۔ منکر صوفیاء امام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں طعام نہ جل جائے اور پوری نماز میں اسے یہ خیال ستاتا رہا۔ میں اس کی اس بات پر روحانی طور پر مطلع ہوا اور اس کی اقتداء چھوڑ کے تنہا نماز شروع کر دی۔ جب وہ نماز ختم کر چکے تو میرے ساتھ رنج سے پیش آئے کہ اکیلے نماز پڑھنے کا کیا سبب تھا؟ میں نے کہا: تم تو نماز میں اپنے نوکر کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور طعام پکا رہے تھے' پھر میں تمہاری اقتداء کیسے کرتا۔ یہ سُن کر اس نے داد کے طور پر اعتراف کیا اور احوالِ صوفیاء کے انکار سے رجوع کیا۔

تاثیر توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابد معترض کے لیے بے سُود

حضرت والد سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سُننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکرِ ولایت تھا۔ پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیضان حاصل کیا۔ اتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سے مصافحہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میاں! دیر سے آئے ہو' کہاں تھے؟ اور اس قسم کے دو تین جُملے ازراہِ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے میں کمی کر دی۔ جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصوم کے ہلاک کرنے پر کمربستہ ہو گیا۔ انہوں نے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ اس کا بھیجا ہوا شر اسی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرید اسی طرح ان کی خدمت میں رہتا رہا۔

کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہوا۔ الغرض اسی طرح وہ درویشوں کے ہاں آتا جاتا اور انکار کرتا رہا اور اس سبب سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرّف نہیں ہے۔ یہ سُن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے خود ہو گیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اُسے سبز خلعت دی گئی ہے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس نے واقعہ سُن کر اعتراف کیا' مگر فطرتاً منکرِ ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے' مگر مجھے سبز خلعت پہنانے والے جُملے تک ہی یاد رہ سکا' واللہ اعلم۔ حضرت والد سے اجمالاً اور ان کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سُنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حالتِ غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی۔ کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔

رافضیت سے توبہ

فرمایا: ایک دفعہ میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا' اس وقت مجھے کشفی طور پر ایک آدمی کی صورت دکھائی گئی اور میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ شخص تیرے ہاتھ پر رافضیت سے توبہ کرے گا۔ یہ واقعہ میں نے یارانِ مجلس کو سنایا اور اس آدمی کا پورا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اس واقعہ سے تقریباً بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا تو وہاں ایک مہمان کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اسے پہچانا اور انتہائی لطف و کرم سے پیش آیا۔ دوستوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا کہ ایک ایسے اجنبی شخص کے ساتھ جو رافضیت اور غلط عقائد کی وجہ سے بدنام ہے۔ اتنی مہربانی کا آخر کیا سبب ہے۔ یہ سُن کر میں نے ان سے کہا کہ تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں رہا۔ معمولی غور کے بعد انہوں نے بھی اسے پہچان لیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ کچھ دنوں بعد مفسد لوگوں کی صحبت نے اسے پھر شکوک میں مبتلا کر دیا' تو اسے پیٹ کے دَرد نے آلیا۔ وہ جان گیا کہ درد کا سبب کیا ہے' پھر توبہ کر لی۔ کچھ دنوں بعد پھر شک میں گرفتار ہو گیا تو پھر وہ پیٹ کے شدید دَرد میں مبتلا ہوا۔ تب دوستوں نے اس کے

دماغ میں ڈالا کہ جب تک توبۃ النصوح نہ کرد گے' ہلاک ہو جاؤ گے اور پھر وہ خالص سُنی ہو گیا اور رافضیت سے کُلی طور پر بیزار ہو گیا اور دُور رہا۔ اس نے مجھ سے طریقت کا سبق بھی لیا۔ شروع میں اس نے پوچھا کہ کون سا طریقہ اختیار کروں؟ میں نے کہا: طریقہ قادریہ سب سے بہتر رہے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ رافضی حضرت غوث اعظم سے عداوت رکھتے ہیں۔

نیست بر لوحِ دلم جُز الفِ قامتِ یار

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً میں نے سُنا ہے کہ تاشقلہ بیگ ایک ترکستانی تھا' جسے حصولِ طریقت کا ذوق ترکستان سے بخارا لایا۔ وہاں ایک مدت تک وہ حضرت خواجہ نقشبند کے مزار پر ٹھہرا رہا۔ اس انتظار میں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کا اسے پتہ دیا جائے۔ آخر حضرت خواجہ نے اسے کشف میں فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان کے شہر دہلی میں ہے اور حضرت والد ماجد کی شکل وصورت اسے دکھائی گئی۔ مگر اسے خیال آیا کہ دہلی تو بہت بڑا شہر ہے' اس بزرگ کا وہاں ڈھونڈنا دُشوار ہو جائے گا۔ اس خیال پر مطلع ہو کر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جس دن دہلی میں داخل ہو گے' اسی دن وہ بزرگ تمہیں وعظ کہتے ہوئے ملیں گے۔ اس واقعہ کے بعد تاشقلہ بیگ کو شوقِ بیعت کشاں کشاں دہلی لے آیا۔ پہلے پہل وہ شیخ فرید کے ہوٹل پر اُترا۔ اتفاقاً جمعہ کا دن تھا۔ اس نے جامع مسجد کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ دے دیا۔ وہاں پہنچا تو حضرت والد ماجد کو خواجہ نقشبند کے بتائے ہوئے حُلیے کے مطابق پایا۔ جب نماز کے بعد حضرت والد نے وعظ فرمایا۔ اسے بھی تاشقلہ بیگ نے اپنے موافق پایا۔ فراغت کے بعد آپ کے ساتھ گھر آیا اور اپنے سر سے دستار اُتار کر اظہارِ عقیدت کیا۔ حضرت نے فرمایا: شرط یہ ہے کہ کچھ دن ہماری صحبت میں رہو تا کہ ہمیں سمجھ سکو۔ اس نے یہاں تک پہنچنے کا سارا قصہ بیان کر دیا۔ حضرت والد نے اسے اپنی بیعت میں لے کر اشغال واعمال کی تلقین فرمائی' اس کے بعد وہ دکن چلا گیا تو پھر واپس نہ آیا۔

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یارانِ طریقت سے تفصیلاً سنا کہ مرزا علی خوافی' قصبہ خواف کا صحیح العقیدہ اور پاکیزہ خیال سنی تھا۔ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں: تیرا پیر دہلی میں ہے اور ساتھ ہی حضرت والد ماجد کی صورت بھی دکھلا دی' کافی عرصے بعد وہ کسی تقریب سے دہلی آیا مگر پھر بھی مدتوں ملاقات نہ ہو سکی۔ بعد میں

محمد افضل پھلواروی سے حضرت والد کا نام نامی اور کچھ اوصاف سُنے تو فوراً ان کی خدمت میں پہنچا اور بیعت و تلقین سے مشرف ہوا۔ بعض اوقات اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو چہرہ سرخ ہو جاتا اور کہتا کہ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کرتے ہو؟

ایک مرتبہ حضرت والد ماجد پُھلت میں تھے کہ مرزا علی خوافی گرمی شوق سے بغیر زادِ راہ اور سواری کے راستہ نہ جاننے کے باوجود ادھر دوڑ پڑا اور وہاں پہنچ کر عشقِ شورانگیز اور شوقِ بلاخیز کی تپش بُجھالی۔

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یارانِ طریقت سے تفصیلاً سنا کہ صوفی نامی سہارنپور کا ایک آدمی تھا' جو جوانی میں ایک صاحبِ کشف درویش سے فیض حاصل کرتا رہا اور وہ اسے کہتے تھے کہ تیری بیعت ایک ایسے شخص سے متعلق ہے' جو اس شکل وصُورت اور وضع قطع کے ہیں اور اس نام سے مشہور واعظ ہیں۔ وہ صوفی اس بزرگ کی انتظار میں بوڑھا ہو گیا اور مختلف قسم کے صوفیانہ اشغال اور ریاضتیں بھی کرتا رہا۔ آخر عمر میں محمد اسمٰعیل میرٹھی کے بتلانے پر حضرت والد کی خدمت میں پہنچا اور بیعت و تلقین سے مشرف ہوا۔ آغاز میں اپنے اشغال اور ریاضات خوب بیان کرتا تھا۔ حضرت والد نے فرمایا: آغاز اچھا ہے۔ ان شاء اللہ دروازے کھل جائیں گے۔ بالآخر وہ حضرتِ والد کی تربیت سے کامل ہو کر نکلا۔

بارانِ کرم منتظرِ دستِ دُعا ہے؟

فرمایا: ایک مرتبہ علاقے میں بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دُعا چاہی۔ میں نے دعا مانگی تو بوندا باندی شروع ہو گئی۔ میں نے کہا کہ موسلا دھار بارش کا نہ ہونا ہماری دیواروں کی کمزور لیپا پوتی کی وجہ سے ہے۔ گویا تدبیر خداوندی ہماری دیواروں کے گرانے سے احتراز کر رہی ہے۔ لوگ جلدی سے گارا بنا کر لائے اور ہماری دیواروں کی لپائی شروع کر دی' فوراً ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

قوتِ تاثیر کا کرشمہ

فرمایا کہ اکبر آباد میں میرزا ابوالعلیٰ کے پیروکاروں میں علی قلی نامی ایک شخص تھا' جو اپنی توجہ و تاثیر کی قوتوں کے سبب مشہور اور ان پر نازاں تھا۔ ایک دن شیخ عبداللہ محدث کو میں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر کھڑے ہیں' مگر بار نہیں پا رہے۔ میں نے چاہا کہ اسے اس غلط

فہمی پر متنبہ کروں تو میں نے اپنے اور علی قلی کے درمیان ایک بھاری پتھر رکھوا کر کہا کہ قوتِ تاثیر یہ ہے کہ اس پتھر کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ جب پیمائش کی گئی تو وہ پتھر علی قلی کے مقابلے میں چند انگل زیادہ میرے قریب نکلا۔

روشن ضمیری

فرمایا: شیخ ایوب مراد آبادی ہمیں دیکھنے کے لیے آئے۔ ان کی آمد کا اصل مقصد ہمارا امتحان تھا' اپنے ساتھیوں' سواریوں اور سامان کو دُور چھوڑ آئے اور خود اکیلے اجنبی وضع میں آئے۔ میں اس وقت تیراندازی کر رہا تھا۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی تیر و کمان رکھ دیئے اور کہا: خوب تشریف لائے۔ آیئے آیئے! خیر و عافیت ہے؟ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے: میں اس سے پہلے آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوا' کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: تمہارا نام ایوب ہے۔ اس نے کہا: حضرت والا نے کیسے معلوم کر لیا کہ میرا نام ایوب ہے؟ میں نے کہا کہ تمہاری صورت دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی۔ تب شیخ ایوب نے کہا کہ میں جان گیا ہوں بلاشبہ یہ آپ کی کرامت ہے' لیکن یہ تو بتایئے کہ جس کام کے لیے میں لشکر کے ساتھ جا رہا ہوں' اس میں کامیاب ہوں گا کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس کے بعد وہ لشکر میں چلے گئے اور جتنی بھی کوشش کی' کچھ فائدہ نہ ہوا۔

۔۔۔صَید نہ چھوڑا زمانے میں

فرمایا کہ محمد فاضل کے گھر کشتی کے لیے اکھاڑہ بنا ہوا تھا اور وہاں ایک پہلوان اس کے بیٹوں کو کُشتی لڑنا سکھاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بُلند قامت اور انتہائی طاقت ور پہلوان آیا اور خواہش ظاہر کی کہ تربیت دینے والے پہلوان سے کشتی کے دو ہاتھ کرے۔ یہ بات محمد فاضل کے لیے بھی عزت و ذلت کا مسئلہ تھی۔ بظاہر دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ اس لیے اس پر غالب آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کشتی شروع نہ کرنا۔ عین اس وقت کہ اکھاڑہ گرم ہوتا' ہم نے چپ سادھ لی اور پھر یک دم اجازت دے دی۔ اس طاقت ور پہلوان نے اسے جب دونوں ہاتھوں پر اُٹھالیا تو کمزور پہلوان نے اپنے دونوں پنجے زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیئے اور اپنے پاؤں طاقتور پہلوان کی گردن میں جکڑ لیے اور اپنے پاؤں کی طاقت سے اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر

تماشائیوں میں ایک شور بلند ہوا۔

سفر وحضر میں شیخ کی نگاہِ اُلفت

فرمایا: محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیشِ نظر خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بحفاظت واپس آجائے گا' ہاں! البتہ واپسی پر اجمیر سے دو منزل اِدھر ڈاکو قافلے پر حملہ کریں' مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ رہی۔ ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اس وقت اپنی بہلی الگ ایک طرف کھڑی کردے۔ جب وہ وقت آیا تو حضرت والد اُدھر متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا۔ حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے۔ جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے تھے' میں نے اپنی بہلی کو ایک طرف کردیا۔ وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے' ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لُوٹا' مگر میری بہلی محفوظ رہی۔

ہر کہ بادُردکشاں دَرافتاد برافتاد

فرمایا: ایک بااقتدار امیر نے محمد فاضل کی ہمسائیگی میں حویلی کے لیے قطعہ لیا۔ قطعہ کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ حویلی میں ٹیڑھ آتی تھی۔ اس نے محمد فاضل سے دُگنی تِگنی قیمت پر قدرے زمین مانگی' مگر وہ نہ مانا۔ بالآخران کے درمیان رنجش اور جھگڑا ہوگیا۔ اس امیر نے کہا: میں صبح جاکر بادشاہ سے کہوں گا کہ یہ زمین محمد فاضل کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا چھوڑوں گا کسی بھی صورت نہیں بلکہ لے لوں گا' چاہے ہزاروں روپے خرچ ہو جائیں۔ محمد فاضل رات کو میرے پاس آکر حد سے زیادہ گڑگڑایا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا اور کسی بھی صورت یہ جھگڑا پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ صبح سویرے جب وہ امیر گھر سے نکل کر دربارِ شاہی میں جانے لگا تو راستے میں اسے شاہی سواروں نے آلیا اور کہا کہ بادشاہ نے تمہارے لیے حکم دیا ہے کہ ابھی ابھی فلاں مہم کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ امیر نے کہا: میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے روبرو مل کر کچھ ضروری باتیں عرض کروں۔ کارندوں نے اس کی یہ بات نہ مانی اور فوراً ہی کوچ کرنے پر مجبور کرکے اسے زبردستی اسی وقت شہر سے باہر نکال دیا اور وہ امیر اسی مہم میں مرگیا' چنانچہ اسے محمد فاضل سے جھگڑا کرنے

کی فرصت ہی نہ ملی۔

از نہیب او بلرز د ماہ ومہر

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت والد کچھ عرصہ کے لیے سیر کو نکل گئے۔ اس فرصت میں آپ کی طویل صحبتوں اور کرامات کے مشاہدے کے باوجود محمد فاضل فاسقوں کی صحبت میں آ کر شراب کا رسیا ہو گیا۔ جب حضرت والا سیر و سیاحت سے واپس آئے اور یہ قصہ سنا تو سخت برافروختہ ہوئے۔ جلالِ ولایت کی تاثیر سے مجلس شراب سُونی پڑ گئی۔ جام و مینا توڑ دیئے گئے۔ صراحیاں اوندھی کر دی گئیں اور محمد فاضل پر کپکپی طاری ہو گئی اور دوبارہ دخت رز سے رشتہ توڑ کر پکی توبہ کر لی اور یوں ''اولئک قوم لا یشقٰی جلیسھم'' کا مفہوم و معنیٰ دلوں پر نقش ہو گیا۔

جس نے دیکھے نین متوارے ترے

فرمایا کہ شروع شروع میں جس پر بھی میں محبت کی نگاہ ڈالتا وہ میرا دیوانہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے میں کسی پر بھی نگاہِ التفات نہیں ڈالتا تھا اور اکیلا محمد فاضل کے بالاخانے پر رہتا تھا۔ ادھر اُدھر جاتے وقت اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن ہدایت اللہ بیگ رشتہ داری کی تقریب سے محمد فاضل کے گھر آیا۔ جب اس سے میرا سامنا ہوا تو وہ میرا دیوانہ ہو گیا اور مجھ سے بیعت کی خواہش کی۔ میں نے سُن رکھا تھا کہ اسے ایک بزرگ متوکل نقشبندی سے ربط و تعلق ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بات ایک ہے' فقراء ایک تن کی مثال ہیں۔ اس بزرگ کا حق مقدم ہے۔ اس لیے انہی سے بیعت کیجئے۔ اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس کی محبت حد سے بڑھ گئی۔ بالآخر میں نے اسے بیعت میں قبول کیا اور کہا کہ ان بزرگ سے بھی تعلق نہ توڑیئے گا' کچھ دنوں بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی تو غصہ ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی جوان ہو تمہیں حصولِ طریقت کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ بیعت و ارشاد۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے' اس کا انحصار بڑی عمر پر نہیں ہوتا۔ پھر کہلا بھیجا کہ میں تم سے اس زیادتی کا بدلہ لوں گا۔ میں نے کہا: ''لا یحیق المکر السئی الا باھلہ'' (یعنی چاہ کن را چاہ درپیش) جو کچھ چاہو کر کے دیکھ لو۔ اس کی اُفتاد تم پر ہی پڑے گی۔ اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے اپنا عمل شروع کر دیا' میں نے اپنی مدافعت کی۔ نوبت

یہاں تک پہنچی کہ اس بزرگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے سینے میں خنجر چبھو دیا گیا ہے اور موت سَر پر آ پہنچی ہے۔ آدھی رات کے وقت ہدایت اللہ بیگ کو بلوایا۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگی اور میرے حق میں نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری جان نہیں بچے گی' مگر انہیں چاہیے کہ میرا ایمان چھیننے کا قصد نہ کریں' میں نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم ایذا رسانی کا آغاز نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ بحمد اللہ تمہارے ایمان کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ وہ بے چارے اسی رات عالمِ قرار کو سدھار گئے۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

تقدیر شکن قوّت باقی ہے ابھی اس میں

فرمایا: بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے کسی بات پر ہدایت اللہ بیگ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا' وہ اس بات پر بہت غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر میرے پاس آیا۔ مالی پریشانیوں اور کثرتِ عیال کا رونا روتا رہا۔ اس کے گڑگڑانے اور گھگیانے سے میرا دل اتنا پسیجا کہ پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے پہل مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اس بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی اور اس بارے میں میری توجہ اس حد تک جا پہنچی کہ اگر یہ کام میرے حسب منشاء نہ ہوا تو میں صوفیانہ چولا اُتار پھینکوں گا اور دوبارہ صوفیانہ وضع قطع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ اسی عالم میں حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے میری دُعا قبول کر لی اور مجھے بتایا گیا کہ اسے معزول کرنے کا مضبوط اور پختہ انتظام کرنے کے باوجود ہم نے اسے اپنے منصب پر بحال کر دیا ہے۔ میں نے دعا کی: بارِ خدایا! یہ عہدہ تو اسے پہلے ہی ملا ہوا تھا۔ میری آہ وزاری کا ثمرہ آخر کیا ہے؟ میرے خیال میں ڈالا گیا کہ اچھا! یہ کچھ ہم نے اسے ترقی بھی دے دی ہے۔ صبح سویرے اسے میں نے خوشخبری سنائی۔ بادشاہ نے بغیر کسی ظاہری سبب کے اسے یاد کیا اور کہا کہ ہم نے تمہاری خطا معاف کر کے عہدہ بحال کر دیا اور اس قدر اضافہ وترقی بھی دے دی ہے۔ یہ سُن کر اس کے دشمنوں نے جتنی بھی کوشش کی' کامیاب نہ ہو سکے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے اس قسم کے واقعات بے شمار روایت کیے گئے ہیں اور اِن کے لیے تاویلات موجود ہیں اور اس پر ہم نے فیوض الحرمین میں

تفصیل سے لکھا ہے۔

حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

فرمایا: ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لیے کچھ اُونٹ خریدے۔ میں نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک ضرور مر جائے گا' لیکن مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ میں اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک اونٹ کو موت کے لیے منتخب کرلوں۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کمزور اور لاغر اونٹ کو متعین کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ اسے آخر تک محفوظ رکھا جائے۔ اس نے سارے اونٹ بیچ دیئے اور سب سے آخر میں اس اُونٹ کو بھی فروخت کر دیا' لیکن خریدار نے واپس لوٹا دیا اور پھر اسی کے ہاتھ مر گیا۔

حضرت والد ماجد بارہہ کے علاقے میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگ بیماروں کے قارورے لائے۔ آپ نے سب کے لیے فوراً نسخے تجویز کر دیئے۔ اس مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا۔ ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کیا: حضرت! اس کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں؟ آپ نے ہنس کر فرمایا: یہ ایک عورت کا قارورہ ہے' جس کا نام یہ ہے۔ ہاتھ ایسے ہیں' کردار یہ ہے اور اس کی بیماری کا سبب یہ ہے۔ آپ نے سبب ایسا بتلایا جسے بیان کرنے میں اس عورت کو شرم مانع تھی۔ گویا آپ کو اس عورت کا پورا کچا چٹھا معلوم تھا۔ اس ہندو نے یہ سب کچھ سُن کر عرض کی کہ حضرت! طب میں یہ مسئلہ کہاں ہے؟ فرمایا: یہ طب کی بات نہیں' یہ محمد مصطفےٰ ﷺ کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست

فرمایا کہ مجھے کشف میں دکھایا گیا کہ قصبہ پھلت کو آگ نے گھیر لیا ہے۔ میں نے اس وقت باطنی اندازے کے مطابق اپنے مخلصین کے گھروں کے اردگرد ایک لکیر کھینچ دی اور ان کو بشارت دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سارے گھر آگ سے محفوظ رہیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد قصبے کو آگ لگ گئی' بعض لوگوں کے گھر جل گئے۔ اہل اللہ کے بارے میں نفاق رکھنے والوں نے اس بات کو موضوعِ بحث بنا لیا۔ میں نے کہا: ذرا ذہن پر زور دے کر سوچئے کہ جلنے والے گھر میرے حصار میں داخل تھے یا اس سے باہر؟ جب انہوں نے سوچ

بچار کی تو وہ گھر میری بتائی ہوئی حد سے باہر نکلے اور جھک مارنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

تصرّفِ ولی

فرمایا: قصبہ پھلت کے معتقدین کے دشمنوں نے وہاں کے رئیسوں کو برانگیختہ کیا کہ اس جماعت (فقراء شاہ عبدالرحیم) کے قصبے میں فرمانِ شاہی سے کچھ زیادہ زمین آئی ہوئی ہے۔ چنانچہ رئیسوں نے کچھ لوگوں کو پیمائش کے لیے مقرر کر دیا۔ اس بات سے پھلت والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور مجھ سے التجا کی کہ جب ناپ کرنے والا بھی دشمن ہو تو ہماری تدبیر کیسے چل سکے گی؟ میں نے انہیں تسلّی دی اور پیمائش کے دن خود پہنچا۔ کچھ توجہ ڈالی اور ان سے کہا کہ اب پیمائش کرو۔ جس کھیت کی پیمائش کرتے وہ اصل حساب سے بھی کم بیٹھتا۔ پھلت والے پھر رونے لگے کہ اگر سبھی کھیت اصل پیمائش سے کم نکلے تو دشمن پٹواری پر شک کریں گے اور جھگڑے کی بنیاد ختم نہ ہوگی۔ چاہیے کہ کچھ کھیت کم نکلیں' کچھ برابر اور کچھ زائد تاکہ سب کھیت مل کر اجتماعی شکل میں برابر ہو جائیں۔ میں نے دوبارہ توجہ ڈالی۔ اگرچہ پٹواری نے مختلف حیلوں بہانوں سے کام لینا چاہا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اور پھلت والوں کے حسبِ منشاء کام ہو گیا۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق الخ

فرمایا کہ رستم اور اسد اللہ ظالم قسم کے رئیس تھے۔ جو قصبہ پھلت کے گردونواح کے لوگوں کو ہمیشہ تنگ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ پھلت والوں پر ایک لشکر چڑھا لائے۔ قصبے والے یہ دیکھ کر پریشان ہوئے اور مجھے اپنی بپتا سنائی۔ میں نے کہا: تمہیں فتح اور ان کے ٹولے کو شکستِ فاش ہوگی اور کچھ ہی دنوں میں پابہ زنجیر ہو کر اسی طرح مر جائیں گے۔ جب مقابلے کا دن آیا تو آیۂ کریمہ ''کم من فئةٍ قليلةٍ غلبت فئةً كثيرةً بِاذنِ اللّٰه'' کا نقشہ سامنے آ گیا۔ اس واقعہ سے چند دن بعد یہ لوگ ڈاکہ زنی' شرانگیزی اور دوسرے جرائم میں ملوث ہوئے اور ان کے کچھ قریب ترین دوستوں نے بادشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں ان کا کچا چٹھا پہنچا دیا۔ بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے۔ حاکم نے انہیں ہوشیاری سے قید کر کے لشکر کے ساتھ بھیج دیا اور قید ہی میں مر گئے۔

دل را بہ دل راہ

فرمایا: میں پھلت میں تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ صبح سویرے دہلی روانہ ہو جاؤں۔ اس وقت مجھے بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ میری بیعت کے لیے ایک بزرگ دُور سے آ رہا ہے۔ نمازِ عشاء کے بعد میں مسجد میں ٹھہر گیا اور میری یہ نشست طویل ہو گئی۔ لوگ تنگ ہونے لگے اور طعام ٹھنڈا ہو گیا۔ معارف آگاہ شیخ محمد نے کہا کہ اب آرام کرنا چاہیے۔ اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے کہا: جب تک وہ نہیں آئے گا میں تو یہیں بیٹھا رہوں گا۔ جب آدھی رات گزری تو گھوڑے کے ٹاپ کی آواز آئی۔ میں نے کہا: اب وہ شخص پہنچ گیا ہے۔ اس نے آتے ہی بیعت کر لی اور کہا کہ دن کے پچھلے پہر آنے کا ارادہ تھا، مگر انتظام نہ ہو سکا۔ جب رات ہونے لگی تو یہ آرزو لے کر جلدی سے چل پڑا کہ اے کاش! حضرت والا کو مسجد میں بیٹھا پاؤں۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرتِ والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سُنا ہے کہ سید غلام محی الدین اور ان کے والد بیجاپور کی مہم میں بیمار ہو گئے اور وہ اس سخت مرض میں کافی عرصہ مبتلا رہے۔ اسی اثناء میں ایک رات حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے فرمایا: اپنے شیخ سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ جب بیدار ہوئے تو حضرت والا کے لیے کچھ نیاز مانی اور دل سے التجا کی۔ تین دن کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرتِ والد ماجد تشریف لائے ہیں اور ان کے قریب بیٹھ کر تندرستی کی بشارت دے رہے ہیں اور فرمایا کہ آج سے ساتویں دن قلعہ بیجاپور مورچہ غازی الدین خاں کی سمت سے فتح ہو جائے گا۔ اگر لشکر خاں جس کے ساتھ تم شریک ہو غازی الدین خاں کے ساتھ رفاقت کرے تو اس فتح کا سہرا اسی کے سر رہے گا اور اس کی پلٹن کے لیے سرمایۂ افتخار ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے غلام محی الدین کو سفید چادر پہنائی اور چلے گئے۔ صبح سویرے اس کے والد وفات پا گئے اور وہ تندرست ہو گیا۔ لشکر خاں کو صورتِ حال سے مطلع کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ غازی الدین خاں کے ساتھ شامل ہو گیا اور اسی دن فتح ہو گئی، جس سے اسے کافی مالی فائدہ پہنچا۔

حضرت والد نے بیماری، تندرستی، وفات، فتح اور غازی الدین خاں کے لشکر کی رفاقت یہ سب کچھ دوستوں کے سامنے یہاں بیان کر دیا تھا، کچھ عرصے بعد ان کا خط پہنچا۔ اس سے

معلوم ہوا کہ آپ کی باتیں پوری ہو کے رہیں۔

امدادِ اولیاء

فرمایا کہ اسد علی کا اپنے بعض ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ ان سب نے مل کر اسے ہلاک کرنے کی ٹھان لی' یہ میرے پاس آ کر بہت گڑگڑایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جاؤ مضبوط رہو اور کسی سے مت ڈرو۔ چنانچہ اس کے دشمن کئی ہزار مددگاروں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے حالانکہ اس کے ساتھ صرف بیس ساتھی تھے۔ بالآخر لڑائی کے دوران میری شکل دیکھی کہ ثابت قدمی کا حکم کر رہا ہوں' چنانچہ اس نے بندوق داغ دی' جو دشمن کے گھوڑے کو جا لگی' وہ تو وہیں ڈھیر ہو گیا اور دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گئے۔

کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں؟

فرمایا: محمد قلی اورنگ زیب کے لشکر کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس کے جانے پر کافی مدت گزر گئی اور اس کی طرف سے خیریت کی کوئی خبر نہ پہنچی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا اور مجھ سے التجا کی۔ میں نے پوری قوت سے توجہ کی' جنگی لشکر کا خیمہ خیمہ چھان مارا' مگر کہیں نہ پایا۔ مُردوں میں ڈھونڈا تو بھی نہ دیکھا' شاہی لشکر کے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیماری سے صحت یاب ہو کر غسل کیا ہے اور گیروے رنگ کے کپڑے پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کی تیاریوں میں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس کے بھائی کو بتا دیا۔ چنانچہ دو تین ماہ بعد وہ آیا اور میری تمام باتوں کی تصدیق کر دی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والد کو دکھایا۔ آپ نے اسے تنہائی میں بُلایا۔ اس وقت یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے' مگر اس کی عمر تھوڑی ہے۔ اس کی ایک بدزبان اور بدعادت بیوی تھی' جس سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ عرض کی: کیا ہی اچھا ہو کہ اس عورت کی زندگی گھوڑے کو مل جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا: ایسا ہی ہو جائے گا۔ تین مہینے نہ گزرے تھے کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑے کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔

مالِ زکوٰۃ

فرمایا کہ ایک بار ایک شخص میرے سامنے کچھ روپے لایا کہ یہ آپ کی نذر ہیں، وہ روپے دیکھ کر میں نے کہا کہ مجھے اس میں ایک خاص قسم کی ظلمت نظر آتی ہے، شاید یہ مالِ زکوٰۃ ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

چاہ کن را چاہ درپیش

فرمایا: اکبر آباد میں میرے والد ماجد ایک حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کم وبیش ایک ہفتہ برسات ہوتی رہی۔ مریض ہونے کی وجہ سے آپ میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں تھی۔ اسی لمحے مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ حویلی گرے گی اور اس میں رہنے والوں کا کافی نقصان ہوگا۔ اسی وقت باہر نکل کر میں نے بہت جستجو کی، مگر کہیں بھی کرائے کا مکان نہ مل سکا۔ چونکہ بادشاہ کا لشکر اُترا تھا۔ ہر جگہ حویلیاں بھر چکی تھیں۔ کافی تلاش کے بعد ایک غیر آباد خالی قطعہ مل گیا۔ شہر والوں سے اس کے مالک کا پتہ اور اس کی ویرانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگے: یہ ایک ہندو کی ملکیت ہے اور یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے، جو بھی یہاں ٹھہرتا ہے یہ جادوگر اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ میں نے کہا: کوئی بات نہیں اور تھوڑے سے کرائے پر وہ لے لیا۔ گھاس پھونس لا کر اسی حالت میں ایک چھپر کھڑا کر دیا اور اپنا بوریا بستر وہاں لے آیا۔ اسی دن ہماری متروکہ حویلی میں کوئی دوسرا شخص آ بیٹھا۔ اصطبل کی چھت گری اور سارے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ بعد میں وہ جوگی ظاہر ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ یہاں زندہ جوگی دفن ہیں۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، بلکہ جوگیوں کے دفن ہونے کی جگہ پوچھی تو اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا: ہم یہاں بیت الخلاء بنائیں گے۔ یہ سن کر وہ چلا گیا اور مجھ پر جادو کرنے لگا، جس کا سارا نقصان اسی پر پلٹتا۔ چنانچہ ایک دن والد ماجد کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ تمہارا بیٹا مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔ آپ نے مجھے سمجھایا۔ میں نے کہا: پہلے آپ اس سے یہ تو پوچھئے کہ میں نے اسے کس قسم کی تکلیف دی ہے، گالیاں دی ہیں یا مارا ہے؟ پھر اپنے ہاتھ سے مارا یا کسی کو کہہ کر مروایا؟ والد ماجد نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ایسی کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائی بلکہ ہمارے بیر (یعنی جن) سے ہمیں مروا رہا ہے۔

تسخیرِ جنّات

فرمایا: نواحِ دولت آباد کے ایک سید اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک دن رفع حاجت کے لیے ایک پرانی عمارت میں گئے۔ وہاں پریوں کو مثالی شکل میں دیکھا۔ ان میں سے ایک پری ان پر لٹو ہو کر انہیں چمٹ گئی۔ تھوڑے وقفے کے بعد وہ مثالی شکل میں ان کے سامنے آتی اور وہ حد سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے۔ اس کو ہٹانے کے لیے جتنی کوشش کی' کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میری طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں بھی وہ پری روزانہ ان کے پاس آتی رہی۔ جب وہ فرید آباد پہنچے تو پری نے حاضر ہو کر ان سے رخصت چاہی کہ اب میرے لیے تم سے ملنے کا امکان نہیں رہا۔ جب میرے پاس پہنچے' دن بدن تندرست ہوتے چلے گئے اور انہیں بغیر کسی علاج اور تعویذ کے وہ عارضہ بالکل چھوڑ گیا۔

فرمایا: ایک شخص کو جن تکلیف پہنچایا کرتا تھا' اس کے گھر والوں نے مجھ سے رجوع کیا۔ میں نے کہا: اسے میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہہ رہا ہے: یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ انہوں نے پیغام پہنچایا مگر وہ پھر بھی نہ ٹلا۔ میں نے کہا: تم لوگوں نے میرا نام اس انداز اور تفصیل سے اسے نہیں بتایا ہو گا جس سے وہ دوسرے ناموں سے ممتاز ہو سکے۔ دوبارہ جاؤ اور اس انداز سے میرا نام لے کر اسے پیغام دو' چنانچہ وہ گئے اور اسی طریق سے میرا نام لیا' پھر اس جن نے اسے کبھی تکلیف نہ پہنچائی۔ فرمایا: محلے والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کر دیا۔ میں رات کے وقت بیت الخلاء گیا تو مجھے ایک جوگی کی شکل نظر آئی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے جوتا دے مارا تو وہ دھواں بن کر اُڑ گیا۔

آتشیں آدمی اور برکتِ قرآن

فرمایا: لوگوں نے مجھ پر دوبارہ جادو کیا تو میں نے عالمِ مثال میں دیکھا کہ ایک شخص آگ کی مثالی صورت لیے ہوئے آگ کے گھوڑے پر سوار آتشیں نیزہ ہاتھ میں لیے مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ میں نے بید اُٹھایا اور اس پر قرآنِ مجید کی چند سورتیں دَم کر کے اسے مارا۔ وہ آتشیں آدمی' اس کا نیزہ اور گھوڑا میری پھونک کے اثر سے مُردہ ہو کر گر پڑے اور گرتے وقت وہ کہنے لگا کہ میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا۔ صبح سویرے میں یہ واقعہ مخدومی شیخ

ابوالرضا کی خدمت میں عرض کر رہا تھا کہ اس وقت میرے سامنے ایک بلّی کا بچہ آیا۔ میں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اپنی جگہ سے کودا' اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرمایا: ان لوگوں نے پھر ایک مرتبہ جادو کیا' میں بیمار ہو گیا' جس قدر علاج کیا' کچھ افاقہ نہ ہوا' بزرگوں میں سے ایک کو خواب میں دیکھا (کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے گمان میں یہ خواجہ قطب الدین تھے) کہ فرما رہے ہیں' تجھ پر جادو کیا گیا ہے' فلاں فلاں آیت پڑھو۔

ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام

فرمایا: ایک مرتبہ ان لوگوں نے مجھے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر قاضی کی عدالت میں پیش کرا دیا' جب میں عدالت میں حاضر ہوا تو گواہوں کے منہ کالے اور زبانیں سُرخ ہو گئیں۔ جسے سب نے دیکھا' قاضی نے چاہا کہ اس بات کی تشہیر کرے' مگر میں نے کہہ دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسی پر اکتفاء کرو۔

مشائخ کی رُوحانی امداد

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یارانِ طریقت سے تفصیل کے ساتھ سنا ہے کہ جن دنوں اورنگ زیب حسن ابدال کی طرف روانہ ہوا اور پٹھانوں نے بغاوت کر دی تو پوری کوششوں کے باوجود کامیابی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ بعض مخلصوں نے حضرت والد ماجد سے اس بارے میں دُعا طلب کی' جب متوجہ ہوئے تو فرمایا: ایک معمّر بزرگ کی شکل سامنے آ کر دُعا سے منع کر رہی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار حضرت آدم بنوری رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کمر باندھ رکھی تھی۔

جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی اور اس کی اولاد آپس میں لڑنے لگی تو بعض احباب نے پوچھا کہ کون کامیاب ہو گا؟ تو فرمایا: اعظم کی طرف تو سات بندوقیں اٹھی ہوئیں دیکھ رہا ہوں کیسے بچ جائے گا؟ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

جامِ جہاں نما است ضمیرِ مُنیرِ دوست

جب معزّ الدین تخت پر متمکن ہوا اور فرّخ سیر نے پورب کی طرف سے اس پر چڑھائی کر دی تو وہ بہت پریشان ہوا اور درویشوں کی خدمت میں جا جا کر دعائے فتح مندی کی

درخواست کرنے لگا۔ کسی نے حضرت والا سے عرض کیا کہ وہ آپ کی خدمت میں بھی آنا چاہتا ہے۔ فرمایا: اس کا یہاں آنا مناسب نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ وہ سچی بات سے ناخوش ہوگا اور اگر جھوٹ بولوں تو مکر و جھوٹ فقراء کا کام نہیں۔

جب فرّخ سیر اور عبداللہ خاں باہم لڑنے لگے تو حضرت والد کی خدمت میں ان کی لڑائی کا کچھ حال بیان کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے عالمِ مثال میں دیکھا ہے کہ گویا فرخ سیر کے تخت کو لوگ اُلٹ دینا چاہتے ہیں اور میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اسے میری وجہ سے معاف کر دو کیونکہ ابھی ابھی پچھلے دنوں تو خونریزی ہو چکی ہے' بہر حال حضرت والد کی وفات سے پچاس دن بعد فرّخ سیر قید ہو گیا۔

نازِ ولایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھو لئے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لیے کہہ دیا۔ اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا' حد سے زیادہ گڑگڑا کر دُعا مانگی۔ فرشتے نے آ کر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی' اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصّہ

حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا۔ بعض خاص یارانِ طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بُلند مقامات کو پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدومی شیخ محمد نے ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگا کہ یہ بچہ اُن کی لختِ جگر سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات پکی ہوگئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔ حضرت والد نے ان کی باتیں سُنیں اور فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد تک زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ فقیر (ولی اللہ) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات

حضرت والد ماجد نمازِ تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں۔ نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں۔ اسی اثناء میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے۔ حضرت والد نے فرمایا: یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں' جو پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نمازِ تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اُٹھائے۔ وھذا تاویل رؤیایَ مِن قبلُ قد جَعلَھا ربِّی حَقا.

قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت

نیز یہ فقیر ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدھی روٹی خیرات دی۔ وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بُلا کر باقی آدھ بھی دے دی اور فرمایا کہ بچہ جو پیٹ میں ہے' کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں ساری روٹی دینی چاہیے۔ ایک دن جب کہ یہ فقیر ابھی بہت کمسن تھا۔ حضرت والد نے اہل اللہ کے نام سے کسی کو دوبارہ آواز دی۔ ایک آدمی نے پوچھا: حضرت والد کسے بُلا رہے ہیں؟ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: اہل اللہ اس کا بھائی ہے' جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس کا نام خود بخود میری زبان پر جاری ہو گیا۔ حضرت والد مجلس اور تنہائی میں اکثر اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر لطف و مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم و معارف تیرے سینے میں ڈال دوں۔ جوش میں آ کر آپ بار بار یہ بات فرماتے۔ بالآخر آپ کی ان باتوں کا اثر ظاہر ہوا اور نہ فقیر نے حصولِ علم میں کچھ اتنی زیادہ محنت نہیں کی۔

انسانی فعل و عمل کی اہمیت

یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بچپن میں ہم عمر رشتے دار بچوں کے ساتھ باغ میں سیر و تفریح کے لیے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں! آج کے دن تم نے کون سی ایسی چیز حاصل کی ہے' جو تیرے لیے سرمایہ اور توشہ بنے؟ ابھی ابھی ہم نے اس مختصر وقت میں اتنی مرتبہ درود پاک پڑھ لیا ہے۔ محض یہ بات سنتے ہی فقیر کے دل سے باغات کی سَیر کا شوق جاتا رہا اور پھر ایسا خیال کبھی نہ آیا۔

مردِ مؤمن کی موت

حضرت والد ماجد کو شوال میں ایک ایسے مرض سے سابقہ پڑا کہ زندگی سے آس توڑ بیٹھے۔ انہی دنوں میں اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو خلوت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے دل کو ہمہ وقت حضرت والا کی طرف متوجہ رکھوں اور یہ بھی فرمایا کہ یہ قید تین مہینے کے لیے ہے۔ اس وقت مجھے تین مہینوں کی تخصیص کا نکتہ سمجھ میں نہ آیا۔ جب شفاء یاب ہوئے اور غسلِ صحت فرمایا اور تین ماہ بعد مرض پھر لوٹ آیا اور بارہ صَفر کو وفات پائی تو اس وقت یہ نکتہ سمجھ میں آیا۔

حضرت والا آخر میں جب صاحبِ فراموش ہوئے تو اس فقیر کو فرمایا کہ قلم دوات لاؤ' میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص نکاتِ معرفت تحریر کر دوں' میں نے دو چار مرتبہ قلم دوات پیش کی' مگر آپ میں لکھنے اور اِملا کرانے کی طاقت نہ رہی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہو۔ تحریر کے دوران اکثر حالات میرے دل میں ایسے پختہ ہو جاتے گویا یہ تمام واقعات میرے سامنے ہوئے ہیں اور انہی دنوں چند مرتبہ خواب میں دیکھا' گویا میں اپنی تحریریں حضرت والد کو سُنا رہا ہوں اور وہ پورے ذوق کے ساتھ سُن رہے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سارے مسوّدات مکمل طور پر محفوظ ہو گئے۔ میرا غالب گمان ہے کہ آپ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے' اس میں سے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی' جو حیطۂ تحریر میں نہ آ گئی ہو۔

جن کی نظر چڑھا تر ارخسارِ آتشیں

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن صلاح آثار محمد عاشق اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی دوستی و محبت میرے لیے مسرت و شادمانی کا سبب ہے' اس بات کی حقیقت بعد میں کھلی' جب محمد عاشق فقیر کے ساتھ ربطِ بیعت پیدا کر کے نفع مند ہوا اور اُمید ہے کہ ہماری یہ دوستی بہت سے فوائد کا باعث بنے گی۔ جو شخص بھی حضرت والا کی صحبت میں خلوصِ نیت سے آتا تھا' اس میں عجیب اثرات نمودار ہوتے تھے۔

محمد قلی سپاہیانہ روایتی بے توجہی کے باوجود حضرت کی باتیں بیان کرتے وقت اس قدر

مغلوب ہو جاتا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور جب کبھی زیادہ مغلوب الحال ہو جاتا تو اس کا اثر سواری کے جانور گھوڑے پر بھی پڑتا۔ چنانچہ گھوڑا گر پڑتا اور اس کی زین ادھر اُدھر بکھر جاتی۔

زملک تا ملکوتش حجاب بردارند

محمد فاضل کی دختر شریفہ خاتون کم سنی کے باوجود حضرت والا کی نورانیت کا عکس قبول کر چکی تھی۔ بہت سے اُمور اس پر بھی منکشف ہو جاتے تھے۔ ایک رات حضرتِ والد محمد فاضل کے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں آپ کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی۔ شریفہ نے کہا: میں دیکھ رہی ہوں کہ تسبیح فلاں جگہ گری ہے۔ شمع لے جا کر دیکھا تو تسبیح وہیں پڑی تھی۔

اپنے گھر میں ایک دن شریفہ کہنے لگی کہ حضرتِ والا ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں اور فلاں طعام کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ طعام تیار کیا گیا اور حضرت والا سے دریافت کیا گیا تو آپ نے شریفہ کی باتوں کی تصدیق فرمائی۔

ایک دفعہ شریفہ اپنے گھر میں تھی۔ حضرتِ والا بھی وہیں تھے' کہنے لگی: فتح محمد ہمارے گھر کا ارادہ کر رہا ہے۔ پھر کہا: اب راستہ میں کھڑا کسی سے بات کر رہا ہے۔ وہ خود دھوپ میں اور دوسرا آدمی سائے میں کھڑا ہے۔ پھر کہنے لگی: اب اس نے تین نارنگیاں خریدی ہیں' دو اپنے دونوں بیٹوں کے لیے اور ایک حضرت والا کے لیے' پھر کہا: اب اس کی نیت بدل چکی ہے۔ دو حضرت والا کے لیے اور ایک دونوں بیٹوں کے لیے نامزد کر دی ہیں۔ پھر کہنے لگی: اب وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ فتح محمد کے پہنچنے پر شریفہ کی ساری باتوں کی تصدیق ہوگئی۔

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شریفہ سے عجیب و غریب قصے سُن رکھے ہیں۔ کہنے لگی: ایک دفعہ میں نے حضرت والا سے گزارش کی کہ میں آپ کا دل دیکھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا: میرے سامنے بیٹھ کر میری طرف توجہ کرو۔ جب میں متوجہ ہوئی تو میں اپنے آپ سے بے خبر ہوگئی۔ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ گویا حضرت والا کے حلق میں چلی گئی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت والا کا دل ایک آئینے کی مثل ہے' جو طول میں ایک ہاتھ اور عرض میں بالشت ہے۔ اس آئینے میں اسم ذات ایسے رنگ سے ظاہر ہوا' جو چراغ کے شعلوں کا عکس آئینے پر پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ روحانی اُمور سے شغف کی وجہ سے میں اس شعلے کو منہ میں لے کر

نکل گئی۔ اسی وقت حضرتِ والا بے قرار ہو گئے۔ غش پڑ گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب تو نے میرے لطیفۂ دل کو اپنے حلق کے اندر لیا تو میں کمزور ہو گیا۔

مقام صبر

شیخ فقیر اللہ نے بتایا کہ حضرتِ والا کی والدہ جب فوت ہوئیں تو آپ نے بے حد غمگینی کے باوجود اظہارِ غم اور رونے دھونے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ اسی دوران ایک رات سوئے ہوئے تھے اور میں ان کے پاؤں داب رہا تھا۔ اس وقت میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک ایسا نور دیکھا جسے محسوس کیا جا سکتا تھا' جو ظاہر ہوا اور حضرت کے جسم کا احاطہ کر لیا۔ خاص طور پر ان کے سینے' چہرے اور منہ کو گھیر لیا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا' فرمایا: یہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خلیفہ فتح محمد حضرتِ والا کے قدیمی دوستوں میں سے تھے۔ جب آپ کسی کتاب سے کوئی مسئلہ نکالنا چاہتے اور مقام و صفحہ معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھما دیتے۔ معمولی غور کے بعد وہ کتاب کھولتے تو مطلوبہ جگہ ایک صفحہ آگے یا پیچھے نکل آتی تھی۔

مَردانِ راہِ خدا کا جمالِ باطنی

محمد غوث پھلتی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا حجرے میں اکیلے سو رہے تھے کہ میں ان کی زیارت کے لیے آیا۔ بعض عقیدت مندوں نے مجھے روکا کہ آپ آرام میں ہیں۔ حُجرے میں مت جاؤ۔ میں دروازے پر ٹھہر گیا۔ اسی اثناء میں حجرے سے رونے کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ میں گھبرا کر بغیر اجازت حُجرے میں چلا گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی بعض مغیبات مجھ پر منکشف ہوئیں مثلاً یہ کہ فرہاد خاں حسین پوری حضرت والا کی زیارت کو آ رہا ہے۔ جب حضرتِ والا کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھا دیئے اور میں پاؤں دابنے میں مشغول ہو گیا۔ اسی حالت میں میرے دل میں خیال آیا کہ کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی ایک باطنی شکل و صورت ہوتی ہے' جو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رہتی ہے۔ وہ باطنی جمال کیسا ہو گا؟ جب آنکھ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرتِ والا کے مبارک چہرہ سے ایک حجاب آہستہ آہستہ اُٹھ رہا ہے۔ گویا بادل کا ٹکڑا چاند سے جُدا ہو رہا ہے' جب ٹھوڑی تک

پَردہ اٹھ گیا تو ایسی شعاعیں چمکیں کہ میں قریب قریب بے ہوش ہو گیا۔ تب حضرتِ والا اُٹھے اور وُضو فرمایا۔ میں بھی آگے جا بیٹھا تا کہ یہ قصہ عرض کروں' اشارے سے فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' کچھ دیر بعد فرہاد خاں نے بھی آ کر شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔

تاثیرِ شرابِ وَحدت

حضرت والد ماجد جب بھی چاہتے تھے اور جس میں بھی چاہتے ایسی تاثیر پیدا کر دیتے کہ اسے اپنی سُدھ بدھ نہیں رہتی تھی اور ایسے قصے اعداد و شمار سے زیادہ ہیں۔ بعض اوقات تو آپ کی توجہ سے جماعتوں کی جماعتیں بے ہوش ہو گئیں اور بعض اوقات آپ کی توجہ سے لوگوں پر اس قدر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی کہ ان کے انتقال کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔

آخر عمر میں آپ نے اس قسم کی توجہ سے ہاتھ روک لیا تھا اور اسے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دن قصبۂ پرتاب پور میں مستورات نے جمع ہو کر اس قسم کی تاثیر چاہی۔ آپ نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی والدہ کو ان مستورات پر توجہ کا حکم دیا اور یہ حکم دیتے وقت ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ اس دن والدہ نے جس کو بھی چاہا' عالمِ بے خودی میں پہنچا دیا' کم و بیش بیس عورتوں پر والدہ نے توجہ ڈالی۔ واللہ اعلم

دلوں کے بھید بتانے اور نادیدہ اُمور منکشف کرنے کے سلسلے میں' حضرت والد ماجد کے اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں۔ ان کے معتقدین اور مخلصین میں کوئی بھی ایسا نہیں' جو اسی قبیل کی پانچ چھ کرامات اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان نہ کرتا ہو۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کی غرض حضرت والا کے سلسلے میں صرف اپنی سُنی ہوئی روایات محفوظ کرنا ہے۔ ورنہ ع

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے واسطے

حضرت والد ماجد کے ملفوظات

صُوفیاء اور روئیتِ باری

فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار مشاہیر میں سے ایک بزرگ کی زیارت کو گیا تو وہ کہنے لگے: عرصے سے دو باتوں کی اُلجھن میرے دل میں پائی جاتی ہے اور اطمینان حاصل نہیں ہو رہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو علماء کہتے ہیں کہ اس دنیا میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے، حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کو بچشمِ ظاہر دیکھتے ہیں۔ علماء کے قول کے مطابق کھلی حقیقت کا انکار نہیں کرنا چاہیے اور متقدمین صوفیاء بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں، جیسا کہ کہتے ہیں: ؎

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

''آنکھوں سے تو یہی فائدہ ہے کہ محبوب کو دیکھیں اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر بینائی سے کیا حاصل؟''

میں نے کہا: اس شعر کے کہنے والے نے نہ جانے جمالِ حقیقی مراد لیا ہے یا مجازی۔ پہلی صورت میں تاویل کا دروازہ کھلا ہے، البتہ یہ جو بچشمِ ظاہر آپ نے اپنے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت اور بصر کے اِشتباہ کی وجہ سے ہے۔ آپ اپنی آنکھیں بیچ لیں۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں تو میں نے کہا: کیا اب بھی بند کرنے کی کیفیت کا ادراک باقی ہے۔ کہنے لگے: ہاں! باقی ہے۔ میں نے کہا: یہی تو اشتباہ کی علامت ہے۔

اس بزرگ نے کہا: دوسری اُلجھن یہ ہے کہ یہ جو نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی ہی صحبت میں بے خودی اور اپنے آپ سے کھو جانے کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یہ بات سچ ہے یا نہیں اور آپ نے ایسی کیفیت اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! یہ حقیقت ہے اور ایسی بہت سی باتیں میں نے دیکھی ہیں، مگر ایسی تاثیرات تو مجھ سے بھی کثرت سے وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ کہنے لگے: تم نے سچ کہا ہے، مگر

میری تسلّی نہیں ہوتی۔ میں نے اِسی وقت ان کے عزیزوں میں سے ایک پر جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا' نگاہ اُٹھا کر توجہ ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ پریشان ہوئے کہ اس پر مرگی یا غشی کا دَورہ پڑ گیا ہے۔ میں نے کہا: کچھ بھی نہیں۔ میری تاثیر کے سبب بے خود ہوا ہے۔ جب وہ آدمی ہوش میں آیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ کس وجہ سے بے ہوش تھے؟ کہنے لگا: میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ محض اِن حضرت کی توجہ سے ان میں سے ایک نُور نکل کر مجھ میں جذب ہو گیا اور میرا ہوش جاتا رہا۔ یہ سُن کر وہ بزرگ کہنے لگے کہ عین الیقین تو حاصل ہوا ہے' مگر ابھی حق الیقین نہیں ہوا۔ میں نے کہا: چونکہ آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ ہر سلسلۂ طریقت میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی یہ تاثیر بغیر ارتباط آپ کو سمجھانا قرینِ مصلحت نہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے اندر میں شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کے ایک بزرگ خلیفے کی روحانی مجلس سے محظوظ ہوا' جو اس دُنیا میں ظاہری آنکھوں سے حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی رؤیت کے قائل تھے۔ میں نے ایک موقع پر رویتِ باری سے متعلق انہیں اپنے نظریئے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ جہت اور مکان کی قید سے منزّہ اور ماورا ہے تو پھر ہر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور دیکھنے والے کی آنکھ کے ڈیلے کے درمیان ہرگز روک اور حجاب نہیں بن سکتیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ آنکھیں جھپکنے کے باوجود بقائے مشاہدہ ہر لحظہ قائم رہتا ہے اور بصر و بصیرت میں کوئی فرق و امتیاز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے کہا: حقیقتِ رؤیت (کھلی آنکھوں سے دیکھنا) عامی مفہوم یا عرفِ عام میں ایک کامل واشگاف اور کھلی حقیقت کے دیکھنے کو کہتے ہیں' جو آنکھ مچولی اور چکاچوند میں نہیں' بلکہ ہمیشہ آنکھیں کھولنے کے بعد کے نظارے کو کہا جاتا ہے۔ ملاّ جلال نے رویتِ معاویہ کی بحث میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ انکشاف جو آنکھیں بند کرنے کے دوران اور کھولنے کے بعد یکساں محسوس ہو' اسے رؤیت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

حصولِ رزق میں نیّت کے ثمرات

فرمایا کہ میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کیا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو بھی اپنے

بندوں کے وسیلے سے روزی پہنچاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ہی کی طرح کسی حیلے بہانے سے دیتا ہے۔ ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ رزّاقِ حقیقی خداوند تعالیٰ ہے' لیکن آپ کے اور عام لوگوں کے درمیان کیا فرق رہا؟ میں نے کہا کہ تم حصولِ رزق کے لیے مخلوق کی طرف توجہ رکھتے ہو' لالچ میں ان کے آگے بچھے جاتے ہو' مگر ہم رازقِ حقیقی کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ اسی سے طلب کرتے اور جو کچھ آتا ہے اسی کی عطا سمجھتے ہیں۔ کہنے لگا: ابھی فرق واضح نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تصرّف سے کام لیا یا بغیر کسی تصرّف کے خداوند تعالیٰ نے یہ لطیفہ ظاہر فرمایا کہ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ رقم مجھے نذرانہ پیش کرے۔ اس کی خواہش لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی' یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا۔ ادھر میں نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ کافی دیر دُھوپ میں کھڑا ہو کر گڑگڑاتا اور عاجزی کرتا رہا اور کہنے لگا کہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ نذرانہ قبول کرنے میں میری بھلائی اور ٹھکرا دینے میں میری بدبختی ہے۔ میں نے نذرانے کی قبولیت کے لیے کچھ مشکل شرائط پیش کیں تو وہ بھی اس نے ہنسی خوشی پوری کیں۔ اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ یہ نذرانہ میری چوکھٹ پر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے ایک بھکارن گزر رہی تھی۔ میں نے اشارہ کیا کہ یہ اُٹھا لو۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اب کچھ معلوم ہوا کہ امیروں سے تیرے حاصل کرنے اور میرے لینے میں کیا فرق ہے؟ کہنے لگا: ہاں! اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔

رازِ درونِ پردہ زرندانِ مَست پُرس

فرمایا: شہر کے علماء و مشائخ کے اجتماع میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جو خواجہ حافظ نے فرمایا ہے ؎

امروز چوں جمالِ تو بے پَردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

"اے محبوبِ ازل! تیرا جلوۂ حسن تو آج بھی ہم پر بے نقاب ہے۔ میں حیران ہوں کہ پھر یہ وعدۂ فردا آخر کس لیے ہے؟"

اور عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس دنیا میں حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار ممتنع ہے۔ ان دونوں باتوں میں کیسے مطابقت پیدا کی جا سکے گی؟ اس مسئلے نے مناظرے کی صورت اختیار

کرلی اور بات کافی بڑھ گئی۔ آخر سب نے تھک ہار کر مجھ سے رجوع کیا۔ فریقین کو خاموش کرا کے میں نے کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ محتجب ہے اور محجوب نہیں، یعنی خودساختہ حجاب کی آڑ میں ہے۔ کسی کے ڈالے ہوئے حجاب میں مستور نہیں۔ خواجہ حافظ نے تقاضائے شوق کے تحت فرمایا کہ جب حق سُبحانہٗ وتعالیٰ قیدِ حجاب میں نہیں اور ہماری نہ دیکھ سکنے والی کمزوری کے علاوہ اور کوئی چیز مانع بھی نہیں اور ان موانعات کا اُٹھانا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس دنیا میں جمالِ جہاں آراء سے کیوں محروم رکھا جا رہا ہے۔ میری اس تشریح کو دونوں نے بغیر کسی تردّد کے قبول کرلیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ مناظرہ اس بات پر تھا کہ صوفیاء کے نزدیک حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے بے پردہ ہونے سے مراد ایسا انکشاف ہے، جس سے اوپر کوئی انکشاف نہیں اور اولیاء اللہ کو اس دنیا میں انہی معنوں میں رؤیتِ باری حاصل ہوتی ہے۔ البتہ عوام کے لیے ایسا دیدار آخرت پر موقوف ہے۔ علماء اس معنیٰ سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رؤیت کے لیے کھلی آنکھوں دیکھنا ضروری ہے۔

تاجِ شاہی فقر کے قدموں پر

حضرت والد ماجد کا ایک مخلص، بادشاہ اورنگ زیب کے مقربین میں سے تھا۔ ایک دن بادشاہ نے مراقبہ کیا اور وہ پنکھا جھلنے لگا۔ اس پر بھی شغل غالب آیا اور وہ بے خود ہوگیا۔ پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریب تھا کہ بادشاہ کو تکلیف پہنچتی، پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبے سے چونکا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بادشاہ کو اپنے بے خود ہونے اور حضرت والا سے اپنی نسبت کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ بادشاہ کے دل میں حضرت والا سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرتِ والا کو میرے پاس لاؤ۔ اس نے کہا: وہ بادشاہوں اور دولت مندوں کے ہاں جانا مناسب نہیں سمجھتے۔ بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پیر کو بُلوایا اور اس کے ہاتھ شوقِ زیارت اور خواہشِ ملاقات کے بارے میں کہلا بھیجا۔ آپ نے یہ بات قبول نہ کی۔ شیخ پیر کا اصرار بھی بے سود نکلا۔ جب وہ مایوس ہوئے تو کہا کہ کم از کم ایک خط ہی لکھ دیجئے تا کہ آپ کا نہ جانا میری کوتاہی پر محمول نہ کیا جائے۔ وہاں پر کاغذ کے ایک پھٹے پُرانے ٹکڑے میں جوتے لپٹے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ کاغذ لے لیا اور اس پر لکھا کہ اس

بات پر اہل اللہ کا اجماع ہے کہ "بئس الفقیر علی باب الامیر" (امراء کے دروازوں پر فقراء کا جانا بدتر ہے) اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: "وما متاع الحیوۃ الدنیا الا قلیل" (دنیا کی زندگی ناپائیدار کا سارا ساز وسامان کچھ بھی تو نہیں)۔ اس قلیل میں سے بہت ہی تھوڑا سا حصہ آپ کو ملا ہے۔ اگر بفرض محال آپ مجھے کچھ دینا بھی چاہیں تو وہ جز لا یتجزیٰ ہی ہو سکتا ہے (ایسا ذرّہ جسے آگے تقسیم نہ کیا جا سکے)۔ اس معمولی مقدار کے لیے میں اپنا نام خدائے برتر کے دفتر سے آخر کیوں کر کٹا دوں۔ مشائخِ چشت کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ جو شخص بادشاہ کے دفتر میں اپنا نام لکھا دے، حق تعالیٰ کے دفتر سے اُس کا نام کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس خط کی روایت معناً ہے۔ الفاظ محفوظ نہیں رہے۔ بہر حال یہ کچھ لکھ کر آپ نے بھجوا دیا۔ اس روایت کے ناقل نے بیان کیا کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا۔ جب نیا لباس زیب تن کرتا تو اس کی جیب میں رکھ لیتا، یہاں تک کہ سات دفعہ نئے لباس تبدیل کرنے تک یہ خط محفوظ رہا، فرصت کے اوقات میں اسے مطالعہ کر کے روتا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ آخری دنوں میں بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان نے طلب دُعا اور عجز و انکساری سے بھرپور عریضہ لکھ کر زیارت کی خواہش کی اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی زیارت کے قصد سے تشریف لائیں اور اس بہانے سے ہماری ملاقات بھی ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ "ان اللّٰہ لا ینظرُ الی صور کم واعمالکم وانما ینظر الی قلوبکم ونیاتکم" میں آپ کی چکنی چپڑی باتوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔

مقبولانِ بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں

شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے ایک دن مجمع میں کہا کہ اس طبقے کے درویش پُرانے گھسے پٹے نکات کے سوا معارفِ جدیدہ کے تازہ بتازہ نکاتِ عرفان سے نابلد ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا: ایسا نہیں، بلکہ اس طبقے کے بعض لوگ تو خاص طور پر ایسے جدید معارف کا سرمایہ رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نظر نہیں آتے، وہ کہنے لگے: اگر ایسا ہے تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سُنا دیجئے تا کہ آپ کی اس بات کی حقیقت ہم پر بھی واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: "کلموا الناس علی قدر عقولھم"

حد مقرر ہو چکی ہے' اس لیے عام مجلس میں ایسے رُموز ظاہر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اس مجلس میں اکثریت اہلِ سلوک کی ہے۔ آپ نے فرمایا: معرفت کے بعض باریک نکتوں کے سلسلے میں بہت سے اہل اللہ بھی عوام کا سا حکم رکھتے ہیں۔ اس پر بھی جب وہ نہ مانے تو حضرت والا نے فرمایا: شیخ بسطامی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''نهاية الصديقين بداية الانبياء'' (کمالِ صدیقیت آغازِ نبوت ہوتا ہے) اور اکثر اہلِ استقامت اسی راہ پر گامزن ہیں مگر عرفان کچھ اور تقاضا کرتا ہے۔ جب حضرتِ والا نے بات یہاں تک پہنچائی تو شیخ نقشبند کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس ہونے لگے۔ حضرت والا نے اس خیال سے کہ شاید شیخ نقشبند اس دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں کہ ''الولاية افضل من النبوة'' (ولایت نبوت پر فوقیت رکھتی ہے) فرمانے لگے کہ میرے نزدیک نہایت ''الصديقين ولاية الانبياء'' والا مقام ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے' جسے نبی کے سوا کوئی طے نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد جو کچھ وہ بیان کر چکے تھے' اسے اس اُسلوب سے دوبارہ بیان فرمایا کہ باقی اہلِ مجلس نے بھی سمجھ کر قبول کیا اور شیخ نقشبند بھی انتہائی مسرور اور محظوظ ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بسطامی رحمہ اللہ والی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے' مگر آپ کا یہ نکتۂ معرفت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیم کا مسلک

واضح ہو کہ حضرت والد ماجد اکثر مسائل میں حنفی مذہب کے مطابق عمل کرتے تھے' مگر جہاں حنفی مسلک کے مقابلے میں حدیث رسول ﷺ یا وجدان کے تحت دوسرے مسالک قابلِ ترجیح نظر آتے تو انہیں قبول کر لیتے' جیسا کہ آپ امام کے پیچھے[1] اور جنازے میں سورۂ

[1] مختلف احادیث سے قرأت اور ترکِ قرأت کے طرزِ عمل ثابت ہوتے ہیں۔ دونوں حضرات نے احادیث کو مدارِ استدلال بنایا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک ایک حدیث اس لیے مدارِ استدلال ہے کہ وہ صحت کے اعتبار سے قوی تر ہے۔ دوسروں کے نزدیک وہ اس لیے استدلال کے قابل نہیں کہ اس کے معانی متعین کر کے قرآن کے ساتھ تطبیق دی جا سکتی ہو۔ اس لیے وہ ترکِ قرأت کو ترجیح دیتے ہیں کہ بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ امام مالک کا مسلک دونوں کے درمیان تطبیق ہے۔ بعض حضرات کم فہمی کی بناء پر اسلامی عبادات کی اس وُسعت اور اجازت کو خواہ مخواہ اختلاف کا نام دے کر مذموم پروپیگنڈہ کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نظام کے ایک پہلو کی وُسعت اور ہمہ گیری کی زندہ مثال ہے۔

فاتحہ پڑھتے تھے۔ ایک دن اس بارے میں شیخ عبدالاحد نے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت بادشاہ کی بارگاہ میں اپنی ضرورت بیان کرنے کے لیے کھڑی ہو تو تقاضائے ادب یہ ہے کہ سب مل کر اپنا کوئی ایک نمائندہ آگے کریں' نہ یہ کہ ہر شخص بولنے لگ جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ نماز سے حقیقی غرض تو دُعا اور خضوع اور خشوع کے ذریعے اصلاحِ نفس اور خدائے قدوس سے شرفِ ہمکلامی حاصل کرنا ہے جیسا کہ ''لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام الکتاب'' والی حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ تو ایسا سمیع ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑا ہو جائے اور ہر شخص اپنی اپنی بولی میں کچھ کہے تو کسی ایک کی مناجات اللہ تعالیٰ کو دوسرے کی مناجات سُننے میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ بحث کے دوران ہم اس بات پر آ گئے کہ بعض اوقات مقتدیوں کی قرأت امام کی قرأت میں خلل پیدا کر سکتی ہے' لیکن اس زمانے کا حال تو یہ ہے کہ امام کی زبان پر لفظِ الحمد ہوتا ہے اور حقیقت میں صلوٰۃ کے معنیٰ کی طرف اسے کچھ توجہ نہیں ہوتی۔ اس لیے امام کی تشویش سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) اس ضمن میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ''و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون'' (الاعراف:۲۰۴) (جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سُنو اور چپ رہو تاکہ تم پر خدا کی رحمت ہو)۔ محض جہری نمازوں پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تاویلات تفسیروں میں موجود ہیں۔

دائمی حُضوری

ایک دن اولیاء اللہ کی دائمی حضوری پر بات چل نکلی۔ شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دائمی حضوری یعنی تعلق مع اللہ کی تعریف یہ ہے کہ ولی جس آن بھی حضوری حق کے لیے اپنے آپ میں توجہ کرے تو بغیر کسی کوشش کے دل میں حضورِ حق کی یادداشتیں آنا شروع ہو جائیں۔ حضرتِ والا نے فرمایا: یہ تو معمولی کوشش سے میسّر آ سکتی ہے۔ میرے نزدیک دوامِ حضور کی تعریف یہ ہے کہ وہ ولی سے ان معنوں میں کبھی منقطع نہ ہو' جیسے بصیر (دیکھنے والے) سے بصارت (نظر) کسی لمحے جُدا نہیں ہو سکتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دائمی حضور ایسے آدمی کے لیے جو بھی مقامِ

فنا سے نہیں گزرا' ایک قسم کا تکلف ہے اور اس شخص کو جو فانی فی اللہ ہو' اپنے زندۂ جاوید نقطہ وجودیہ کی طرف جو کہ حقیقت عالم وجود ہے' ذرا سا التفات کرنے سے بھی حضورِ حق حاصل ہو جاتا ہے اور فانی کو مطلق حضورِ حق جو کہ ایک لحاظ سے نقطۂ وجودیہ بھی ہے یا التفاتِ اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے' جیسا کہ بصر میں بصارت موجود رہتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قوتِ بصریہ کا یکجا مجتمع و متحد ہونا اور پتلیوں کی گردش سے اس کا منتشر ہونا' آنکھ اِن دونوں اُمور کی جامع اور نقطۂ اتحاد ہے' گویا بصارت آنا فانا آتی بھی رہتی ہے اور جاتی بھی رہتی ہے۔ اس تحقیق سے دونوں مسئلوں کی حقیقت واضح ہوگئی ہے۔

فیوضِ باطنی کے باوجود ظاہری توسّل سنّتِ مشائخ ہے

شیخ عبدالاحد[1] ایک دن اپنے کچھ بزرگوں کے تصرّفات بیان کر رہے تھے۔ جس سے حاضرین نے سمجھا کہ اس قسم کے تصرّفات صرف انہی کے بزرگوں کا خاصہ تھے' حضرت والا نے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں کو اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کرو۔ انہوں نے حضرتِ والا کے جو تصرّفات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے' بیان کئے اور ''شُنیدہ کے بود مانندِ دیدہ'' کا سماں باندھ دیا۔ اس سے لوگوں کا شک مِٹ گیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ جن کا لقب زین العابدین تھا' حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے پوتوں اور خواجۂ کلاں بن خواجہ محمد باقی باللہ کے نواسوں میں سے تھے۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد دہلی میں آگئے تو وہاں ایک مدت تک حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کے مزارِ فائض الانوار پر بیٹھ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ ایک دن ان کے دل میں آیا کہ یہ نسبتِ اویسیہ جو حضرت خواجہ کی روحِ مبارک سے حاصل ہو رہی ہے' جب تک ظاہری استفادے کی شکل اختیار نہیں کرے گی' مضبوط نہیں ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے استخارہ کیا کہ وہ ظاہری طور پر کس بزرگ سے اپنا ربط پیدا کریں؟ حضرت خواجہ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اگر ہماری نسبتِ خاص کے طالب ہو تو حضرت والا (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) کی صحبت میں جاؤ اور ان سے استفادہ کرو۔ شیخ

---

[1] شیخ عبدالاحد المعروف شاہ گل متخلص وحدت حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے اور صاحب علم بزرگ تھے۔

زادے فوراً حضرتِ والا کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی خدمت ہی میں ان پر حضرت خواجہ کا لُطف و کرم ظہور پذیر ہوا اور عجیب و غریب فیوض جلوہ گر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ان حالات و کیفیات کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا ہے' جو یہ ہے:

مکتوب شیخ فقیر اللہ

حقیر ترینِ خلق زین العابدین' فیاضِ زمان' قبلہ مہربان کی خدمت میں سلام و تحیۃ عرض کرتا ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ آپ کی صحبتِ سرمایۂ سعادت کا اشتیاق اس قدر ہے کہ قلم سرخ زبان اسے بیان نہیں کر سکتی۔ دیوانگی اور بے تابی سے اکثر دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کچھ بھی ہو' وہاں جا کر آستاں بوسی کا شرف حاصل کروں' مگر کیا کیجئے کہ جسمانی کمزوریاں اور زادِ راہ میسّر نہ ہونے ایسی بشری کمزوریاں' منزلِ مقصود کے لیے سدِّ راہ ہیں۔ آپ کے جمال مظہر کمال کی خاطر شب و روز دیوانگی میں خداوند قدوس سے سوال کرتا ہوں کہ جلد اور خیر و خوبی سے میسّر آئے۔ ''انہٗ قریب مجیب'' خدا کا شکر و احسان ہے کہ باوجود اس ظاہری دُوری کے یہ ناکارہ آں موصوف کے فیوض و برکات سے لبریز ہے اور اپنے شب و روز دلی اطمینان کے ساتھ گزار رہا ہے۔ مصیبتیں اور سختیاں' جتنی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں' اسی قدر ترقی کی راہیں' کثرت کے ساتھ کھلتی ہیں۔ محبوب کی ایذاء رسانی جو اپنے اندر کچھ مصلحتیں اور مقاصد رکھتی ہے' اہل محبت کی نظر میں خوب اور پسندیدہ ہے بلکہ انہیں تو نعمتوں سے بھی زیادہ لذت اسی میں ملتی ہے:

ہجرے کہ بود مرادِ محبوب   از وصلِ ہزار بار خوشتر

''عاشق کی دُوری جسے محبوب زیادہ تر پسند کرتے ہیں' حقیقت میں عشاق کے لیے وصلِ یار سے بھی ہزاروں مرتبہ اچھی ہے''

پہلے بھی یہ حقیقت فقیر پر روشن تھی' مگر آپ کی صحبت کثیر البرکت کی تاثیر سے یہ دولت بتمام و کمال حاصل ہوئی ہے اور اسی طرح دنیا اور اہلِ دُنیا کی بے اعتباری' گھٹیا پن اور ان دونوں سے بے رغبتی بھی ان دنوں زیادہ ہو چکی ہے۔ دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کو خوشی نہیں ملتی۔ فقیرانہ وضع' دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلقی اور فقر کی بدولت پیدا ہونے والی بے

سروسامانی خوب پسندیدہ و مستحسن نظر آتی ہے' جب کہ زوالِ دولت' اہلِ دولت کے لیے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ احقر کو بھی دُنیوی وضع قطع کے زوال کا احساس قیام دہلی کے دنوں قدرے باقی تھا' مگر آپ کی صحبتِ بابرکت سے فیوض و برکات کا جو اکتساب کرتا رہا' وہ تحریر میں نہیں لا سکتا۔ اِن دنوں آپ سے نسبتِ ربط نے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے۔ اکثر و بیشتر آپ کی شکلِ مبارک سامنے رہتی ہے' جسے دیکھ کر یہ ادنیٰ خادم' بے خود اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ آستان بوسی کا شوقِ دیوانگی اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین اور نہ بیداری میں آرام ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں' سخت گرمی اور بارش کے سبب گھر سے نکلنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ ایسے موسم میں احقر کا اس طرح آنا باعثِ ہلاکت ہو سکتا ہے اور دوسری ظاہری رُکاوٹیں بھی مانع ہیں۔ برسات گزرنے کے بعد اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو اُمید ہے کہ آستان بوسی کر کے اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوں گا۔ اگر آپ کی باطنی عنایات جو فوری طور پر پہنچ کر تسلّی کرا دیتی ہیں میسّر نہ ہوتیں تو قریب تھا کہ دردِ عشق کی شدت بے جان ڈھانچہ بنا کر رکھ دیتی' مگر چونکہ آپ کا فرمان تھا کہ ہم غائبانہ بھی تمہارے دل پر متوجہ رہیں گے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ غائبانہ توجہ سے تمہیں فیوض و برکات حاصل ہوں گی' اس فرمان سے ذرا دلی سکون حاصل ہے' مگر ساتھ ساتھ شرفِ صحبت کا ذوق و شوق بھی ہے۔ اُمید رکھتا ہوں کہ توجہ غائبانہ کی کرامت سے حصولِ پابوسی کا شرف بھی عنایت فرمائیں گے۔ ہفتے میں آپ نے توجہ کے لیے جو جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا' اس پر پیر کا دن بھی بڑھا دیجیے تاکہ آپ احقر کے حال پر ہفتے میں دو دن توجہ فرما سکیں اور رُوحانی ترقی حاصل ہوتی رہے۔ اُمید ہے کہ یہ التجا قبول فرمائیں گے۔ جمعرات کے دن نمازِ عصر کے بعد فرمانِ عالی کے مطابق آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں۔ اِن لمحات میں بعض اوقات تو عجیب و غریب کیفیات نمودار ہوتی ہیں۔ بالخصوص پندرہ صفر کو حسبِ دستور آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ تھا کہ جذبۂ روحانی کی نسبت شعاعوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی' قریب تھا کہ نسبتِ باطنی کے غلبے کی وجہ سے مدہوش اور بے خود ہو کر زمین پر گرتا کہ اسی دوران میں نمازِ مغرب کی اذان ہوئی اور شغلِ نماز کی وجہ سے یہ کیفیت قدرے ہلکی ہو گئی۔ اسی طرح اکثر اوقات توجہ باطنی کے دوران مغلوب النسبت ہو جاتا ہوں۔ پہلے کبھی کبھار یہ کیفیت ہوتی تھی۔ اب مستقل اور

متواتر ہوگئی ہے۔ طبیعت گوشہ نشینی کو پسند کرتی ہے۔ علمی مشاغل اور تلاشِ روزگار کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو' طبیعت اِن سے متنفّر ہو چکی ہے۔ دو سطریں پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ رخصت کرتے وقت آپ کی زبانِ گوہر افشاں سے نکلا تھا کہ تمہیں اصل نسبت حاصل ہو چکی ہے۔ مداومت اور پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظہور پذیر ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کا فرمان پورا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ دن بدن نسبت مضبوط ہو رہی ہے اور اس کے آثارِ خاصیت جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے لطف و کرم کا ثمرہ جانتا ہوں

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از تن صد زبانم چوں سوسن شکر لُطفش کے توانم

"میں وہ ناچیز مٹی ہوں کہ ابر نو بہار اپنے لُطف و کرم سے مجھ پر رحمت کا مینہ برسا رہا ہے۔ اس لیے میرے بدن سے اگر سو زبانیں بھی پُھوٹیں تو گلِ سوسن کی طرح اس کے لطف و کرم کا شکر ادا نہیں کر سکتیں"

میرے ساتھ نشست و برخاست رکھنے والے بعض احباب میری اس نسبت کی خیر اور کیفیت بتلا دیا کرتے ہیں اور بعض تو خود مغلوب الحال ہو کر اپنے اندر ایک عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں۔ برخوردار درویش احمد تو ان دنوں اس نسبت سے بھرپور ہے' مگر تمنا یہ ہے کہ اس بے خودی اور مغلوب الحالی کی کیفیت تمام یارانِ طریقت میں ظہور پذیر ہو۔ جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آ رہی' البتہ آپ کی عنایات سے اُمید رکھتا ہوں کہ فقیر کے حسبِ منشاء یہ بھی ہو جائے گا۔ علمِ باطنی کی ترقی کے سلسلے میں احقر اُمید رکھتا ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری اُمور اسی کے حصول پر موقوف ہیں۔ احقر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جمیع اُمورِ باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے۔

سالہا در طلبِ روئے نکو در بدرم روئے بنما و خلاصم کن ازیں در بدری

"مدتوں سے رُخِ انور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں' ذرا سی جھلک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی سے نجات دلا"

اُن پر اللہ کی سلامتی ہو جو سیدھی راہ چلتے ہیں۔

ایک اور خط میں حضرت والد ماجد کو لکھا کہ:

قبلہ گاہا! فیوض و برکات آپ کی زیرِ نگرانی مکمل کیے ہوئے چلّے میں حاصل ہوئیں۔ ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سما سکتی۔ مختصراً یہ کہ بہت سی ایسی فتوحاتِ باطنی ہیں، جن کا اہل نہیں تھا۔ آپ کی توجہ عالی کی برکت سے حاصل ہوئیں اور نفس کے پلید وسوسوں سے نجات پا کر نسبتِ روحانی کے مختلف مقامات پر فائز ہوا۔ ؎

گر برتنِ من زباں شود ہر مُو یک شکر تو از ہزار نتوانم گُفت

"میرے وجود کا ہر بال اگر زبان بن جائے تو تیرے ہزاروں احسانات میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہ کر سکوں"

دوسرے یہ کہ اب تک احقر آپ کے فرمان بموجب آغازِ قلب کے جوف سے نکلنے والے نُور کے مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق ہے۔ اس مشاہدہ و مطالعہ میں عجیب و غریب اُمور ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، جیسے بے خودی، حضوری، ربودگی اور بعض اُمور کونی کا کشف اور اس مطالعہ و مشاہدہ کی مشق کے لیے جن مریدین کو اجازت دی تھی، ان کے بقول انوار و تجلیات بھی اس مشاہدہ میں میسّر آتے رہتے ہیں۔ اگر حکم ہو تو یہ مطالعہ ہمیشہ جاری رکھا جائے یا پھر کوئی اور چیز مناسب حال ارشاد فرمائی جائے تا کہ اسے معمول بنالیا جائے۔ قبلہ گاہا! عجیب معاملہ ہے جب آپ کا اشتیاق غالب ہوتا ہے تو گویا آپ کی طرف سے ایک کھڑکی کھل جاتی ہے اور آں موصوف کے فیوضِ باطنی اور برکاتِ روحانی اس ادنیٰ خادمِ درگاہ پر موسلا دھار مینہ کی طرح برستی رہتی ہیں۔ جس قدر شوق تیز ہوتا ہے اسی قدر یہ برسات شدت اِختیار کرتی ہے۔ احقر کو یقینِ کامل ہے کہ میری تمام باطنی فتوحات آپ کی توجہ کی محتاج ہیں، جناب والا کی ایک توجہ سو سالہ عبادت اور چلّوں سے بہتر ہے۔ ؎

اگر از جانب معشوق نباشد کششے کوششِ عاشقِ بے چارہ بہ جائے نہ رسد

"اگر حصولِ وصل میں محبوب کی کشش اور عنایت شامل حال نہ ہو تو عاشق مسکین کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ پائے گا"

نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی تشریح

حضرت والد ماجد کے جوابی مکتوب میں مندرج تھا: کہ ذاتِ الٰہی میں گم ہونے اور

عرفان و آگہی میں پوری توجہ صرف کرنے سے قوتِ مشاہدہ اور حضوریِ حق میں دوامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر ہوتے ہیں اور کچھ متاثر نہیں ہوتے۔ میرے مشفق! جب یہ نسبت دوامی کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کمیّت کے لحاظ سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتی رہتی ہے اور تمام ہستی موہوم پسِ پردہ چلی جاتی ہے۔ طالب کو وجودِ حقیقی عطا ہوتا ہے اور عالمِ شہود میں وجودِ امکانی کے آثار کلی طور پر مِٹ جاتے ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سالک قربِ نوافل کے مقام سے گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے۔ نوعِ انسانی تو کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ محمد قلی نامی فقیر کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبۂ آگاہی کی نسبت سے متاثر ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رُک جاتا تھا' جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہو جاتا تھا تو گھوڑا زمین پر گر جاتا تھا' جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بھی بے خودی طاری ہو جاتی' بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی متاثر ہو کر دانے پانی سے تین تین دن تک مُنہ پھیر لیا ہے' بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لا کر مر بھی گئے۔ بزرگانِ طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں' مگر بعض اکابر سے آثار تصرف کا ظہور اس وقت ہوتا' جب وہ مأمور ہوتے تھے۔ بعض فقرا مغلوب النسبت ہو کر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض کاملین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے۔ یہ عجیب بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اُڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔ متوقع ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے سلسلے میں مجاہدات اور کوشش کریں گے تا کہ آپ کو اس میں دوام اور پختگی حاصل ہو اور آپ کے تمام احبابِ طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو۔

جوابی مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

سوموار کے دن بھی میری طرف متوجہ ہوا کرو' میرے مخدوم و مشفق! یہ خط لکھ کر جمعرات کے دن بعد نماز عصر آں عزیز کی طرف توجہ ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ آپ پر اس کے نیک اثرات کا ظہور ہو گا۔ نیز امید کرتا ہوں کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعے کو

سرِ دست موقوف رکھیں گے اور بہترین لحات توجہ کامل کے ساتھ ہمیشہ نسبتِ مذکورہ حاصل کرنے میں صرف کریں گے ؎

حرف کو کاغذی سیاہ کند　　　دل کہ تیرہ است کے چو ماہ کند

''جو حروف اچھے بھلے کاغذوں کو سیاہ کر دیتے ہیں' وہ تاریک دل کو کیوں کر روشن چاند کا ہم سر بنا سکیں گے''

حروف اور ان کے لچھوں کو دل میں مت لاؤ بلکہ جاگتے سوتے' حصولِ نسبت پر دھیان رکھو' حق تو یہ ہے کہ نیند میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے۔ مطالعۂ نسبت کے مقابلہ میں ذکرِ جہری کا وہی مقام ہے جو ذکر قلبی سے دور رکھنے میں وسوسے کو حاصل ہے۔ اس لیے اس نسبت کے حصول میں حضوری پیدا کرنے کے لیے ذکرِ ظاہری سے باز رہنا طریقت کے واجبات اور فرائض میں سے ہے' کیونکہ یہ نسبت یعنی نسبتِ آگاہی حقیقتِ ذکر کی حیثیت رکھتی ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو' وہاں الفاظ واقوال کے تخیل کا کیا دخل؟

میرے مشفق! یہ فقیر جب بھی پیشوائے عارفاں حضرت خواجہ خورد قدس سرہٗ کی خدمت میں جاتا تھا' یہی نصیحت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو درس و تدریس' غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعے سے دُور رکھو اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو' جو تمام برگزیدہ بندوں کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم درس و تدریس اور کتابوں کے اسیر رہے' اس نسبت کے عجیب وغریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہو سکے' مگر جونہی ان چیزوں سے ہاتھ اٹھایا' جو چاہا وہی پایا' اگر اپنے پیش رو بزرگوں کی توجہات اور تصرفات کے قصے لکھوں تو ان کے لیے دفتر چاہئیں۔

میرے مشفق! اس طریقے کے اکثر اکابر نسبت آگاہی اور مشاہدے کو اس لحاظ سے کہ مشاہدہ کرنے والے یا حق آگاہ کا وجود درمیان سے اٹھ جاتا ہے' تجلی ذاتی گمان کرتے ہیں' اے کاش! اے کاش کہ تجلی ذاتی ہم سے ابھی کوسوں دُور ہے' کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُولُ اِلٰى سُعَادِ وَ دُوْنَهَا　　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُتُوْفٌ

منزلِ عشقت مکانِ دیگر است　　　مردِ ایں رہرو نشانِ دیگر است

''تیرے عشق کی منزل کا مکان ہی اور ہے' راہِ عشق کے رہروؤں کی علامات ہی دوسری ہیں''

ہاں ہاں! نسبتِ آگاہی تجلی ذات کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوتِ محبت اور غلبۂ شوق کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین صرف وہی علم کر سکتا ہے جو سالک کو باریک اور نازک تر مقامات تک پہنچا سکے

معشوق چوں نقاب زرخ برنمیکشد ہر کس حکایتے بتصوُر چرا کند

''محبوب جب اپنے رُخ سے پردہ نہیں ہٹا رہا تو پھر ہر شخص اپنے دل میں خیالی تصویریں کیوں سجا رہا ہے''

بلند ہمت اربابِ سلوک نے اپنی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مبذول رکھی ہے کہ لطیفہ مدرکہ کو بجز ایک حقیقت کے جسے حق کہتے ہیں اور کچھ معلوم نہ ہو سکے' آپ کی دانش وبینش کا تقاضا ہے کہ اپنے لطیفہ مدرکہ کو بھی بجز علم حقیقتِ حق باقی تمام آلائشوں سے پاکیزہ' خالی' بیگانہ اور صاف وشفاف رکھنے کے لیے انتہائی اہتمام کریں تاکہ تمہیں استغراقِ کامل اور حضوریٔ دائمی حاصل ہو' جو تمام مقاماتِ سلوک کی انتہاء ہے۔ یہ آیۂ کریمہ ''وانّ الی ربک المنتھٰی'' (پارہ:۲۷' سورت: والنجم' آیت:۴۱) (اے سالک مسالکِ حقیقت! تیری انتہا وصال ربی ہے) اسی مقام کی طرف اشارہ کر رہی ہے تاکہ اس حالت عظیم اور سعادتِ دائمی کے وسیلے سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو سکے' جہاں ظاہر وباطن اور قلب و رُوح میں بجز حقیقت حق سبحانہٗ اور کچھ نظر نہیں آتا' نیز ''کل شیء ھالک الا وجھہ'' (پارہ:۲۰' سورت: العنکبوت' آیت:۸۷) کے رموز واسرار بھی سالک پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں۔ بحمد اللہ! کہ طریقۂ خواجگان قدس اللہ اسرارہم میں بعض برگزیدہ اور مقبول درویشوں کو یہ دولت آغازِ سلوک ہی میں بغیر کسی ظاہری وسیلے کے صدقِ اعتقاد اور خلوصِ نیّت کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے' بے شک جس نے پانا چاہا پالیا اور گرفتارِ شک بے نصیب رہا۔ والسلام۔

ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک بزرگ نے توفیقِ الٰہی سے دنیوی مشاغل سے

کنارہ کشی کر لی اور اپنی تمام تر توجہ حضرت پیغمبر ﷺ کی طرف متوجہ ہونے اور درود پڑھنے میں صرف کر دی' کچھ دنوں میں اس پر نسبتِ اویسی ظاہر ہوئی اور آں حضرت ﷺ سے فیض پانے لگا اور اپنے آپ کو کمونی کے لقب سے مشہور کر دیا۔ اس تعلق سے کہ کمون کے معنیٰ پردے کے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے طریق اویسی کے ذریعے اسرارِ خفی سے سارے پردے اٹھا دیئے تھے۔ فرمایا: مجھے بھی اس بزرگ سے ملاقات اور دوستی کا شرف تھا' ایک دن اُن سے سُنا کہ میں آں حضرت ﷺ کو خلاؤں میں' دھرتی پر' بیٹھنے اٹھنے' بولنے چالنے اور کھانے پینے الغرض ہر حالت میں دیکھتا ہوں اور آں حضرت ﷺ کی کوئی حالت مبارک بھی مجھ سے چھپی نہیں رہتی اور مجھ ناچیز پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ کرمِ خاص ہے۔ میں نے کہا: آپ کی انتہائی محبت کے سبب آنحضرت ﷺ کی صورتِ کریمہ آپ کی قوتِ متخیلہ میں رچ بس چکی ہے ورنہ آپ کو آں حضرت ﷺ کی رؤیت حقیقیہ نصیب نہیں۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگے: اس پر دلیل لائیے تاکہ مجھے تصدیق حاصل ہو۔ میں نے کہا کہ فلاں آیہ کا معنیٰ یا بدر و اُحد کا قصہ آنحضرت ﷺ سے استفسار کیجئے۔ اگر ایسا جواب ملے جو علماء کے نزدیک یقینی اور تحقیقی ہے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو رؤیت حقیقیہ حاصل ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو یا خلاف حقیقت ظاہر ہو تو پھر سمجھ لیجئے کہ آپ کے دماغ میں آں حضور ﷺ کی صورتِ خیالیہ بس رہی ہے' اس پر اس بزرگ نے کچھ آیات واحادیث پڑھیں اور بزعمِ خویش آنحضرت ﷺ سے بار بار پوچھا' مگر کچھ جواب نہ ملا۔ میں نے کہا: حقیقت واضح ہو گئی کہ فرطِ محبت کی وجہ سے آپ کے ذہن و خیال میں صورتِ خیالیہ کی کیفیت طاری رہتی ہے نہ کہ رؤیتِ حقیقیہ۔ حضرت والا کے ہم نشینوں میں ایک اور بزرگ پر یہی حالت طاری ہوئی تو آپ نے اسے بھی یہی کچھ فرمایا۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) اس مقام پر ایک تحقیق پیش کرتا ہے اور وہ یہ کہ کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو آں حضور ﷺ کی رُوحِ انور سے کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے عالم میں حالتِ خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بغیر دقتِ نظر کے کائنات کے ذرّے ذرّے میں صورتِ محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے اور اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رؤیت حقیقیہ کہا جائے گا اور عالمِ خواب میں اُنبیاء و صالحین کے مُبشّرات اور

صوفیاء کے اس حال میں کوئی فرق نہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ میں شخص مذکور کا آیات و احادیث کے معانی آں حضور ﷺ سے دریافت نہ کرسکنا کچھ وجوہات رکھتا ہے مثلاً یہ کہ اس بزرگ کی نسبت اس پایہ کی نہیں تھی کہ براہِ راست آنحضرت ﷺ سے علوم و اسرار کی گرہ کشائی کر سکے یا صاحبِ نسبت ابھی خام تھا' یا اس لیے کہ صاحب نسبت نے چند خاص اُمور میں آں حضرت ﷺ سے مناسبت پیدا کی نہ کہ یہ نسبت آں حضرت ﷺ کے مخفی علوم کے حصول کی نیت سے پیدا کی گئی۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کا گمان یہ ہے کہ مذکورہ بالا صاحبِ نسبت بزرگ کے ادعائے مناسبت کو حضرت والد ماجد نے آں حضور ﷺ کی رؤیت حقیقہ کی ناممکن الوقوع ہونے کے سبب نہیں' بلکہ کچھ اور وجوہات کی بنا پر مسترد فرمایا تھا۔ ضمناً یہ بات بھی ان وجوہات میں شامل ہوگئی۔ واللہ اعلم

پختگی نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟

حضرت والد ماجد اپنے ایک ہم عصر بزرگ کی ملاقات کو گئے' جو نسبتِ اویسیہ میں مشہور اور حدر درجہ خوش طبع تھے۔ طویل گفتگو کے بعد حضرتِ والا نے انہیں فرمایا کہ آں حضرت ﷺ کی رُوح شریف سے فیضان حاصل کرنا نسبت کے بغیر ناممکن ہے اور نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحبِ نسبت اور مرکز نسبت کے درمیان تمام احوال و اعمال میں موافقت ہو' یہ بجا کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے' لیکن اگر آپ فضول اور بے ہودہ کلام سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کو سیرت نبوی کا نمونہ بنائیں تو یقیناً آپ کی نسبت مضبوط تر ہو جائے گی اور درِ فیض بھی کُھل جائے گا' کس قدر بُری بات ہے کہ چند گھٹیا قسم کی رکاوٹیں آپ کو پاکیزہ مقاصد تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہیں۔ سُننے میں آیا ہے کہ حضرت والا کے یہ کلمات اُن کے دل میں پیوست ہو گئے اور فضول گوئی سے قدرے رُک گئے۔

نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیم کا جواب

فرمایا کہ شیخ میر کُھی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جو نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ ہمارا آغاز منتھیوں کا انجام ہے' حالانکہ میں خواجہ نقشبند کی باتوں سے بیزار ہوں' ہاں ہاں! اسی بہاء الدین کی باتوں سے جس کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بایزید کا انتہائی قدم بھی ان کے اوّلین قدم کو نہیں چھو سکتا اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جو شخص پچاس یا ساٹھ سال تک مجاہدے کرتا رہا ہو' وہ

مبتدی امروز کے برابر کیسے ہو جائے گا؟ میں نے کہا: تم لوگ یعنی سلسلۂ شطاریہ کے پیروکار منازلِ سلوک کیسے طے کرتے ہو؟ کہنے لگا: پہلے اسم ذات دوضربی' پھر چار ضربی اور پھر اسی طریق سے شغلِ طریق نفی واثبات کرتے ہیں۔ میں نے کہا: اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: شغلِ امہات اور اسمائے ملتفہ کا ورد کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: پھر؟ کہنے لگے: شغل کو بکو۔ پوچھا: اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: شغل بے مثال۔ میں نے پوچھا: پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: اس کے بعد ہائے ہویت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا: نقشبندی سب سے پہلے ہائے ہویت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبند رحمہ اللہ کے کلام کا یہی تو مطلب ہے نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال وآثار آغازِ سلوک ہی میں اُن پر طاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت والد ماجد کے خاص معتقدین میں سے شیخ امان اللہ نے ایک سوال کیا کہ جب کوئی سالک کسی طریقہ صوفیاء کے اشغال واوراد پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کر لے تو کسی دُوسرے طریقے میں داخل ہو کر اس کے اعمال واشغال میں منہمک ہونا اس کے لیے مفید ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات اس کے لیے بہتر ہے تو اسے اس سے کیا فائدہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک طریقے میں کمال حاصل کرنے کے بعد دُوسرے طریقے سے کسب فیض کرنا مستحسن ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اسے اس طریقے کی نسبت حاصل ہو گی اور ہر طریقے کی نسبت اور اس کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔

مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص

واضح ہو کہ آپ کی زبانِ مبارک سے بار ہا خلوت میں سُنا گیا کہ مجھے جو نسبت حضرت غوث الاعظم سے ملی ہے' وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے اور جو نسبت مجھے خواجۂ نقشبند سے ملی ہے' وہ غالب تر اور حد درجہ مؤثر ہے۔ جمعیت قلب اور قبول عام اس میں بدرجۂ اتم موجود ہے اور جو نسبت خواجہ معین الدین سے پائی ہے' وہ عشق کے قریب' تاثیر اسماء اور صفائے دل کی مظہر ہے۔ کاتب[1] الحروف (شاہ ولی اللہ) کو آپ کے الفاظ تو یاد نہیں رہے' مگر مطلب تقریباً یہی تھا۔ واللہ اعلم

نیز آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر وبیشتر مترشح ہوتا تھا کہ کسی ایک طریقے کے بزرگ کو دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو خاص طور پر اس انداز سے کہ کسی

ایک کی تنقیص مقصود ہو‘ آپ ناپسند فرماتے تھے۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے صلوٰۃِ موسم کے متعلق صوفیاء اور محدثین کے اختلاف پر سوال کیا تو فرمایا: کلام صوفیاء سے قطع نظر یہ مطلق نوافل میں داخل ہے‘ پھر کیوں نہ اسے نفل ہی کی نیت سے ادا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا راتوں کو عبادت سے زندہ رکھا کرتے تھے اور نوافل میں تعدادِ رکعات کی بجائے نشاطِ رُوح اور حضورِ قلب کا زیادہ خیال فرماتے تھے۔

بعض طالبانِ سلوک کی تربیت کے پیشِ نظر فرمایا کہ عدم اور غیبت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں ہمارے زمانے کے اربابِ سلوک نے جن باتوں کو قابل اعتماد سمجھا ہے‘ وہ حقیقت کے خلاف ہے بلکہ ان کی مزعومہ غیبت کی حقیت یہ ہے کہ جب ان نام نہاد سالکین کے دماغوں پر تبخیر معدہ کے اثرات چڑھتے ہیں تو نیند کی سی ایک کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کا آغاز حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے ہی کیوں نہ ہو‘ باقی رہا ان کا عدم تو بسیار خوری کی وجہ سے جب ان پر نسیان اور بے خودی کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے سبب انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوتِ یادداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے وجود کی کوئی سُدھ بُدھ نہیں رہی۔

مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ ان دنوں میرے دل میں ذکر جاری ہو چکا ہے‘ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اگر واقعی ذکر جاری ہے تو مبارک ہو‘ بعد میں اس فقیر سے فرمایا کہ لوگوں پر خفقان کا دورہ پڑتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لطیفۂ قلب جاری ہو گیا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہر انسان کے دل بلکہ تمام اعضاء میں ایک متحرک نبض موجود ہوتی ہے اور اس کے حرکت میں آنے یا نہ آنے سے کمال انسانی میں کچھ فرق نہیں پڑتا‘ ہاں! البتہ اگر اس حرکت کو کوئی شخص اسمِ ذات خیال کرے اور یہ تخیل اس پر غالب آ جائے تو یہ فائدہ ہو گا کہ اسم ذات اس کے دل پر نقش ہو کر رہ جائے گا‘ ایسی حالت میں لائق اعتبارِ تخیلی ہے نہ کہ حرکت۔ واللہ اعلم

ترقی مدارج کی حقیقت

فرمایا کہ موت کے بعد ترقی درجات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے‘ مگر اس سلسلے میں یہ

بات کھٹکتی ہے کہ جب اس عالم میں ایک عام آدمی بھی دس گنا یا سو گنا ترقی حاصل کرتے کرتے ہزاروں علماء و مشائخ کے مقامات طے کر کے انبیاء و اولیاء کا ہم سر بن سکے گا تو کچھ مدت بعد ان اولوالعزم ہستیوں اور اس عامی میں کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ یہ خیال آتے ہی کشفی طور پر جواب ملا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی' کیونکہ اس عالم کا ہر مقام اپنے اندر اتنے پہلو' شاخیں' مراتب اور درجات رکھتا ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں' اسی مقام کے مختلف زینے' مراتب اور درجات طے کرنے کو یہ سمجھنا خلافِ حقیقت ہے کہ وہ ایک مقام سے دُوسرے مقام پر ترقی کر رہا ہے بلکہ اس کا یہ روحانی سفر اپنے ہی مقام کے آخری حدود تک جاری رہ سکے گا۔

اس سلسلے میں کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک موت کے بعد ترقی مدارج اس لیے نصیب ہوتی ہے کہ مادی وجود کے تمام اجزاء گھل کر ختم ہو جاتے ہیں اور ملکوتی قوتیں پوری طرح ظہور پذیر ہو جاتی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک خاص استعداد دے کر پیدا کیا ہے' جیسے فرمایا: "**وما منّا الا لهٗ مقام معلوم**" (الصّٰفّٰت:۱۶۴) (ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک مقام معلوم مقرر نہ کیا گیا ہو) لہٰذا مرنے کے بعد جب انسان کے اندر چھپی ہوئی بہیمی قوتیں اور مادی وجود کے فانی اجزاء منتشر ہو جانے سے صفائے رُوح اور رونقِ نوری پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پا لیتا ہے' جسے مقام معلوم کہا گیا ہے۔

سلطان العارفین کے قول کی تشریح

فرمایا: جب میں زرق برق لباس پہنتا اور پان چباتا تو اپنے آپ میں ایک ترقی محسوس کرتا' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے آپ کی طہارت و پاکیزگی اور نفاستِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت والد ماجد' سلطان العارفین کے اس قول کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہ "**توبة الناس عن ذنوبهم وتوبتی عن قول لا اله الا اللّٰه**" فرماتے تھے کہ **لا اله الا اللّٰه** میں نفی و اثبات کا جھگڑا ہے جب **کل شیءٍ هالک الا وجهه** کا جلوہ نظر آیا' تو پھر نفی کس کی کریں؟ باوجود اس کے کہ خواص نفی کو حقیقتِ غیر ثابتہ سمجھتے ہیں مگر کبھی کبھی جب غیر اللہ کی جانب سے اطمینان و التفات اور خوف و خطر کی کیفیات دل میں کھٹکتی ہیں تو انہیں مٹانے کے

لیے نفی و اثبات کا شغل اختیار کرنا پڑتا ہے۔

لہو ولعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے

فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں میرے ہم سبق[1] لڑکے شطرنج کا سامان اور ایک کتاب لائے، مگر مطالعہ کے باوجود وہ کچھ نہ سمجھ سکے، مجھے دی تو میں نے کہا کہ میں تو مہروں کے نام اور اُن کی چالوں سے بھی بے خبر ہوں، مجھے انہوں نے اس بارے میں کچھ باتیں بتلائیں، پھر میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں کھیل سے متعلق لمبی چوڑی باتیں درج تھیں، مگر عبارت میں کچھ غلطیاں اور تبدیلیاں تھیں، میں نے اُن کی اصلاح کر دی اور پھر ہر روز اس کتاب کا ایک آدھ سبق اپنے ہم درسوں کو سمجھاتا، جس سے وہ بہت خوش ہوتے اور اسی انداز سے شطرنج کھیلتے، انہی دنوں میں بیمار ہو گیا، دلی سکون جاتا رہا اور سخت پریشان ہوا، جب چھپر کے "کانوں" پر نظر پڑتی تو مجھے شطرنج کے مُہرے اور دوستوں کا کھیل یاد آ جاتا۔ حضرت حافظ سے بہت التجا کی کہ اس مصیبت سے نجات پاؤں تو فرمایا کہ تم ہر حال میں حضرت خاتمیت علیہ من الصلوٰۃ اتمہا ومن التسلیمات ایمنہا سے تربیت لینے کے عادی رہے ہو، اس لیے کثرت سے درود پاک پڑھو اور اسی بارگاہ میں التجا کرو، میں نے کثرت سے درود پڑھا اور بارگاہِ نبوت سے التجا کی تو کافی تکلیف کے بعد اس مصیبت سے جان چھوٹی اور شطرنج کے مُہروں کے نام اور کھیل کے طریقے میرے دل سے محو ہو گئے، اس پر اللہ کا شکر ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا عجیب نکتہ

فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ حقیقت میں ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے، وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ والدین تو معمولی سی دل جوئی سے بھی انتہائی مسرور ہو جاتے ہیں اور اولاد کے معمولی احسان کو بھی انتہائی پدرانہ شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

---

[1] اصل نسخے میں عبارت اس طرح ہے: "درابتدائے حال ہم درشان ما کتابے درحیل شطرنج آوردند" جس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا ہم نے "ہمدرسان ما" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔

س۔م۔ف۔ق

کیفیت وحالت کی حفاظت کا طریقہ

فرمایا: جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کو حالت اور کیفیت عنایت فرمائے تو اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ صاحبِ کیفیت وحالت اپنے آپ کو کسی دُوسری چیز میں مشغول نہ کرے اور اسے جس جگہ پر یہ کیفیت حاصل ہوئی ہے وہیں ٹِکا رہے اور اگر ممکن ہو تو جس ہیئت میں بیٹھا ہے اس میں بھی تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سخن سے یہ کیفیت طاری ہوئی ہے بجز اس کے اور کوئی بات زبان پر نہ لائے جیسا کہ حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

ایں جا فنونِ شیخ نیرز د بہ نیم جو   دل رابدست آر ہمیں مشرب است بس

''اس دنیا میں مشائخ کے ہنر کچھ وقعت نہیں رکھتے' کسی دل کو راضی کر و بس یہی مشربِ صوفیاء ہے''

خودساختہ مشائخ کی عیاریاں

فرمایا: بعض خودساختہ مشائخ کی زبانوں سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں' جن پر فراستِ کشفی وعقلی کا احتمال ہوسکتا ہے اور کچھ چیزوں سے بے رغبتی دکھلا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ چیزیں انہوں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاطر چھوڑ رکھی ہیں' حالانکہ وہ چیزیں ان کی ضروریاتِ زندگی سے زائد ہوتی ہیں۔

اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے' جسے مقامِ ارشاد عطا ہوا ہے اور دل سے مراد وہ قلبِ سلیم ہے جو طلبِ غیر سے خالی اور محفوظ ہو اور فنونِ شیخ سے مراد تصرف اور کشف ہے۔

تمباکونوشی اور بارگاہِ نبوی ﷺ

جب کبھی تمباکونوشی کی بات چل پڑتی تو اس کی قباحتوں پر سوائے قطعی حرمت کے آپ بہت سے دلائل اور شواہد پیش فرماتے تھے' چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لاہور میں دو عزیز رہتے تھے' ان میں سے ایک فاضل درویش اور جامع کمالات ہونے کے باوجود تمباکونوشی کا عادی تھا اور دوسرا عام قسم کا درویش تھا' مگر تمباکو سے پرہیز کرتا تھا۔ دونوں نے عالم مثال میں ایک ہی رات اور ایک ہی وضع میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت کی' گویا یہ عامی درویش آپ کی مجلس میں بیٹھا ہے' مگر اس فاضل کو بیٹھنے کی اجازت نہیں مل رہی۔ عامی فقیر

نے اہل مجلس سے فاضل عزیز کو بیٹھنے کی اجازت نہ ملنے کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ یہ شخص تمباکو نوشی کرتا ہے' حالانکہ آنحضرت ﷺ اسے ناپسند فرماتے ہیں' صبح اُٹھتے ہی بتقاضائے نصیحت ارادہ کیا کہ یہ بات اس فاضل تک پہنچائے' جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ سخت رنج و غم میں مبتلا ہے اور رو رہا ہے' سبب پوچھا تو اس نے وہی بارگاہِ نبوی میں حاضری کی اجازت نہ ملنے کا قصہ کہہ سنایا۔ اس عامی درویش نے کہا: تمہیں مبارک ہو کہ آں حضرت ﷺ کی ناراضگی کا سبب میں نے اہل مجلس سے پوچھ لیا تھا جو تمباکو نوشی ہے' اس فاضل نے اسی وقت حقہ اور نے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور تمباکو نوشی سے پکی توبہ کر لی۔ دوسری رات دونوں نے ایک ہی وقت اور ایک ہی منظر میں خواب میں دیکھا کہ گویا اُس فاضل کو تمام اہل مجلس سے زیادہ قُرب حاصل ہے اور آں حضرت ﷺ اس پر سب سے زیادہ عنایات و التفات فرما رہے ہیں۔

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ دوست خود تمباکو نوشی نہیں کرتے تھے' مگر مہمانوں کے لیے گھر میں حُقے کا انتظام کر رکھا تھا' عالم مثال میں دیکھا کہ آں حضرت ﷺ اس کے جھونپڑے میں تشریف لائے ہیں اور اندر آنے کے بعد ناپسندیدگی سے واپس لوٹے' یہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے دوڑا اور ناپسندیدگی کا سبب پوچھا' آپ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں حقہ' چلم اور نے موجود ہے' جنہیں میں پسند نہیں کرتا۔

تمباکو نوشی پر عالمِ مثال میں تنبیہ

فرمایا: ہمارے محلے میں ایک درزی رہتا تھا' ایک دن اسے میں نے بلوا بھیجا' بُلانے والے نے دیکھا کہ وہ مُردہ پڑا ہے اور اس کے ورثاء اس پر رو رہے ہیں' کفن دفن کا انتظام کیا جا رہا ہے' کچھ دیر بعد میں جامع مسجد کو جا رہا تھا کہ اسے بازار میں کھڑا دیکھ کر متعجب ہوا اور اس سے اس کا حال پوچھا' اس نے کہا: میرا قصہ بھی عجیب ہے' میں اس محلے کی گلیوں میں جا رہا تھا کہ ایسے میں دو ہیبت ناک مرد غضب ناک شکل میں میرے سامنے آئے' ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بظاہر مر گیا' مجھے اٹھا کر گھر لائے' کفن کا انتظام کیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں آدمی مجھے لے کر ایسی جگہ پہنچے' جہاں سامنے بہت سے لوگ جمع تھے' جن کی شکلیں انسانوں سے مختلف تھیں۔ مجھے اپنے سردار کے سامنے لے

گئے' اس نے کہا: جسے ہم نے بلوایا تھا وہ یہ تو نہیں' اسے جہاں سے لائے ہو وہیں پہنچا آؤ۔ جب وہ مجھے لے کر واپس ہونے لگے تو پیچھے سے آواز آئی کہ اسے ذرا اِدھر لانا یہ تمباکو نوشی کرتا ہے' یہ کہہ کر انہوں نے لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے میری ران کو داغ دیا' میری ران جل گئی اور میں اسی حالت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ عزیز و اقارب مجھے نہلا کر کفن پہنانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم کا علمی مقام

ایک دن حضرت والد ماجد باتوں باتوں میں مجھ سے فرمانے لگے کہ شیخ آدم بنوری کے اکابر خلفاء میں سے سیّد علیم اللہ نے تمباکو نوشی کی حُرمت میں ایک رسالہ لکھا' اور آیہ کریمہ ''تاتی السماء بدخان مبین'' (پارہ:۲۵' سورت: الدخان' آیت:۹) اور ایسی آیات و امثال اس میں بطور دلیل پیش کیں اور یہ رسالہ دو افغان مولویوں کے ہاتھ میں دے کر علمائے دہلی کے پاس بھیجا' یہ دونوں پٹھان مولوی سب سے پہلے میرے پاس لائے' میں نے کہا کہ ان بیہودہ دلیلوں سے کچھ کام نہیں چلے گا' اور اِس آیت کی تفسیر میں علمائے حق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے میں نے وہ بیان کیا اور اس سے متعلق احادیث اور روایات فقہی کا حقیقی مفہوم اُن پر واضح کیا' اس سے وہ قدرے ناخوش ہوئے اس کے بعد وہ دونوں شہر کے نامور فاضل ملاّ یعقوب کے درس میں چلے گئے' دیکھا کہ وہ مجلسِ درس میں تمباکو نوشی کر رہا ہے۔ یہ دونوں معترض ہوئے تو ملاّ یعقوب نے کہا کہ میں مجلس درس میں اس لیے تمباکو نوشی کر رہا ہوں کہ لوگوں پر اس کا مباح ہونا واضح ہو۔ اگر کسی کو اس مسئلے میں کوئی شک ہے تو وہ میرے سامنے پیش کرے' افغان مولویوں نے اس رسالے میں سے بعض فقہی روایات اور احادیث بیان کیں' تو ملاّ یعقوب بھڑک اُٹھا اور معمولی توجہ سے ان کے دلائل ردّ کر دیئے۔ دونوں شکستہ دل اور غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے اور صورتِ حال مجھے بتلائی۔ میں نے کہا: تم نے تمباکو کی حرمت کا دعویٰ کیا اور دلیلیں یہ یہ پیش کیں تو کام کیسے چلتا۔ اب جاؤ اور اس سے آیہ کریمہ ''یاایھا النبی لم تحرّمُ ما اَحل اللہ لک'' (پارہ:۲۸' سورت: تحریم' آیت:۱) کا شانِ نزول پوچھو' بس یہی تو کہے گا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد تناول فرماتے تھے' جس سے باقی ازواجِ مطہرات کو رشک آیا اور آں حضرت ﷺ کی

خدمت میں عرض کی کہ آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے مغافیر نہیں کھایا بلکہ شہد کھایا ہے تو سب کہنے لگیں کہ ہو سکتا ہے شہد کی مکھیوں ہی نے مغافیر کھایا ہو۔ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب اتنا کہہ چکے تو پھر اس سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کا سبب کیا تھا تو غالباً یہی کہے گا کہ ناخوشگوار بو، پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ان دو سبزیوں (پیاز ولہسن) میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے، اس میں منع کرنے کی اصل وجہ کیا ہے تو وہ کہے گا: ان کی خراب بو۔ پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت ﷺ خوشبو کو پسند اور ناخوشگوار بُو سے نفرت فرماتے تھے، یہ صحیح ہے یا غلط تو وہ ضرور کہے گا کہ صحیح ہے۔ تب اس سے کہنا کہ تمباکو میں بدبو ہے کہ نہیں؟ اگر کہے کہ نہیں تو اس سے کہنا کہ جنہوں نے کبھی تمباکو نوشی نہیں کی ان سے پوچھو کہ اس کی بُو اُن کے دماغوں کو کس قدر ناخوش لگتی ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس میں بدبُو ہے تو اہلِ احتیاط اور صاحبان ورع وتقویٰ کے لیے مناسب ہے کہ اسے ترک کر دیں، یہ دونوں پٹھان مولوی گئے اور اسی انداز سے سوالات کیے۔ ملاّ یعقوب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مجلس درس سے چلم ہٹادی۔

علم مصالح اور شرائع

کاتب الحروف کہتا ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے ہمیں دو قسم کا علم عطا فرمایا ہے: علم مصالح اور علم شرائع۔ مصالح سے ہماری مراد یہ ہے کہ چار خصلتیں یعنی طہارت، خشوع، سخاوت اور عدالت اور وہ تمام اُمور جو اُن سے تعلق رکھتے ہیں نیز کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے ملأ اعلیٰ (مجلس بالا) کا ارادہ واشارہ اور وہ تمام مقامات جو اس سے راہ سے تعلق رکھتے ہیں، رضائے الٰہی کا موجب بنیں اور ان خصائل اربعہ یا اُن سے متعلق دیگر اُمور کے مدِ مقابل خصائل وعادات غضبِ الٰہی کا سبب بنیں، آں حضرت ﷺ نے ہر قسم کے اخلاق تامہ، فاضلہ مثلاً شجاعت وغیرہ کی دعوت دی اور یہ تمام اُمور دراصل عقلیات کے تحت آتے ہیں اور ہم ان کو مصالح کے نام سے یاد کرتے ہیں، شرائع سے ہماری مراد احوال واعمال کے شرعی پیمانے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو اُن سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب کے سب بندگی محض کے ضمن میں آتے ہیں، یعنی عقل اگرچہ ان پیمانوں اور اصولوں کی خوبیوں اور

خاصیتوں کو اور اُن کے نازل ہونے کی وجوہات اور مصالح کو جان سکتی ہے' مگر ان کے قائم کرنے اور ان پر کاربند ہونے کے سلسلے میں انجام اور نتیجے کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ ملاء اعلیٰ میں ان اعمال واحوال میں سے کون سی چیز رضائے الٰہی کا موجب اور کون سی بات ناراضیِ خدا کا سبب بنے گی اور مصالح شرعی کی یہ بات بھی ہماری عقل میں نہیں سما سکتی کہ ملا اعلیٰ کی توجہ عبادت گزاروں کو نفع وفائدہ اور گنہ گاروں کو گزند کیوں کر پہنچا سکتی ہے' مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا ذریعۂ نجات ہے مگر یہ کہ خدا کو کسی صفتِ خاص سے اوقاتِ خاص میں یاد کرنے سے فرض تو ادا ہو جائے گا' مگر ملاء اعلیٰ میں اس کے ردّ وقبول کی جو حیثیت و مقام مقرر ہے' اس کا ادراک واحاطہ ہماری عقل نہیں کر سکتی' میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع حکم شریعت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتیں اور مصالح کو ہماری عقل حضرت پیغمبر ﷺ کی بعثت سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی سمجھتی رہی ہے۔ اس لیے قیاس جلی اور نص سے ثابت شدہ حکم کے مقابلے میں ایسے غیر قیاسی احکام کو جن کے متعلق کوئی نص بھی نہ ہو' حکم شرعی نہیں کہا جائے گا۔ مصالح شرعی کے ضمن میں رغبت رضائے الٰہی اور خوف غضب حق' اصل چیز ہوتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس سے منع کرنے کا سبب ان میں موجود کراہت انسان کی خود غرضی' خود پسندی اور اسراف ہے۔ اس حکم میں قابل توجہ اور اصل چیز دونوں میں موجود ذاتی قباحت ہے' خواہ کوئی شخص فضول خرچی اور خود پسندی سے بچنے کی غرض سے اجتناب کرے یا یہ چیزیں پیشِ نظر نہ ہوں' دونوں حالتوں میں اس کی نہی قائم رہے گی' باقی رہا یاقوت وزمرد اور قیمتی شالوں کا استعمال تو ان میں اگرچہ حریر وطلاء سے زیادہ خود پسندی اور عجب کا اظہار کیوں نہ ہو مگر چونکہ ان کے لیے ذاتی قباحت کی طرف شارع علیہ السلام نے کوئی اشارہ نہیں کیا' اس لیے اگر کوئی شخص ذاتی مفاد اور خود پسندی کی نیت سے انہیں استعمال کرے تو قباحت اور ضرر پایا جائے گا۔ بصورتِ دیگر ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں' اس علم وعقیدہ کو قبول کرنا چاہیے۔

قال را بگذار مرد حال شو

فرمایا: خواجہ خورد نے مجھے وصیت کی تھی کہ درس وتدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دُور رکھنا' سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں محو رہا' اس نسبت

روحانی کے عجیب وغریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوئے۔

کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت والا سے سوال کیا کہ حضرت شیخ ابوالفتح اور مخدومی شیخ محمد قدس اللہ اسرارہما کی نسبتوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا: شیخ ابوالفتح کو نسبتِ عشق حاصل تھی اور حضرت مخدوم نسبت شہود رکھتے تھے۔

حقیقتِ کیمیاء

فرمایا: شیخ ملک یارپَرّان اہل بیت نبوی کی نسبت سے مناسبت کامل رکھتے تھے' فرمایا کہ ایک شخص نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہٗ کی خدمت میں خط لکھا' جس میں سلوکِ راہ اور حقیقتِ کیمیاء کے وجود یا عدم کے بارے میں سوال کیا' آپ نے جواب کے لیے خط مجھے دیا' میں نے اسے لکھا:

''اذا تزوجت الاجساد وتجسّدت الارواح حصل المقصود''۔

(جب اجزائے مادی یک جان ہو جائیں اور ارواحِ وجود کی شکل اختیار کرلیں تو مقصود حاصل ہو جائے گا)

زندگی گزارنے کا گُر

حضرت والد ماجد کے مخلصین میں سے ایک نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسے گزارنی چاہیے تو آپ نے فرمایا: ''کُن فی الناس کاحدِ من الناس'' (لوگوں میں اُن جیسا ہو کر رہ) پھر پوچھا: حق سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا: ''رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ'' (پارہ ۱۸' سورت: نور' آیت: ۳۷) (خدا کو پانے والے وہ مردانِ راہِ خدا ہیں' جنہیں کاروبار اور مفادات ذکرِ خدا سے نہیں روکتے)۔

عدل وانصاف

ایک دفعہ حضرت والد ماجد سفر میں تھے۔ آپ کے ساتھی بہلی پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ دورانِ سفر بعض دوست اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا: بہلی کے سواروں سے پوچھو کہ آیۂ کریمہ ''اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ'' (پارہ: ۶' سورت: مائدہ' آیت: ۸) کون سے پارے میں ہے؟ یارانِ جماعت میں سے شیخ بدرالحق نے اشارہ سمجھ لیا اور بہلی سے نیچے اُتر کر کہنے لگے: حضرت یہ آیت پارہ ''یعتذرون'' میں ہے۔

باید کہ ہر جا روی طالب مردے شوی

شیخ امان اللہ نے کابل جانے کا قصد کیا اور حضرت والا سے دعا کی خواہش کی' آپ نے فرمایا: جہاں بھی جاؤ اہل اللہ کی تلاش کرتے رہو' جس سالک یا مجذوب میں بھی معنیٔ حقیقت کی خوشبو پاؤ' بلا تاخیر اس کی صحبت اختیار کرو' یہ گئے اور آپ کے فرمان پر عمل کرتے رہے' جب واپس لوٹے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام　　بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

شیخ اکبر اور شاہ عبدالرحیم رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت والد ماجد شیخ محی الدین ابنِ عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو بر سر منبر بیان کر کے اس کے تمام مسائل کے اثبات کے لیے آیات و احادیث سے دلائل پیش کروں اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا شک باقی نہ رہے مگر اس کے باوجود آپ وحدۃ الوجود کے کھلم کھلا بیان سے احتراز فرماتے تھے' کیونکہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور ناسمجھی کی بناء پر الحاد اور زندقے کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس احتیاط کے باوجود بھی آپ کی کئی تقریروں میں وحدۃ الوجود کا رنگ جھلکتا تھا' اور اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو رسائل وحدۃ الوجود کے مطالعہ کی اکثر رغبت دلایا کرتے تھے' نیز اس فقیر نے لوائح (مصنفہ جامی رحمہ اللہ)' شرح رباعیات (مصنفہ بابا طاہر رحمہ اللہ) اور مقدمہ شرح لمعات (مصنفہ عراقی رحمہ اللہ) پورے غور و خوض کے ساتھ حضرت والا سے پڑھی ہیں اور بعض یارانِ حلقہ نے ''نقد النصوص'' بھی حضرت والا سے پڑھی۔ ان کے ساتھ کبھی کبھار فقیر بھی شامل ہو جاتا تھا۔ آپ ان مسائل کا حل بخوبی فرماتے تھے۔ ربطِ حادث باقدیم کی تحقیق کرتے ہوئے بارہا حضرت والا سے یہ تمثیل سنی' فرماتے تھے کہ جن معلوم شکلوں کو ہم دیکھتے ہیں خارج میں ان کا ثبوت و وجود کوئی بھی نہیں' محض ہماری قوت علمیہ کے سہارے موجود ہیں اور یہ سب کچھ ہمارا ہی علم ہے جو مختلف رنگوں اور شکلوں میں نمودار ہوتا ہے' بلا شبہ ان صورتوں کو ہم عین علم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جب علم تھا تو یہ صورتیں نہیں تھیں اور انہیں علم سے جدا بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو خارج میں وجود و شکل دینے والا اور انہیں ایک حقیقت بنانے والا علم ہے' علم اگرچہ بیرنگ ہے مگر

مختلف رنگ اس کی بیرنگی میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے۔

آیۂ کریمہ ''وَھُو مَعکم'' (پارہ:۲۷'سورت:الحدید'آیت:۴) کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ معیت محض علم کے سہارے نہیں' بلکہ خارج اور حقیقت میں بھی موجود اور ثابت ہے اور اس سے کوئی خلجان پیدا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ معیت' معیت کے ان معنوں میں نہیں جو جُوہر کو جُوہر کے ساتھ' عرض کو عرض کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ معیت حادث با قدیم ایک لطیف ترین معنیٰ ہے' جسے ان معیتوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

وَھُو مَعکم کی عالمانہ تشریح

فرمایا: ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق معیت کے مسئلے سے لُطف اٹھایا ہے۔ ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے علم قدرت سمع اور بصر کے ساتھ ہمیں محیط ہے جیسا کہ فرمایا: ''ما یکون من نجویٰ ثلثة'' (پارہ:۲۸'سورت: مجادلہ' آیت:۷) اور ایک گروہ نے بچشم عیاں دیکھ کر کہا کہ ہر فعل اور انفعال اور ہر حرکت اور صفت جو عالم میں ظاہر ہوتی ہے' حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہے' جیسا کہ فرمایا: ''قل کل من عند اللّٰہ'' (پارہ:۵' سورت:النساء'آیت:۷۸) اور ''وما بکم من نعمةٍ فمن اللّٰہ'' (پارہ:۱۴'سورت:النحل' آیت:۵۳) ایک جماعت نے مشاہدہ کیا کہ جو کچھ بھی ہے وہی ہے' غیر تو ہے ہی نہیں جیسا کہ فرمایا: ''کل شی ھالک الا وجھه'' (پارہ:۲۰'سورت:القصص'آیت:۸۸) اور ''ھو الاوّل والأخر والظاھر والباطن'' (پارہ:۲۷'سورت:الحدید'آیت:۲) اور کچھ حضرات نے تو حق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کی گہرائیاں بیان کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے۔

تجدّد امثال

تجدد امثال کی بات چل نکلی تو آپ نے عجیب تقریر بیان فرمائی' مگر چونکہ میں اس وقت بہت کم سن تھا' اس لیے اسی اسلوب سے وہ تقریر محفوظ نہیں رہی' لیکن حاصل کلام یہ تھا کہ موجد اور موجَد میں وہی تعلق ہے جو دائم اور اس کے دوام میں ہے کہ جب کوئی چیز عدم سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں اور جب اسے حالتِ وجود پر قیاس کیا جاتا ہے تو اسے ابقا کا نام دیا جاتا ہے گویا متحد الحقیقت ہونے کے باوجود اسماء کا اختلاف اختلافِ لحاظ کے اعتبار سے ہوتا ہے' جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی جو ہمیشہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے سورج

کے ساتھ تعلق کی محتاج ہوتی ہے' جب ہم ضیائے شمس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اسے اشراق اور رفع ظلمت کا نام دیا جائے گا اور دوسری حالت یعنی جب وہ پوری آب و تاب کو پہنچے تو اسے اِبقاء نور کا نام دیا جاتا ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں' تجدد امثال کی حقیقت اسی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔

صفاتِ باری

فرمایا کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زائدہ قائمہ بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

حسن ذاتی اور قبح نسبتی

فرمایا: جو کچھ اس عالم میں ہے' حسن ذاتی اور قبح نسبتی رکھتا ہے' اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش فرمایا کرتے تھے' مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہ ایک خوبی ہے جو فولاد کے کمال کا اثر ہے مگر ایک مظلوم شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے تلوار کی یہ خوبی قبیح نظر آتی ہے' اسی طرح اور مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔

مسمّٰی حقیقت

فرمایا: مخلوق کو مسمی ءِ حقیقت میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کا فہم و عقل اور ادراک و اندیشہ وہاں بار نہیں پاسکتا' ہاں! البتہ مسمی کو اللہ کی حقیقت میں محض اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ موصوف ہے۔

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کا ہندی دوہا

ایک دن اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا

جب جیونہ تھا تب پیونہ تھا اب پیو ہے جیونا تھ   رحیم پیاسوں یوں ملے جوں بوند سمند رنا تھ

حضرت والا کے مجموعۂ خاص میں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا' آپ چونکہ ایسی باتیں بہت کم بیان کرتے تھے' لہٰذا مجھے تعجب ہوا اور حضرت والا سے پوچھا کہ یہ دوہا حضرت نے نظم فرمایا ہے یا کسی اور نے؟ تو فرمایا کہ یہ شعر میرا ہے اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

لطائف ستہ اور ان کے مقامات

ایک دن یہ ذکر چلا کہ لطائف ستہ[1] کیا ہیں؟ اور دورِ آخر کے صوفیاء نے اُن کے لیے کون کون سی جگہیں معین کی ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ۔ جب میں لایا تو آپ نے ایک دائرہ بنا کر فرمایا: یہ قلب ہے' پھر اس دائرے کے بیچ میں ایک اور دائرہ بنا کر فرمایا: یہ رُوح ہے' اس طرح دائرہ کے اندر دائرہ بناتے رہے' یہاں تک کہ مقام انا تک پہنچے تو فرمایا کہ لطائف کی صورت میں ہمیں سب سے زیادہ یہ پسند ہے' باقی سب مختلف رُخ اور اعتبارات ہیں اور پھر خواجہ نقشبند رحمہ اللہ کے اس قول کو کہ ع

آئینہ مارا شش جہت است

(ہمارے شیشے کے چھ رُخ ہیں)

اس مسئلے کے ساتھ خوب مطابقت دی۔

شاہ عبدالرحیم یا ابوالفیض؟

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ حضرت والا کا نام نامی عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے۔ اس بارے میں مَیں نے آپ سے خلوت میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں! ایسے ہی ہے اور تمہارا نام عالم ملکوت میں ابوالفیاض ہے۔

مباش درپے آزار الخ

ایک دن حضرت والا نمازِ ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی ؎

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر

در طریقت رکن اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ قلم دوات لاؤ اور لکھ لو کیونکہ حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القاء فرمایا ہے تا کہ تجھے اُن کے ذریعے وصیت کروں' پھر اشارے سے فرمایا کہ یہ بہت

---

[1] اصل متن میں "لطائف ستہ" مرقوم ہے۔ میرے پاس تین مختلف نسخے موجود ہیں' سب میں اسی طرح ہے' میں نے لطائف ستہ سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

بڑی نعمت ہے، جس کا شکر لازم ہے' یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مرقع ہے ؎

اے کہ نعمت ہائے تو از حد فزوں — شکر نعمتہائے تو از حد بروں
عجز از شکرِ تو باشد شکرِ ما — گر بود فضل تو مارا رہنموں

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے جواہر پارے

اس فقیر کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملات دنیوی کے طریقے اور حکمتِ عملی خوب سکھلاتے تھے' ان میں سے جو کچھ حافظے میں باقی رہ گیا ہے' اس میں سے چند جواہر پارے یہ ہیں:

☆ فرماتے تھے: مجلس میں کسی بھی قوم کی تنقیص مت بیان کرو' یہ نہ کہو کہ پُورب والے ایسے ہیں اور پنجابی ایسے' افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے' ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مرد میدان بیٹھا ہو یا اس علاقے کا کوئی باحمیت آدمی اور وہ اسے بُرا سمجھے اور اہل مجلس کا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے۔

☆ عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیے' چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو' ہوسکتا ہے کہ سب پھر جائیں اور مجلس بدمزہ ہو جائے۔

☆ اگر کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو حاجت پیش کرنے سے پہلے بہت ہی خوب صورت تمہید باندھو اور پھر تدریجاً اپنی حاجت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات کو اس شخص کے سامنے پتھر کی طرح دے مارو۔

☆ مجلس عام میں کسی شخص کی بھی کھلم کھلا تردید ہرگز نہ کرو۔

☆ آدمی کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے جس سے اس کی صفتِ کمال کا اظہار ہوتا ہو مثلاً دانش مند کو دانش مندوں کا سا لباس پہننا اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہیے اور فقیر کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریق فقر اختیار کرنا چاہیے۔

☆ بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ اور گنجلک الفاظ استعمال کرنا اور بہت ہی آہستگی سے بات کرنا مناسب نہیں۔

☆ اگر تم سے شجاعت' سخاوت یا جواں مردی کی کوئی بات ظہور پذیر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہیے کہ لوگ تمہارے اس کمال سے باخبر ہو سکیں۔

☆ بیمار پُرسی کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے نہ کہ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے اطلاع پانا' اسی طرح تعزیت' سفارش اور اس قسم کی دوسری باتیں' پس جو شخص یہ سب چیزیں بجالاتا ہے اور صاحب معاملہ کو اپنی محنت سے مطلع نہیں کرتا تو سمجھ لیجئے! اس کی ساری محنت ضائع گئی۔

اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو' اسی قبیل میں شمار ہوگا۔

☆ دوسروں کو رخصت کرتے وقت یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

☆ اگر تم سے کمتر درجے کے لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اس بات کو انعامات الٰہی میں سے ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ' ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور اُن کی خیر و عافیت پوچھو' اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری معمولی توجہ انہیں بہت بڑی خوبی نظر آئے اور اس پر وہ ایسے مرمٹیں کہ دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں تو دل شکستہ ہو جائیں

صد ملکِ دل بہ نیم نگاہ مے تواں خرید　خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

☆ بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ لباس یا کسی خاص عادت کو اپنے لیے ایک علامت بنا لیتے ہیں یا کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی ایک طعام سے مصنوعی نفرت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر لوگ ان عادات کی بناء پر انہیں اپنی مزاح و ظرافت کا نشانہ بناتے ہیں۔

☆ بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں یعنی اگر تیری محبت آہستہ آہستہ ان کے دل میں بس جائے تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی' نہ خوشی و مسرت کے عالم میں اور نہ رنج و غم کے حالات میں ایسے دوست کو غنیمت جان کر اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھنا چاہیے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے' اس لیے ہر دوست کی حیثیت پہچانی

چاہیے اور سب کو ایک مقام نہیں دینا چاہیے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اہل عقل اور اربابِ حکمت کے نزدیک انسان کو ضروریاتِ زندگی کے استعمال میں صرف لذت اندوزی مقصود نہ ہو بلکہ زندگی کی سب نعمتیں دفع حاجت، حصولِ فضیلت اور ادائے سنّت کے ارادے سے حاصل کرنی چاہئیں۔

بول چال، سیر و سفر اور نشست و برخاست میں ضعف و نقاہت کے باوجود مردانِ اولوالعزم کی سی طرز و عادت کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر سوء اتفاق سے کوئی عیب یا مکروہ فعل یا بخل تجھ سے صادر ہو تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہیے اور اس عیب کی مدمقابل صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ عیب یا عادتِ بد طبیعت میں راسخ نہ ہو جائے۔

جب آدابِ سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور ٹھگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفرِ اکبر آباد میں پیش آئے وہ بھی سنایا کرتے تھے۔

سراپائے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت والا شجاعت، فراست، قناعت اور غیرت ایسے اخلاقِ حسنہ سے پورے طور پر بہرہ ور تھے اور اُمورِ آخرت کی سمجھ بُوجھ کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاشی اور اقتصادی اُمور پر بھی دسترس رکھتے تھے اور ہر کام میں میانہ روی کو پسند فرماتے تھے، نہ اس قدر اُمور دنیا سے غافل اور زہد میں مستغرق تھے کہ عبادات کو رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آدابِ عبادت اور قیودِ مذہب سے بیگانہ کہ سستی میں شمار ہو۔ آپ کے لباس اور وضع قطع سے ہمیشہ بے تکلفی ٹپکتی تھی، موٹا جھوٹا اور نرم و گداز جیسا بھی میسّر آتا پہن لیتے تھے، یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بغیر طلب کیے ہوئے انہیں ہمیشہ اعلیٰ لباس عنایت فرمایا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے دنیا پہ لات ماری ہے، اب تک اپنے لیے بازار سے بھی لباس نہیں خریدا، نہ دستانہ، نہ جامہ اور نہ جوتے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ یہ چیزیں بوقتِ ضرورت کثرت سے دیتا رہتا ہے، ایک دن آپ نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس بارے میں بحث شروع کر دی، آپ فرمانے لگے: میرے لباس کی ہر تار جو شال در شال

ہے' محبتِ الٰہی کی کمند یعنی جال ہے کیونکہ یہ میرے سعی وارادے کے بغیر اس کارساز حقیقی نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ موٹے کھدر کے دھاگوں پر مشتمل ہے' مگر وہ تیرے لیے اژدہا ہے کیونکہ تو نے اسے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے۔

حضرت والد ماجد امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لیے بالکل بند کر رکھا تھا' اگر یہ لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے تو آپ بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور سرداران قوم کو خاص اکرام اور اعزاز سے نوازتے تھے' اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض انجام دیتے تھے' امراء آپ کے امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور ایسے مسائل کو جو قیاسِ ظنی سے ثابت ہیں' انتہائی سعادت مندی سے قبول کر لیتے تھے۔ علم اور علماء کی تعظیم اور جہلاء اور جہالت سے نفرت ہمیشہ آپ کا دستور رہا۔ ہر حال میں آثارِ نبویہ کی پیروی آپ کی زندگی کا مشن تھا' آپ کی مستقل مزاجی کا عالم یہ تھا کہ سوائے عذر شرعی کے اپنی پوری زندگی میں نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی' بزرگوں کا قول ہے: ''الاستقامة فوق الكرامة'' (سنت نبوی ﷺ پر استقامت کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنے بچپن اور شباب میں بلکہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی غیر شرعی اُمور کی طرح رغبت نہیں کی' گویا طریق محمدی ﷺ کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔

اُمورِ ضروری کے سلسلے میں آپ خرید و فروخت بھی خود کیا کرتے تھے' عمامہ وغیرہ میں نہ تو برخود غلط فقہاء کا نمونہ اختیار کرتے اور نہ رسوم و قیود سے آزاد فقیروں کی طرز' بلکہ مشائخ صوفیاء کی طرح لباس استعمال فرماتے تھے۔

مجموعی طور پر بے تکلفانہ زندگی بسر کرتے تھے' بجز اشد ضرورت کے قرض لینا ناپسند فرماتے تھے اور ایسے لوگوں سے اظہار ناراضی فرماتے' جو مختلف طعاموں اور میوہ جات کھانے کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے' آپ انہیں سرزنش فرمایا کرتے تھے۔

معمولاتِ شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کو ہر علم میں بہرۂ وافر حاصل تھا' کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبع رسا راضی نہیں ہوتی تھی' فنِ طب میں تو آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافلِ تہجد بلاقیدِ رکعات نشاط و رغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے' پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے

علاوہ نمازِ مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے' اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ آپ قرآن مجید' قواعدِ تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی سے پڑھتے تھے۔ روزانہ تلاوت کے علاوہ اکثر و بیشتر دوستوں میں ہر دن ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار مرتبہ درود پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذکر نفی و اثبات' کبھی نمازِ فجر سے پہلے جہراً اور کبھی ذکر خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات ہمیشہ بلاناغہ پڑھتے تھے۔ باوجود ضعیفی اور بڑھاپے کے یہ وظائف ہمیشہ جاری رہتے تھے' بجز ان اوقات کے جن میں آپ پر روحانی بے خودی طاری ہو جاتی اور یہ بے خودی کبھی کبھی بہت طویل ہو جاتی تھی۔

سیّدنا و مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض احباب کی درخواست پر آپ نے پہلے انداز پر وعظوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا' اکثر مشکوٰۃ شریف' تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین کا درس دیتے تھے اور آخر میں تفسیر قرآن بھی شروع کر دی تھی' جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو ضعف غالب آ چکا تھا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس فقیر نے آپ کی زبان سے بارہا سنا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے درود شریف اور مجرد توجہ کی بدولت پایا ہے' آپ غنائے ظاہری کے لیے روزانہ گیارہ مرتبہ سورۂ مزمّل اور گیارہ سو مرتبہ ''یَا مُغْنِی'' پڑھتے تھے' جس کی بدولت ہر حالت میں بغیر کسی ظاہر سبب کے حق سبحانہٗ و تعالیٰ لوگوں کو دلی طور پر ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا۔ آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو پرانے دستور کے مطابق صیام و قیام میں مشغول ہو گئے' حالانکہ پیر فانی ہونے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور شرعی طور پر بھی آپ رخصتِ افطار کے مستحق تھے۔ یہ فقیر اور سارے گھر والے جب آپ سے پوچھتے کہ رخصتِ شرعی کے باوجود اتنی تکلیفیں کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ تو فرماتے کہ ضعیفی کے سبب زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ بے ہوش ہو جاؤں گا اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے اپنے اندر پیدا کر رکھی ہے' یعنی حالتِ غیبت۔

صحبتِ یار آخر شد

جب شوال کا چاند نظر آیا تو اشتہا بالکل ختم ہو گئی اور کمزوری بڑھنے لگی' جس سے ہیضہ ہو

گیا' چنانچہ زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی اور مُردوں کی طرح گر پڑے تھے' گرتے وقت یہ فقیر بھی حاضر تھا' زبان پر "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم" جاری ہوا' بعد میں آپ رُو بصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت گھٹتی گئی' یہاں تک کہ پھر ماہِ صفر کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ کا عزم یہ تھا کہ نمازِ فجر قضا نہ ہو' چند بار حالتِ ضعف میں پوچھا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں؟ حاضرین نے کہا: نہیں' جب موت قریب ہوئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا مگر ہماری نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: مجھے روبقبلہ کرو' اور یوں اشاروں میں نماز ادا کی' حالانکہ وقتِ نماز میں شک تھا۔ نماز پڑھ کر زیرِ لب ذکر اسم ذات کرتے ہوئے زندگی مستعار کی امانت خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ الم ناک واقعہ بادشاہ فرخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو رونما ہوا۔ بادشاہ فرخ سیر حضرت والا کے تقریباً ایک ماہ بیس دن بعد قید ہو گیا اور سخت واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ستتر (۷۷) سال تھی۔ فتح چتوڑ کا واقعہ اور جامع مسجد شاہجہان آباد کی عمارت انہیں یاد تھی۔

ہم اپنے سردار اور مخدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کے مناقب میں سے جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے' یہ اس کا حرفِ آخر ہے' اب اس سے متصل ہم سیّدنا ومخدومنا الشیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے مناقب کا ذکر کریں گے۔

حصّہ دوم

درحالاتِ جناب معارف مآب امامِ طریقت وحقیقت‘

کاشفِ حقائق مخدومنا

شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگرچہ اصولی طور پر اس حصے کو پہلے پیش کرنا چاہیے تھے‘ مگر سند اور صحت کے لحاظ سے اس حصے کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ حصہ اول کی اکثر روایات ایسی ہیں جو فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بغیر کسی واسطہ کے سنی اور دیکھی ہیں اور اس دوسرے حصے کی اکثر باتیں فقیر کو ایک یا دو واسطوں سے ملی ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے

حمد کامل اس اللہ کی جس نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو منتخب کر کے مقامِ ولایت پر فائز کیا اور انہیں انوار و برکات کے لباس حقیقی میں ڈھانپ لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کشادہ کر دیں اور ان کی زبانوں پر علم وحکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور ان کا منتہائے مقصود اقامتِ دین اور وصول الی الحق بنا دیا‘ جس کے نتیجے میں وہ ہادی ومہدی اور اربابِ تقویٰ کے پیشوا بن گئے‘ انہی بندگانِ خاص کو اس نے زمین و آسمان میں تمکن عطا فرمایا‘ پاک ہے اس کی ذاتِ اقدس جس کے جود وعطا کا یہ عالم ہے اور جس نے اپنی بیکراں نعمتوں اور برکتوں سے ان بندوں کو نوازا ہے‘ بے شک وہ تنہا معبود برحق ہے۔ جس کا کوئی ہمسر نہیں اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا اور بلاشک وشبہ سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ اس کے رسول اور عبد ہیں‘ جن کی چمک دمک اور ضیاء ونور تمام انبیاء سے زیادہ کامل اور روشنی بخش ہے‘ ان پر اور ان کے آل واصحاب پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں گردشِ لیل ونہار تک ہوتی رہیں۔

اس تمہید کے بعد فقیر کثیر التقصیر ولی اللہ بن عبد الرحیم (اللہ ان سے لطفِ عظیم کے ساتھ پیش آئے) کہتا ہے کہ عمِ بزرگوار بلند قدر اہل ذوق و وجود کے پیشوا صاحبانِ معرفت و شہود کے امام، سلسلۂ اہل عرفان کے لیے رابطہ اور اہل کمال کی آنکھ کا تارا، خدائے بے نیاز کے ساتھ لَو لگانے والے سیدنا و مولانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے علم و عرفان سے اخذ کئے ہوئے یہ چند کلمات ہیں، جن کے مجموعے کا نام شوارق المعرفۃ تجویز کیا گیا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حضرت شیخ کے ابتدائی حالات

حضرت شیخ نے بچپن میں علومِ ظاہری حافظ بصیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کئے تھے، جو زمانۂ شاہجہاں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان کے علاوہ خواجہ محمد باقی کے صاحبزادے خواجہ خورد سے بھی تحصیلِ علم کرتے رہے، حقیقت میں آپ کو تمام علوم وہبی طور پر حاصل تھے۔ ظاہری تحصیل علم سے محض سنت الٰہی کی محافظت مقصود تھی، کیونکہ یہ دنیا اسباب و علل کی دنیا ہے۔ تحصیلِ علم کے بعد اپنے والد کے مشورے سے اپنے زمانے کے امراء میں سے ایک کے دربار میں ظاہری نفع اندوزی کے لیے آنا جانا شروع کر دیا۔ آپ کی حقیقی استعداد اچانک پردۂ ظہور پر نمودار ہونے لگی اور آپ نے طریقِ گوشہ نشینی، کامل تنہائی، مکمل توکل، اتباعِ سنت اور دیگر احوالِ صوفیاء کو اس انداز سے اختیار فرمالیا کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کا تصوّر ہی نہیں کر سکتا، صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ نے تمام تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا تو اپنی رفیقۂ حیات سے فرمایا کہ ہم نے یہ راستہ تکالیف اور مصائب کی کثرت کے باوجود خود پسند کیا ہے اور کسی طرح بھی اس راہ سے واپس نہیں پھر سکتے، اگر ان تمام مشکلات کو میری طرح پسند کر کے لباس و طعام کے لطف سے اور خویش و اقارب کے میل جول کی لذتوں سے قطع نظر کر سکو تو میری زندگی کی ساتھی ہو، ورنہ تمہیں جدا ہونے کا پورا اختیار ہے، آپ کی رفیقۂ حیات نے ہمت سے کام لے کر معمولی نیلے کپڑے زیب تن کئے، زیورات اور مہنگے لباس اتار پھینکے۔ انہی دنوں حضرت شیخ والدین کا گھر چھوڑ کر مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرہ بنا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ ان ایام میں اکثر و بیشتر دو دو تین تین روز متواتر فاقے سے گزر جاتے اور اگر کچھ غذا میسّر آتی تو وہ جَو کی روٹی کے چند ٹکڑوں اور دہی پر مشتمل ہوتی جو محمد جان طباخی

اور ان جیسے دوسرے نیاز مند لاتے اور یہ طعام تمام فقراء پر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا اور آپ دوسرے روز کے مقررہ وقت تک تھوڑی غذا پر اکتفاء فرمالیتے تھے۔ آپ کے گھر میں نہ کوئی دیگچی تھی' نہ چولہا' نہ چکی اور نہ دوسرا سامان یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا اور وسیع حویلی اور بہت بڑا لنگر خانہ عطا فرمایا۔ اپنے ابتدائی حالات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجرید کے انتہائی مقام اور بے اسبابی کی آخری منزل پر فائز ایک درویش جو حضرت خواجہ محمد باقی کے خلیفہ خاص شیخ تاج سنبھلی[1] کا صحبت یافتہ تھا' خواجہ خورد کے پاس آیا' اس پر نسبتِ غیبت بہ تمام وکمال غالب تھی' حضرت خواجہ اس سے جو کچھ پوچھتے' وہ بہت ہی تکلف اور دیر سے جواب دیتے تھے۔ اس موقع پر خواجہ خورد نے فرمایا کہ جو بھی معرفتِ خدا کا طالب ہو' وہ اس مردِ درویش سے مردانہ وار تعلق قائم کرے' جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بیعت کی خواہش اور اس سے حصولِ طریقت کا خیال پیدا ہوا' میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی روحِ پُرفتوح کی طرف متوجہ ہوا تو خواب میں دیکھا' گویا آپ کشتی پر سوار ہیں اور دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارے ان کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہوا ہوں' میری طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ہر ہر بال سے اپنی چمک دمک کے ساتھ سورج ابھرتا ہوا معلوم ہوتا تھا' آپ نے مجھے میرے نام سے بلایا اور اس تمثیلی مشاہدے میں مجھ پر ایسے رموز ظاہر ہوئے کہ اس درویش کی محبت سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور حضرتِ غوثِ اعظم کی بارگاہ سے استفادہ کرنے کا دروازہ کھل گیا۔

فرمایا: ایک مرتبہ میں نے حضرت غوث الاعظم کو بیداری میں دیکھا۔ اس موقع پر آپ نے مجھے عظیم اسرار و رموز تعلیم فرمائے۔

---

[1] شیخ تاج الدین سنبھلی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ اوّل تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد بلادِ عرب چلے گئے اور وہاں طریقۂ نقشبندیہ پھیلایا۔ انہوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں لکھ کر اہل عرب کو سلسلۂ نقشبندیہ سے متعارف کرایا' آپ کی ایک جامع تصنیف ''الرسالہ فی سلوک خلاصۃ السادات نقشبندیہ'' ہے' جس کی علامہ عبدالغنی نابلسی نے مفتاح المعیت فی طریقۃ النقشبندیہ کے نام سے مکمل شرح لکھی ہے۔ آپ نے جامع الفوائد کے علاوہ نفحات الانس جامی اور رشحات واعظ کاشفی کا عربی ترجمہ بھی کیا' آپ کی وفات ۱۶۳۰ھ میں ہوئی۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وسیلۂ بیعت ہیں

فرمایا: میں نے بچشمِ حقیقت دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اولیائے کرام کی صفوں کے درمیان تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھا' یہ سب سیرِ روحانی کر رہے تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ میں اس جماعت سے باہر ایک کونے میں کھڑا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا جس پر آنحضرت ﷺ مطلع ہوئے اور ان صفوں میں سے ایک صف میں مجھے بھی داخل فرمایا اور اپنے دستِ اقدس کا مورچھل بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر آپ ہوا میں اڑنے لگے۔ باقی لوگ اسی مکان میں ٹھہرے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے تیسرے آسمان کی مسجد عالی میں نمازِ ظہر ادا فرمائی۔

فرمایا: دوسری بار ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بچشمِ حقیقت دیکھا اور عرض کی: یا سیدی! میری خواہش ہے کہ آپ کے طریقۂ عالیہ کے فیض یافتہ کسی مردِ حق سے بیعت کروں تاکہ اس سے ان حقائق کی تفصیل پوچھ سکوں' جو آپ سے حاصل ہوئے ہیں۔ مجھے کسی ایسے مردِ راہ کا پتہ دیجئے' جو اس کا اہل ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیری بیعت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوگی۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ گویا راستے میں جا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی شخص نظر نہیں آ رہا' مگر راستے سے گزرنے والوں کے نقشِ قدم پائے جاتے ہیں۔ تھوڑی دور بیچ راہ کے ایک مرد کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے راستہ پوچھا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر آؤ۔ اس سے مجھے انشراحِ قلب حاصل ہوا۔ اس نے فرمایا: اے سُست رفتار! میں علی ہوں اور مجھے رسولِ خدا ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ان کی بارگاہ میں لے چلوں' میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا' یہاں تک کہ بارگاہ رسالت میں پہنچے اور حضرت امیر علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا اور اپنا ہاتھ حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ میں دے کر کہا: یارسول اللہ! **ھذا ید ابی الرضا محمد** (یہ ابوالرضا محمد کا ہاتھ ہے)' یہ سن کر حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر میرے دل میں ایک بات کھٹکی' جس پر حضرت امیر علیہ السلام مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میں اسی طرح اولیاء اللہ کے حق میں وسیلۂ بیعت رہتا ہوں' ورنہ اصل میں تمام سلاسل کی بیعتوں کا مرکز اور

مرجع تو آنحضرت ﷺ کا دستِ حق پرست ہوتا ہے۔ اس کے بعد مجھے اشغال واذکار کی تلقین فرمائی اور علوم واسرار سے نوازا اور مجھ پر ان سب کا حصول آسان ہو گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی وہبی میں مشغول تھا۔

برکاتِ قربِ نبوی

فرمایا: حضرت پیغمبر ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا' جیسے مجھے اپنی ذاتِ مبارک کے ساتھ اس انداز سے قرب واتصال بخشا کہ جیسے ہم متحد الوجود ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا عین پایا۔ کسی نے اس وقت آنحضرت ﷺ سے کوئی سوال کیا' تو آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا' میں نے اسے وضاحت سے جواب دیا۔ بعد میں آپ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے مجھے نیند میں آنحضور ﷺ کی زیارت کا بہت شوق رہتا تھا۔ جب اتحاد واتصال کی یہ دولت نصیب ہوئی تو وہ شوق پورا ہو گیا اور وہ بھرپور لذت و کیفیت حاصل ہوئی کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

آپ کی پاکیزہ زندگی' تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان

معمولات شیخ ابوالرضا

آپ کے معتقدین کا ایک گروہ راوی ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے حضرت شیخ کی زیارت کے لیے کئی بار خواہش ظاہر کی' مگر آپ نے انکار کیا۔ اربابِ اقتدار اور سرمایہ داروں کو آپ ہمیشہ ہیچ سمجھتے تھے۔ ان کی پیش کشوں اور ان کی ذات کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوئے۔ کبھی کبھار کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار کرتا تو نذرانہ قبول کر لیتے تھے۔ ہاں! البتہ اگر کوئی غریب اور مفلس کفش دوز' طباخی' کنجڑا وغیرہ چار پانچ پیسے بھی نذرانہ پیش کرتا تو کشادہ دلی کے ساتھ قبول فرما کر اپنے ہاتھ سے لے لیتے تھے۔ مستند روایات سے معلوم ہوا کہ آپ جید عالم' فصیح اللسان' حد درجہ متقی' ماہر علوم معرفت' براق' نورانی چہرے' دراز قامت' گورے چٹے' چھدری ڈاڑھی والے اور خوش گفتار تھے۔ نمازِ جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ اپنے وعظ میں تین حدیثیں صحتِ لہجہ اور ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے اور پڑھتے وقت مجلسِ وعظ کے تمام گوشوں پر پوری توجہ سے نظر ڈالتے تھے۔ پھر ان احادیث کا فارسی میں ترجمہ کرتے تھے' وہ بھی پوری وضاحت' ترتیل اور آہستگی کے ساتھ بیان کرتے تھے' پھر ہندی (اردو کی ابتدائی شکل) میں احادیث اور موضوع کی مناسبت سے تقریر فرمایا کرتے تھے' جس میں مبالغہ نام کو نہیں ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے تھے۔ آخر میں آپ کا درس دو اسباق پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک تفسیر بیضاوی اور دوسرے مشکوٰۃ شریف باقی وقت توجہ الی اللہ یا خواصِ معتقدین سے معرفت کی باتوں میں گزرتا تھا۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس موضوع پر ایک محقق کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنی مجالس میں آپ نے کلامِ صوفیاء کے بہت سے مشکل مقامات حل فرمائے۔ شیخ معظم پھلتی کہتے ہیں کہ عہدِ اورنگ زیب کے اوائل میں مملکت کے ایک حصے

پرستنامی ہندوؤں نے قبضہ کر لیا، بادشاہ نے مقابلے کے لیے مسلمان فوجیں بھیجیں، مقابلہ اس قدر طویل ہو گیا کہ ان میں سے کوئی فریق مغلوب نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کے دل پریشان ہونے لگے۔ بعض معتقدین نے اس بارے میں حضرت شیخ سے دعا چاہی، جونہی آپ نے دعا کی تو قبول ہو گئی، کچھ وقت بعد آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اور ہندو پسپا اور ذلیل ہوئے ہیں۔ معتقدین نے اٹھ کر پورے شہر میں یہ خبر پھیلا دی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اورنگ زیب تک پہنچی، حیران ہوا کہ ہرکارے ابھی تک خبر نہیں لائے اور یہ افواہ کس نے پھیلائی ہے۔ تحقیق کرنے پر جب صحیح علم ہوا تو اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ آپ نے فتح کی پوری تفصیل اور واقعات بتلا دیئے، کچھ دنوں بعد اسی تفصیل سے لشکریوں نے بادشاہ کو آ کر فتح کا واقعہ بیان کیا۔

مَنُم حقیر گدایانِ عشق

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ ایسا موٹا کپڑا پہننا چاہیے جو ایک دو سال تک چل سکے، کیونکہ یہ تقویٰ اور وساوس کو دور کرنے میں بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک کشمیری کو آپ نے ایسا کپڑا لانے کو کہا، وہ انتہائی سخت اور موٹا پشمینہ لایا، آپ نے اسے آٹھ پہر پہنا، دوسرے دن نماز چاشت پڑھ کر بیٹھے تھے اور مجلس پر سکوت طاری تھا کہ آپ ہنس پڑے۔ راوی نے تبسم کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے الہاماً یہ پیغام بھیجا ہے کہ کیا ہمارے خزانے میں کمی ہو گئی تھی جو یہ کپڑے پہنے ہیں؟ تمہارے سارے مصارف ہمارے ذمے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ناز و نعمت سے رکھیں۔ یہ پشمینہ اتار دو، ہم ابھی ابھی ایک لباس بھیج رہے ہیں، جو تمہارے لائق ہو گا۔ آپ نے وہ پشمینہ اتار دیا اور وعدۂ الہامی کے مطابق انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ راوی کو باہر بھیج کر کہا کہ اگر دوہری بُنائی کا، اس رنگ کا اور ایسے پھولوں والا کپڑا ہو تو لے لینا اور کہنا کہ قبول ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لوٹا دینا، وہ کپڑا آپ کے فرمان کے مطابق نکلا، اسی وقت اسے پہنا اور شکر بجا لائے۔ اس واقعے کے بعد آپ بغیر قصد و ارادہ کے ہمیشہ اعلیٰ لباس پہنتے رہے۔ شروع شروع میں دو تین روز فاقہ بھی رہا، کھانے کو کچھ میسّر نہ ہوا۔ اس وقت ایک مخلص آیا اور عرض کی کہ میرے گھر میں طعام تیار ہے۔ قدم

رنجہ فرمایئے' آپ اٹھ کر چل دیئے۔ جب اس مخلص کے گھر پہنچے تو وہ اندر جا کر مستورات کو ایک طرف کرنے لگا' اس آدمی نے دروازے کے ساتھ چار پائی کھڑی کر رکھی تھی' جس کے گرنے سے حضرت شیخ کو سخت چوٹ لگی اور بے ہوش ہو گئے' افاقہ ہونے کے بعد جلدی اپنے گھر واپس لوٹے اور فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے مجھے تنبیہ ہے کہ آئندہ حصولِ رزق کے لیے سعی وتلاش نہیں کرنی چاہیے۔ کفیلِ حقیقی پر بھروسہ کر کے اس کی نعمتوں کا منتظر رہنا چاہیے۔ اس واقعے کے بعد انتہائی ضرورت کے علاوہ آپ کسی کے گھر بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے۔

جسے اللہ رکھے

حضرت شیخ ابتدائی ایام میں ایک دن مراقبۂ صبح کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیے میں جا کر گم سم بیٹھ گئے اور چاہا کہ ظہور عصمتِ حق کی کیفیت کا تماشا دیکھیں' جب بھنگ فروش نے بھرا ہوا پیالہ آپ کی طرف بڑھایا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ انہیں مت دو۔ دو چار مرتبہ یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ نماز کا وقت آ گیا تو آپ کے دل میں اضطراب اٹھا' مگر ضبط کر کے بیٹھے رہے' اس نواح کی مسجد کا امام بھی وہاں موجود تھا' جو خیر سے خود بھی بھنگ نوش تھا' فوراً اٹھا اور آپ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ آپ نے بہت چھڑانا چاہا' مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا اور وضو کرا کے آپ کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس واقعہ سے آپ کا دل مطمئن ہوا کہ یہ عفت وتقویٰ ایسا امرِ معلوم ہے کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے' بغیر اختیار کے اسے کاتب تقدیر اس حالت پر قائم رکھے گا۔

بادشاہِ حقیقی کا انصاف

سننے میں آیا ہے کہ رستم اور اسد اللہ نے جب پھلت والوں کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں تو انہوں نے ان کی تباہ کاریوں کی کچھ باتیں حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیں اور چاہا کہ آپ عاقل خاں کو ان کی مدد کے لیے رقعہ لکھ دیں' ایک دن نمازِ اشراق کے بعد آپ کی حالت بدل گئی اور جوش میں آ کر کہنے لگے کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری تکالیف عاقل خاں تک پہنچاؤں۔ مگر تمہاری حالت بادشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض کروں۔ یہ کہہ کر آپ نے

توجہ فرمائی اور ان دونوں شخصوں کی ہلاکت کا مژدہ سنایا' راوی دکن میں بادشاہ سے ملا تو ان دونوں کو قید کر کے بادشاہ نے لشکر کے حوالے کیا ہوا تھا' کچھ دنوں بعد وہ دونوں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے' پہلے رستم بیمار ہو کر مرا اور پھر اسد اللہ مبتلائے مرض ہوا' لشکر خاں نامی ایک مرد مشہور نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ راوی نے کہا: مجھے تو دونوں کو دفن کرنے کا حکم ملا ہوا ہے' کچھ دنوں بعد دوسرا بھی کیفر کردار کو پہنچا۔

عاشقم برقہر و بر لطفش بجد

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مظفر رہتکی سے سنا ہے' وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھ پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں روتا اور آہیں بھرتا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بابا! طالبانِ خدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے طالبین کو وہ فرحت و شادمانی کی راہ سے اپنی طرف بلاتا ہے اور ایک گروہ کو غم و اندوہ کی منزلوں سے گزار کر قرب بخشتا ہے۔ گویا غم و اندوہ ازلی دین ہے۔ حضرت شیخ پر غم و اندوہ اور رونے دھونے کی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ ہمیشہ خوش دل اور باغ و بہار رہتے تھے۔

ان سے یہ بھی سنا کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی سالک کے باطن پر اپنی صفاتِ زجر و توبیخ کی تجلیات کا ظہور فرمائے اور وہ راہِ طریقت کے سالک سے معمولی اور بڑے اُمور میں مواخذہ شروع کر دے اور صبر و برداشت کی قوت اس میں باقی نہ رہے تو اسے چاہیے کہ دنیوی امور اور تلاش معاش میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح اس کے عتاب کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔

مدارِ شریعت ظاہر پر ہے

شیخ مظفر رہتکی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ میں شروع شروع میں جب رہتک سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو تحفۂ نبات بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا تھا' جسے آپ قبول نہیں فرماتے تھے' کہتے تھے کہ دیہاتوں اور قصبات کی خرید و فروخت اور ماپ تول شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے یہ تحفہ لانا چھوڑ دیا۔ البتہ آپ کے بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ تھما دیتا تھا اور تھوڑی سی نبات بھی رسمِ ہدیہ پوری کرنے کی خاطر ان بچوں کو دیا کرتا تھا۔ آخر میں ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبات کے دو مرتبان

حضرت والا کے بچوں کو دیئے۔ وہ آپ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اس میں سے کچھ نکال کر تناول فرمائی۔ اس واقعے کے بعد ایک دن مجھے فرمانے لگے: ہم نے تمہاری نباتیں کھائی ہیں، ہاتھ اٹھائے اور حسب حکم شرع وسوسہ مٹانے کے لیے اس پر ہلکا سا تھوکا[1] اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اس تورّع اور تقویٰ سے گزر چکے ہیں، جو انسانی امکان سے بھی زائد تھا، اب ہمیں ظاہر شریعت جو کچھ حکم دے گی، اس کے لینے میں عار محسوس نہیں کریں گے۔

دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ روگ داس کے واقعے سے جب رہتک کا گردونواح ویران ہو گیا تو میں کئی خاندانوں کو لے کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ ان دنوں تمام دیہاتی لوگ درندے بن چکے تھے۔ میرے قافلے کے بہت سارے خاندان، عورتوں اور مال و متاع کے ساتھ بجز میرے اور کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا۔ خلافِ توقع ہمارا سارا سفر امن سے گزرا۔ ہاں! البتہ ایک مقام پر دیہاتی لٹیروں نے جمع ہو کر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو میں نے کمان کا چلّہ چڑھا کر ان پر حملہ کر دیا، وہ شکست کھا کر اپنے خیموں یا چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ جب میں حضرتِ والا کی خدمت میں پہنچا تو خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا کہ ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے، تمہاری حفاظت اور مدد کرتے رہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ جب دیہاتیوں نے حملہ کرنا چاہا، اس وقت تم اکیلے تھے اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے فلاں آفت کو ان کے منہ میں دیا، جس سے وہ ہیبت زدہ ہو کر اپنے چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

یہ رہتکی معتقد یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اکثر اوقات لوگ آپ سے واضح مسائل کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے۔ ایسے میں حضرتِ والا اپنی آنکھیں بند کر کے سوچنے لگ جاتے اور کچھ دیر کے بعد جواب بیان فرماتے، کسی ہم مجلس نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا کہ جب یہ لوگ سوال کرتے ہیں تو، بے حد و حساب جوابات میرے سامنے پیش ہو جاتے ہیں۔

[1] اصل نسخے میں عبارت یوں ہے: ''و براہ وقف زوند'' میں نے اسے براو تُف زند سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (سید فاروق)

اس وقت میں اسی سوچ و بچار میں لگ جاتا ہوں کہ کون سا جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہو سکتا ہے۔

اتباعِ سنت میں آپ کا مقام

یہی راوی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ جب مسجد میں داخل ہونا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنا بایاں قدم مبارک جوتے سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے۔ پھر دایاں قدم نکال کر مسجد میں رکھتے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس صورتِ حال سے مقصود یہ تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''الیمنی اولھما تنعل واخرھما تنزع'' (بخاری، کتاب اللباس: ۱۳۰، ج ۴، مطبوعہ مصر) (جوتا پہنتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کیا جائے اور اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالا جائے)۔ دوسری حدیث یہ کہ ''کان النبی ﷺ یحب التیامن فی شانہ کلہ'' (آنحضرت ﷺ ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے) حضرت شیخ کا یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

برکاتِ نسبت

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے سلسلۂ عالیہ میں منسلک ہو گیا اور مجھ پر توجہ فرمانے لگے تو مجھ پر اسرارِ توحید کھلنے لگے، انہی ایام میں کم وبیش تین روز میرا علم اَنا مظہر مقید سے علیحدہ ہو کر بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ حضرت شیخ نے شیخ عبد الحفیظ سے فرمایا کہ مجھے حجرے میں بند رکھ کر میری حالت کی نگرانی کرے، میں ان ایام میں کہا کرتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسا دوں، چاہوں تو مار دوں، چاہوں تو زندہ کر دوں۔ حضرت شیخ اس عالم میں انتہائی ادب و انکساری کا مظاہرہ فرماتے تھے اور کہتے کہ جن لوگوں پر یہ عالم طاری ہو ان کا یونہی ادب کرنا چاہیے۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرتِ والا نے مثال کے طور پر ہندی دوہا پڑھا

کنتھا رن موں تیہ کہ کھاندا باہ نسنگھ! با مچہ چڑ بھی ژندا پانا نچہ چڑھ کلند

یہی شیخ مظفر رہتکی کہتے ہیں کہ اہل رہتک کا ایک گروہ کسی تقریب سے دہلی آیا تو ایک دن ارادہ کیا کہ جماعت کی صورت میں حضرت شیخ کی زیارت کو جائیں۔ راستے میں ایک

شخص نے حضرت کی کرامتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دوسرے نے کہا کہ ایسی کرامتیں تو بہت سے لوگ سنایا کرتے ہیں، لیکن جب تک آنکھ سے نہ دیکھیں تصدیق نہیں کر سکتے اور مثال میں یہ ہندی دوہا پڑھا:

جب لگ نہ دیکھوں اپنی پننا تب لگ نہ پجوں کر کے بنیا

اور کہا کہ میں تو جب مانوں کہ آج مجھے نان وحلوہ دیں، جب یہ لوگ پہنچے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ حسبِ ضرورت ہر ایک سے لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آئے اور پھر گھر سے حلوہ روٹی منگوائی اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ خاص اسی کا حصہ ہے اور وہی دوہا زبان پر لائے کہ ۔ جب لگ الخ۔

بارگاہِ اولیاء میں حاضری کے آداب

فقیر ولی اللہ نے سید عمر حصاری سے سنا ہے کہ ایک دن آپ خوبصورت سی ملیح رنگ چادر اوڑھے ہوئے ہرن کی خوشنما کھال پر تشریف فرما تھے۔ وہ چادر اور کھال میرے دل میں کھب گئیں، ویسی چادر اور کھال کی تلاش وتجسّس کا شوق میرے دل میں اٹھا۔ اس خیال کو جس قدر جھٹکتا دور نہ ہوتا۔ حضرتِ والا جب مجلس سے اٹھے تو مجھے فرمایا کہ بیٹھو تم سے ایک کام ہے۔ اس کھال پر شیرینی کے دھبے لگے ہوئے تھے، انہیں اپنے ہاتھ سے دھویا، چادر اور ہرن کی کھال کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا: اولیاء کی مجالس میں ایسے خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں۔

یہی راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ، شیخ عبدالاحد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر شیخ عبدالاحد نے پوچھا کہ فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں فرشتوں کو جھگڑتے دیکھا ہے۔ ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ فلاں صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے اور دوسرے نے کہا: وہ شریعت پر کاربند نہیں، ایسا دل کس کام کا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ شخص ایک بزرگ تھا، جو اپنے زمانے کے بہت سے بزرگوں کا مُعتقد تھا، مگر اس کی باتوں میں پھکڑ پن زیادہ ہوتا تھا۔

شاعر گلشن[1] دہلوی کا واقعہ

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اپنے زمانے کے شاعر گلشن سے سنا ہے کہ شورشِ عشق اور طلب سلوک کے ابتدائی ایام میں ایک دن میں اپنا منہ کالا کر کے کوچہ و بازار میں پھرنے لگا۔ جب محلہ فیروز آباد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جوتیوں میں جا بیٹھا۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح رسوائی کے خطرات مول لیتے ہیں اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ خدا کے لیے کر رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ اولیاء کی مجلس میں آتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس گروہِ روشن ضمیر پر ان کے سارے بھید آشکارا ہیں' پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: سرِ دست چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دلی خیالات کی قباحت بھی محسوس کی۔

تصرّف شیخ

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو زمانہ طفولیت میں جب جھولے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا چلتا رہتا تھا' لوگ یہ دیکھ کر تعجب کرتے تھے' یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبداللہ نامی ایک جن آپ سے علوم و معارف کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا ہے' اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر روشن کر

---

[1] آپ کا پورا نام شیخ سعد اللہ گلشن دہلوی ہے۔ برہان پور کے رہنے ولاے تھے' مگر بعد میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی' خود شاعر اور استاذ الشعراء تھے۔ آپ شیخ عبدالاحد سرہندی المعروف بہ شاہ گل موحدت کے خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے عُرف شاہ گل کی مناسبت سے اپنا تخلص گلشن رکھا۔ تارک الدنیا بزرگ تھے' آپ کی وفات ۱۷۲۶ء' ۱۷۲۷ء میں ہوئی' مزار دہلی میں ہے' نمونہ کلام یہ ہے:

بدرش رفتہ سجدہ ہا ہر کردم — منت پائے ماست بر سر ما

(رودِ کوثر)

سخت جاناں نیستند از چارہ سازاں کامیاب — مومیائی نفع کے بخشد شکست سنگ را

سید محمد فاروق غفرلہٗ

دیئے جاتے ہیں' ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصے میں اپنی تلوار نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا' میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرّف ڈالا تو اسے آگ نظر آئی' قریب تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو جاتا کہ اس نے توبہ وزاری کی اور میں نے اسے ہلاکت سے بچالیا۔ یہ بھی سنا ہے کہ مسجد میں نماز کے لیے ایک عورت کا جنازہ لایا گیا' تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی روح ابھی بدن سے جدا نہیں ہوئی' ایسی صورت میں اس پر نماز جائز نہیں۔ ورثاء نے اصرار کیا کہ یہ مر چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں مری' آخر الامر اس کا منہ کھول کر دیکھا گیا کہ زندگی کے آثار باقی تھے۔ اسے واپس لے گئے اور وہ دوسرے دن فوت ہوئی۔

وسعتِ علومِ اولیاء

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بُری عادت میں مبتلا تھا' آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی' مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادتِ بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا: تجھے بارہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی' شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا! اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں سو خیالات آئیں' تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی بُرائی سے توبہ کی۔

ھو یطعمنی

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں روزے سے تھا کہ بھوک اور پیاس نے مجھے سخت تنگ کیا۔ اسی حالت میں ذکر کرتے ہوئے مجھ پر غیبت اور استغراق کا عالم طاری ہوا۔ میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا اور میں نے وہ پی لیا' جب ہوش آیا تو اپنے منہ سے دودھ کے قطرات ٹپکتے ہوئے محسوس کیے۔ یہ دیکھ کر روزہ ٹوٹنے کا خوف پیدا ہوا تو دل میں الہام ہوا کہ یہ غذا تیرے اختیار کے بغیر محض ارادۂ الٰہی سے ملی تھی اور یہ عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے' اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

غرورِ علم سے سرشار عالم بارگاہِ فقیر میں

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث وتکرار اور مذاکرہ سے انتہائی دل چسپی رکھتا تھا۔ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام فاضل علماء کو مغلوب کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا: سنا ہے کہ وہ عوام کو تفسیر حسینی پڑھ کر سناتے اور اسی سے وعظ کہتے ہیں۔ وہ کوئی صاحب فضیلت نہیں ہیں۔ میں نے کہا: نہیں' ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کا کمال علم اور سیرت تم پر واضح ہو سکے۔ اگلے جمعہ وہ مجلسِ وعظ میں آیا اور اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مناظرہ کرے۔ حضرت شیخ نے اس کے خیالات سے مطلع ہو کر تاثیر کے ذریعے اس کا علم سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ اور علوم بجائے خود صرف ونحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظے میں نہ رہا اور آپ کا کلام سمجھنے سے عاجز ہو گیا۔ سمجھ گیا یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے۔ نادم ہوا' توبہ کی اور خلوصِ دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گریہ وزاری کی۔ حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا اور پہلی حالت بحال کر دی۔ اس نے اظہارِ نیازمندی کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عالم نہیں' صرف تفسیر حسینی سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ نیازمندی کرنے لگا اور کہا کہ اپنی بات اور عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت کر لوں۔ حضرتِ والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آ سکتیں۔

کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

رحمت اللہ کفش دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوتِ جذب اور شیخ کی گرمی نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں' مگر کسی کی قوتِ باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحیں نکال تو لیتے ہیں مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے' مگر رسول اللہ ﷺ نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ ایسی تربیت اور قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں

کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں۔ عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی اور میں زمین پر گر کر مر گیا اور مجھے اس عالم کا کوئی شعور نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔ آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ؟ اس نے سوچ کر کہا کہ مردہ ہے۔ فرمایا: اگر تو چاہے تو اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو اسے زندہ کر دوں۔ کہنے لگا: اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہوگی۔ آپ نے مجھ پر دوبارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین مجلس حضرت شیخ کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

خطرات قلب پر اطلاع

حضرت شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ آپ کی مجالس اور صحبت میں ہم لوگ تصوف و عرفان کے بارے میں کثرت سے زبان پر سوالات نہیں لاتے تھے بلکہ اپنے اپنے سوالات دلوں میں لے کر بیٹھ جاتے تھے' جب بھی کسی کے دل میں کوئی شبہ' سوال' یا خیال وارد ہوتا تو آپ اس سے مطلع ہو کر فوراً جواب دیتے' پھر بھی اگر شک باقی رہتا تو دوبارہ جواب دیتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

علم ظاہر اور علم باطن کا فرق

سننے میں آیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت شیخ دونوں سے استفادہ کیا تھا اور مسئلہ توحید کے بارے میں وہ مطمئن نہیں تھا۔ اس بارے میں مُلّا یعقوب کی باتیں آپ تک پہنچاتا اور آپ کی باتیں ملا یعقوب تک' جب اس معاملہ نے طول پکڑا تو ایک دن ملا یعقوب نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور بالمشافہ گفتگو کر کے مسئلہ توحید کے بارے میں آپ کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہوں' جب وہ حضرت شیخ کی مجلس میں پہنچا تو ایسا چپ ہوا کہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تو لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ ملا نے کہا: جب میں آپ کی مجلس میں پہنچا تو میرے تمام علوم سلب ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں ابجد بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ ابو الرضا کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات

رؤیتِ نبوی ﷺ

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مجلس ذکر میں بیٹھا ہوا تھا' وہاں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں' جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ آنکھ کھلنے پر کچھ محسوس نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ مجھے یہ مشاہدہ عالم مثال میں کرایا گیا اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی کیفیت مختلف حالات میں دیکھنے والوں کے مختلف احوال کے سبب مختلف ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں' ہر شخص کو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے' لہٰذا بدعتی آنحضرت ﷺ کو ایک مریض کی شکل میں دیکھتا ہے گویا بدعتیوں کو دیکھ کر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں' حالانکہ اسی لمحے ایک خالص سنّی آپ کو جواں صورت اور انتہائی خوش و خرم شکل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا مشاہدہ جو اپنی ذات میں ترقی و تنزلی بلکہ ہر قسم کی قید سے پاک ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ جب بھی کوئی شخص حقیقت یا خواب میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کسی صورت اور ہیئت میں دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ شیشہ شکل و صورت کی قید میں آ گیا ہے' نہیں نہیں شیشہ تو اپنی اصلی حالت میں ہے' یہ سب اشکال اور صور کی قیود دیکھنے والے کی خود پیدا کردہ ہیں۔

نکتہ شیخ اکبر

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی قدس سرہٗ کو ان چار راتوں میں متواتر خواب میں دیکھتا رہا ہوں اور ان کے عجیب مقامات اور پسندیدہ نکاتِ معارف سے مطلع ہوتا رہا۔ ان

صحبتوں میں ان سے سنا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا اس کی ذات کے رعب داب کے اعتبار سے یعنی اس کے تصرفات کی وجہ سے ایک اسم ہے اور وہ ہے کہار' آپ نے فرمایا: میں نے اس واقعے سے پہلے یہ اسم کہیں بھی نہیں سنا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک کہر اپنے عربی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے' اور ایک قرأت میں ''اما الیتیم فلا تکھَرْ'' بھی پڑھا جاتا ہے اور حدیث میں آتا ہے ''فو اللّٰہ ما کھر نی و لا ضربنی'' اور لفظ قہر کا مرجع اور حقیقی منشا اپنی تمام مدد واعانت سے ہاتھ کھینچ لینا اور تباہی کی عمیق غاروں میں کسی کو گرا دینا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق کی بناء پر کہر ذات (بکاف عجمی) ہی مناسب رہے گا' جو ذاتِ حق کے رعب وتصرف کا لازمی خاصہ ہے اور کافِ عجمی کے ساتھ اسم کہار کا اطلاق ذاتِ باری پر صحیح ہوگا اور صیغۂ کہارۃ کا استعمال محض اس جہت سے کیا جائے گا کہ اسے لفظ صرافت یعنی تصرف ورعب حق پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

بعض دعاؤں کے عجیب اثرات

فرمایا: ایک دفعہ میں دعا میں مشغول تھا کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ میری طرف پیٹھ کر کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے' میں یہ دیکھ کر حیران ہوا تو میرے ضمیر میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے' جو تیری اس دعا پڑھنے کے نتیجے میں تیری حفاظت کرتا ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ فرشتے نے آپ کی طرف پیٹھ اس لیے کی ہوئی تھی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالم ناسوت کا دوسری جانب۔

لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء

فرمایا: میں نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ ''قال رسول اللہ ﷺ حسنات الابرار سیات المقربین'' (طبقہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں)۔ کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ جمہور علمائے محدثین نے اس حدیث کو قولِ سلف قرار دیا ہے' مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔

منازلِ ایمان

فرمایا: ایمان کی بھی ایک حد مقرر ہے یعنی مؤمن جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اس کا

ایمان ہرگز سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اعمال کی بھی ایک حد مقرر ہے۔ جب اعمال اس حد تک پہنچتے ہیں تو وہ مردود قرار نہیں دیئے جا سکتے اور ایمان کی کم سے کم حد یہ ہے کہ مؤمن اپنے سینے میں نورِ ایمان کو ظاہراً محسوس کرے۔ پھر فرمایا کہ ایک رات میں نے اپنے سینے میں نور دیکھا جو چراغ کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی نور کی روشنی میں میں نے اپنے گھر کا ساز و سامان اور کونے کھدروں کو بخوبی ملاحظہ کیا۔ اسی اثناء میں خداوند تعالیٰ نے الہام کیا کہ ایمان کا وہ ادنیٰ درجہ جو میرے نزدیک مقبول ہے' یہی ہے' اسے میں سلب نہیں کرتا' اس لیے کہ کفر و نفاق کے بعض دبیز پردے اس قدر نورِ ایمان سے اٹھ چکے جاتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک نورِ ایمان طہارتِ کاملہ اور اطاعت حق کے نور سے عبارت ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے موقع و محل پر بیان کیا ہے۔

مقامات بایزید اور سید الطائفہ رحمہما اللہ

فرمایا: ایک دفعہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میرا دایاں پاؤں شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرا بایاں پاؤں سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا ہے۔ اسی عالم میں مَیں نے شیخ بسطامی رحمہ اللہ کی طرف نگاہ کی تو انہیں غیبت کاملہ کے مقام پر پایا اور شیخ جنید رحمہ اللہ کی طرف دیکھا تو انہیں بے خودی و مدہوشی سے بے نیاز زمان و مکان پر حکمران (ابوالوقت) پایا اور میں نے اپنی حالت ان دونوں کے درمیان (غیبت و حضور سے معمور) پائی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذب و سلوک کے منازل پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ حضرت شیخ بسطامی اہل سکر سے تھے اور شیخ جنید اہل صحو سے' سکر کو جذب کے ساتھ اور صحو کو سلوک کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔

مقام فنا فی اللہ

فرمایا: ایک مرتبہ مَیں اپنے اسماء و صفات کی طرف متوجہ ہوا تو ننانوے ناموں سے بھی زیادہ پائے' کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے' پھر اور تجسس کیا تو اپنے اسماء و صفات کی کوئی حد و شمار نہ پائی' جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو پیدا بھی کر رہا ہوں اور مار بھی رہا ہوں' اربابِ ولایت کبریٰ پر ایسی حالتیں اکثر گزرتی رہتی ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا وجود تمام قسم کی استعداد اور قابلیت کا جامع ہے' جس انسان کے اندر نقطۂ وجود زندہ و بیدار اور تدبیر کلی جو تمام اُمور کونی پر غور و فکر کرنے والی طبیعت کا مقتضیٰ اور خاصہ ہے' موجود ہو اور وہ انسان صاحبِ دل ہونے کی وجہ سے روئے روشن بھی رکھتا ہو تو اس کی زبان سے اس نقطۂ وجود کے معارف اور تدبیر کلی کے انکشافات عیاں ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسۂ خاص سے تمام کائنات کے مخفی گوشوں کو دیکھتا رہے گا۔

خواب اولیاء

فرمایا: میں بیس سال سے نہیں سویا' لیٹ جاتا ہوں' چادر اوپر تان لیتا ہوں' لوگ سمجھتے ہیں سو رہا ہوں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب' غفلت اور ذہنی تعطل کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں دور کر دی گئی تھیں۔

اتباع سنت ہی ذریعۂ نجات ہے

فرمایا کہ آدمی کی نجات عقائد میں کمی بیشی کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں ہے جیسا کہ متقدمین اہل سنت کا مذہب ہے' بجز اس آدمی کے جسے کوئی صاحبِ کشف بعض عقائد و اعمال کی تفصیل اور تحقیق سے متنبہ کر دے۔

علوم صوفیاء

فرمایا: صاحبِ تحقیق متکلمین (فلاسفہ) حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان تبائن سے ایک ایسا معنیٰ مراد لیتے ہیں جسے قبول کر لینے سے صوفیاء کی تحقیقات پر کوئی زد نہیں پڑتی اور اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف ہے۔ فلاسفہ قدیم کے کلام کو حقائقِ صوفیاء پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیاء کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفاء کرنا ہے اور اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے' بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ نے صرف چند چیزوں پر اکتفاء کر لیا ہے اور بعض سے صرفِ نظر کیا۔

اعتقادِ توحید

فرمایا کہ توحید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی برہان سے ثابت ہے' اسیرانِ وہم وگمان کے اختلاف اور شکی الطبع لوگوں کی ناسمجھی و بےغوری کے سبب پھرنا نہیں چاہیے۔

ولایتِ حقیقیہ

فرمایا: عاداتِ بد سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور تہذیب اخلاق سے اگرچہ آدمی فرشتہ بن جاتا ہے' مگر کمال ولایت کی نسبت یہ کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذکر میں فرمایا: ''**وما منا الا له مقام معلوم**'' (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ مقرر ہے) مذکورہ صفات والا آدمی عنایاتِ الٰہی کا مستحق اور خوارقِ عادات کا مظہر بن سکتا ہے کیونکہ ایسی کرامات عادتِ بد سے بچنے اور اطاعت الٰہی کے اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں مگر ایسا صاحب کرامت ابھی ولایتِ حقیقیہ سے بہت دور ہے کیونکہ یہ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے اور ایسا آدمی جو خود بین ہو' سالکانِ طریقت میں کیسے شمار ہو سکے گا؟

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک آیۂ کریمہ ''**وما منا الا له مقام معلوم**'' کی رو سے ملائکہ کے مقامات و مدارج محدود اور مقرر ہیں اور صاحب ولایت خاصہ کا مقام جو تجلی ذات کے شرف سے مشرف ہو' کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا۔

بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق

فرمایا: بہترین مجاہدہ و ریاضت کھانے پینے میں حدِ اعتدال قائم رکھنے کے ساتھ علی الدوام توجہ الی الحق میں پوشیدہ ہے' یہاں تک کہ اس عمل کو عادت بنا لیں۔

العلم حجاب الاکبر

فرمایا کہ جب حضور قلب حاصل ہو تو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے یہ نعمت زائل نہیں ہوتی' ہاں! البتہ تعلیم و تعلم اور باریک علوم میں مشغول ہو جائے تو حضور قلبی میں کچھ خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے۔

فرمایا: جسے حضور قلب کا ملکہ بایں طور حاصل ہو جیسے آنکھ میں بصارت تو اسے علوم و فنون کے شغف سے بھی کوئی حجاب واقع نہیں ہوگا۔

شیخ یاقوت عرشی کی وجہ تسمیہ

فرمایا: شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہے کہ انہوں نے ارض و سموات اور حدوث و امکان سے گزر کر عرشِ وَحدَت (مقام وحدت) سے دائمی وابستگی حاصل کر لی تھی، ورنہ دل کا مستقل طور ہی سہی عرش کی طرف متعلق اور متوجہ ہونا کوئی کمال نہیں کیونکہ اہل تصوف کا پہلا قدم ماسوائے حق اور جملہ عرش و مافیہ کے خیالات سے گزر جانا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت عرش کے ساتھ اس سبب سے نہ ہو کہ ان کے علم کا حدود اربعہ ان کی بلند ہمتی کے سبب عرش حق ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی کرتی ہے بلکہ یہ نسبت ان معنوں میں ہو کہ تجلی ذاتِ کے بعد وہ اور عرش ایک ہو کر رہ گئے' اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا وجود بھی انوار و تجلیات حق کا مظہر اتم بن گیا۔

آپ اس مشہور شعر کے معنی میں فرمایا کرتے تھے:

اگر تو پاس داری پاس انفاس بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(اے سالک! اگر تو پاس انفاس کی حفاظت کرے تو اس مجاہدہ کی بدولت تجھے سلطنتِ حقیقی پر فائز کیا جائے گا) یعنی سالک کو چاہیے کہ ہر سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور بارگاہِ وحدیت سے دوسری طرف نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوگا کہ سالکِ میدان توحید میں خوب غور و فکر کرے' یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات اتار کر حق سبحانہ' کی ذات کا وہ قرب حاصل کرے کہ مقام بقا پر فائز ہو کہ بادشاہ کہلائے۔ نفی سے مقصود غیریت متوہمہ (ماسوائے حق کی وہ شکلیں جو وہم کی بدولت صورت پذیر ہوتی ہیں) کو دور کرنا ہے اور یہ نعمت سالک کو بحر وحدت میں مستغرق ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مشاہدۂ حق

فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ کے نزدیک منزل سلوک میں تمام اُمور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر لمحہ اور ہر حالت میں حق سبحانہ' کا مشاہدہ مظاہر کائنات میں کرے' یعنی وہ یہ تصور کرے کہ وجودِ باری کی حقیقت' مختلف اور کثیر صورتوں کے ذریعے قید و اطلاق کی صفات میں منعکس ہو کر جو دکھائی جا رہی ہے' اس کا وجود حقیقی نہیں' بلکہ اعتباری ہے' کیونکہ قابل اعتنا

اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ تمام حجابات ختم کر کے سالک احدیت کے سورج کو تعینات کے پہاڑوں میں طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ اسی مقام سے سالک پر حقیقتِ مخفی کے تمام رموز منکشف ہونے لگ جاتے ہیں۔ ہاں! اگر اس منزل میں سالک پر مایوسی اور رنج وغم کے آثار ہویدا ہوں تو کوئی بات نہیں البتہ مظاہر میں معیت حق کا مطالعہ اس انداز سے کرتا رہے کہ ایک بسیط نور نظر آ رہا ہے جو ہر چیز سے اول ہے اور مثالی صورتوں اور خیالی ہیولوں سے تجاوز کر کے وہ نورِ بسیط ایک حقیقتِ ثابتہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اَنا کی اوٹ میں شمسِ احدیت کا نظارہ دراصل مقاماتِ جذب کی روح اور جان ہے اور مظاہرِ کائنات میں معیتِ حق کا مشاہدہ مقاماتِ سلوک کی نسبتوں میں سے ایک نسبت۔

بشری خصوصیات کی وجوہات

فرمایا: لڑائی، جھگڑا، صلح پسندی، غصہ اور اس قسم کی تمام بشری خصوصیات مختلف قویٰ کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی انہی قوتوں کے ٹکراؤ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انسانی مزاج کی انہی مختلف النوع قوتوں سے کام لینے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر انسانوں کو تکالیف شرعیہ کا پابند بنایا گیا۔ اس کے ثبوت میں کہا جا سکتا ہے کہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبودار چیزوں کو بھی انتہائی لذت اور خوشی سے استعمال کر لیتا ہے اس وجہ سے کہ اس وقت وہ اپنے بعض بشری قویٰ سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک قویٰ سے مراد مختلف النوع مخلوق اور افراد انسانی کی استعداد اور کارکردگی کی قوتیں ہیں مثلاً انسان کی صورتِ نوعی نطق، راست قامتی اور قابل توجہ چہرہ کی مقتضی ہے اور گھوڑوں کی صورت نوعی ہنہنانے، خمیدہ قامتی اور بال دار چہرے مہرے کی مقتضی تھی۔

الصوفی ھواللہ

فرمایا کہ عالم امکان کے حجابات اور قوت وہمیہ کی انانیت سے چھٹکارا پانا منزلِ عرفان کا پہلا قدم ہے اور کہنے والے نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

الصوفی ھو اللہ جب ممکن اپنے وجود سے اپنے امکان سے گردوغبار جھاڑ دے گا تو ذاتِ واجب الوجود کے سوا اس میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔

فرمایا: وجودِ حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوتا ہے اور جو کچھ بھی سمع و بصر اور تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے وہ ان تمام (قوئ وصفات) کی صلاحیت کی مقدار سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے مقام پر جب کوئی مبتدی خود کو علیحدہ سمجھتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے تو وحدت میں متردد ہو جاتا ہے اور جوں ہی اسماء وصفات کے سایوں سے خود کو نکال لیتا ہے تو تمام تر اعتراضات وخیالات رفع ہو جاتے ہیں جو خود محجوب نہیں وہ بغیر اعتبار قوئ کے حقیقتِ وجود کو پاسکتا ہے۔

بصارت اور بصیرت

فرمایا کہ بصارت (ظاہری بینائی) دراصل بصیرت روح (حقیقی بینائی) ہی کا اثر ہے مگر مخصوص فاصلے اور جہات میں مقید ہے کہ یہ فاصلہ و جہت نہ تو غایت درجہ دور ہے اور نہ قریب یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے سبز رنگ کا چشمہ لگا رکھا ہو اور اسے تمام ماحول سبز دکھائی دے۔ جب بصیرت کی قوت وادراک حاصل ہو جائے تو یہی بصارت اس کے تابع فرمان ہو کر جہت ومسافت کی تمام قیود سے بری ہو جاتی ہے۔

علمائے ظاہر کا نزاع لفظی

فرمایا کہ معتزلہ اور شیعہ رؤیت باری کا انکار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ رؤیت جہت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ مکمل انکشاف حجابات کے اٹھنے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے (گویا ظاہری بینائی محدود ومقید ہے اور حدود وقیود کے اٹھنے پر ہی دیدارِ حق ہو سکتا ہے) اور اہل سنت بغیر کیف وجہت رؤیت کے قائل ہیں اور اسی کو عین انکشاف گردانتے ہیں نتیجۂ دونوں گروہوں کے ہاں لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اولیاء اور دیدارِ باری

فرمایا کہ اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کہ دوسروں کو قیامت میں عطا ہو گا وہ ذات باری کو واشگاف اور اشکال سے منزہ بالکل روزِ قیامت میں دیدارِ حق کی طرح (دنیا ہی میں) اچکتی ہوئی بجلی کی صورت میں دیکھتے ہیں اور ان میں سے بعض اس سے بھی زیادہ

اور کچھ تو متواتر دیدار عالم کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ''لم اعبد ربًا لم أره'' (میں جس خدا کی پرستش کرتا ہوں اسے دیکھتا ہوں)۔

حقیقتِ بیعت

فرمایا: اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے سے مراد عمل اور تسلیم کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب تک کوئی ان کی ریاضتوں اور اطوار کو نہ اپنائے' چاہے کوئی کتنا بھی ظاہری ارتباط پیدا کر لے' اسے داخل سلسلہ نہیں کہا جا سکتا۔

تجلی ذات کی دولت

فرمایا کہ ہمارے زمانے کے عرفاء کا یہ حال ہے کہ انہیں تجلی ذاتی کی دولت حاصل نہیں' ورنہ وہ کبھی اپنی اور آل اولاد کی اغراض کی خاطر سلاطین وامراء کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہ سمجھتا ہے کہ تجلی ذاتی کا اطلاق بعض جگہوں پر اس کے متعلقات وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ تجلی ذات سے مراد کمالِ تدبیر کا انکشاف ذات باری کے قہر اور ارضی وسماوی اسباب کی تدبیر کا جان لینا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ جب چاہے اور جس چیز کو جہاں چاہے ظاہر فرما سکتا ہے۔ اس (عارف) کو توکل علی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

تعصب راہِ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے

فرمایا کہ راہِ وصول کی سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے۔ حضرت شیخ صوفیاء کے اس قول کہ جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو' افادہ واستفادہ کا ظہور نہیں ہو سکتا کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب سے اخذ کیا جائے اور بغیر اس کے دوسری طرف التفات نہ کرے' چاہے وہ غوث وقطب ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی قیاس آرائی سے اس کی (مرشد) افضلیت سب پر مقدم جانے۔

فرمایا کہ یہ بات عارف کے شایانِ شان نہیں کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف پھیر لے اور اس کی توجہ اس کے اپنے شیخ سے ہٹا دے اور اگر اس موقع پر مرید التجاوزاری کرے تو بھی اسے اس کے شیخ کے حوالے کر دے لیکن اگر اس کا شیخ کسی دوسرے شہر چلا

جائے یا واصل بحق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا کہ صحابہ کرام کا انکار یا ان کو بُرا بھلا کہنا ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں بلکہ یہ ان پر افتراء ہے۔ ابن عبد البرّ کے اس قول کی توجیہ میں کہ بعض تابعین کی بعض صحابہ رسول پر فضیلت جائز ہے' فرماتے تھے کہ روحانی صحبت کی فرمانبرداری جسمانی صحبت کی فرمانبرداری سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ابن عمامہ بھی صحابہ میں سے ہیں اور ان کی صحبت روحانی ہے جو کہ مؤثر تر ہے۔

لفظوں کے پُجاری علماء

فرمایا کہ میں نے عرفاء وعلماء کی ایک بہت بڑی محفل میں مسئلہ وحدت الوجود ثابت کر دکھایا۔ عقائد متکلمین پر مبنی عبارات کے حوالے پیش کئے اور عقلی ونقلی دلائل دیئے مگر اس تمام بحث کے دوران ''وحدۃ الوجود'' کی اصطلاح کو لفظاً ذکر نہ کیا۔ انہوں نے یہ تمام دلائل قبول کر لئے' گویا خلاصہ یہ نکلا کہ لفظوں کے پجاری علماء کا اکثر تعصب لفظوں سے ہوتا ہے۔

مسئلہ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا

فرمایا کہ توحید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ ریاضت وانجذاب کے بغیر فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ کتابوں کا مطالعہ عملی مشق کے بغیر تیر' کمان کے سوا تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان رسائل سے مطلوب کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔

اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں

فرمایا کہ تمام زمانے میرے نزدیک بحیثیت آنِ واحد کے ہیں۔

فرمایا کہ ایک روز میں نے وضو کرنا چاہا کہ اسی دوران کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی' بعد میں میرے دل میں یہ القاء ہوا کہ یہ مدتِ غنودگی نو سو ہزار برس کے برابر تھی۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ طویل تر زمانوں کو ایک پل کی صورت میں پانا دراصل فنا کے حقیقت میں مل جانے سے پیدا ہوا۔ کیونکہ زمانہ فنا ہے اور حقیقت اس سے ماوراء اور ایک ساعت کو طویل تر زمانوں کی حیثیت میں پانے سے ان کی مراد یہ ہے کہ زمانہ مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالم مثال میں کوئی ایک ایسی حرکت موجود ہے جو اس (زمانہ) کی حرکت سے تیز تر ہے۔ اگرچہ یہ حرکت

ظاہر نہیں ہوتی مگر بعض اوقات ظاہر بھی ہو جاتی ہے اور حرکات مالوفہ سے تیز تر مقدار طویل زمانوں کے گزرنے سے منکشف ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی بُرے کام کے مرتکب کو دیکھو تو جان لو کہ وہ قصداً ارتکاب نہیں کر رہا' لہٰذا اسے نصیحت کرو کیونکہ "فان الذکریٰ تنفع المؤمنین" (نصیحت مؤمنین کے لیے نفع بخش ثابت ہوتی ہے) اور مؤمنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں ایمان کا بلند تر مقام حاصل ہوتا ہے' شاید کہ نصیحت ان سو میں سے کسی ایک کو نفع پہنچائے جو امرِ ارادی کے موافق ہو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی بچی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ہر کوچہ و بازار میں پکارتا پھرے حالانکہ اس کی بچی کسی خاص مقام میں موجود ہو اور اس کی خبر رکھنے والا ہزاروں میں سے کوئی ایک ہو۔ (جب وہ آواز لگائے گا تو ہزاروں میں سے کوئی ایک جو جانتا ہو گا سامنے آ جائے گا' اسی طرح لوگوں کو نصیحت اور بھلائی کی بات بتانی چاہیے ممکن ہے کوئی اس سے فائدہ اٹھا لے)۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دنیا ساری تقدیر کی رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے' اگر کوئی فاسق ہے تو اس کا فسق اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ اگر صالح ہے تو اس کی نیکی اس کی تقدیر تھی اور واجب بالغیر کے لیے علتِ تامہ کی ضرورت ہے' جبکہ ہدایت مرشد جو کہ علتِ مرشد کا جزو ہے' اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب بنتی ہے' لہٰذا تدبیر کلی بعثت رسل اور کتب آسمانی کے نزول کا تقاضا کرتی ہے اور تمام اسباب کے وجود کی متقاضی ہوتی ہے۔

ذوقِ مشاہدہ

فرمایا کہ جب کسی کو ذوقِ مشاہدہ حاصل ہو جائے تو کوئی معصیت اسے زائل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ چاہے صالح ہو یا فاجر دونوں کے نزدیک شیرینی محبوب تر ہے اور گناہوں سے حفاظت محض ذاتِ باری کی عنایت پر مبنی ہے۔

خدا کا دشمن کون ہے؟

فرمایا کہ بایزید (حضرت شیخ کے ایک ہم عصر بزرگ) نے مجھ سے کہا کہ میں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا: اے شیخ! تم کون ہو اسے دیکھنے والے؟ انہوں نے کہا: تو کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا چاہیے؟ میں نے کہا: تو اس کا دشمن کون ہے؟ اس پر ان کا

غصہ فرو ہو گیا کیونکہ منصفانہ طبیعت پائی تھی۔

فرمایا کہ ولی اس دنیا میں بوجہ غلبہ عناصر روح آگ میں جلایا جاتا ہے اور تلوار سے قتل کیا جاتا ہے مگر روزِ قیامت معاملہ اس کے برعکس ہو گا کہ آگ بزبانِ حال پکارے گی: "جزیا مؤمن فان نورک یطفا لھبی" (اے مؤمن! جلدی گزر جا کہ تیرے نور کی لپٹ میرے شعلے کی بھڑک کو ٹھنڈا کر رہی ہے) مگر یہ مقام ان اہلِ کمال کا ہے جن کے سامنے سے پردہ ہائے امکان اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

ریاضاتِ صوفیاء

فرمایا کہ ایک عالم نے عارف سے سوال کیا کہ صوفیا یہ تمام مجاہدات و ریاضات کاہے کو کرتے ہیں؟ عارف نے کہا: اگر تمہیں کہا جائے کہ اس طرح اس طرح کی مشقت کرو جس کے معاوضے میں تمہیں سلطنت دی جائے گی یا بادشاہ تمہارے تابع فرمان ہو جائے گا تو وہ تمام مشکلات اور مشقتیں تمہیں گوارا ہوں گی کہ نہیں؟ اس نے کہا: ہر شخص خوشی سے ایسا کرے گا۔ عارف نے کہا: اسی طرح ریاضات و مجاہدات کے نتیجے میں ذاتِ حق نہاں خانۂ قلب میں اپنی شانِ الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہاں (مؤخر الذکر عبارت میں) آمدنِ حق (یعنی قلب عارف میں ذات حق کی جلوہ گری) سے مراد صورتِ الٰہیہ کی بقاء کا حصول ہے اور اس کا اصل اس نقطۂ وجود کی روشنی اور جلوہ گری ہے جو سالک کے نفسِ ناطقہ کے نقاط میں سے ایک ہے۔

عین القضاۃ ہمدانی کے قول کی تشریح

عین القضاۃ ہمدانی کے ظاہراً غیر شرعی قول کہ

اے پسر لا الٰہ الا اللہ خود ز شرک خفی است آئینہ دار
چیست شرک جلی رسول اللہ خویشتن را ازیں دو شرک برآر

کی تاویل میں فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور معبود کے لیے عابد کا ہونا ضروری ہے اس میں دوئی کا تصور نمایاں ہے جو کہ اصلِ شرک ہے اور شرکِ خفی اس میں یہ ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمد رسول اللہ کا معنیٰ یہ

ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے‘ یہاں اس میں شک نہیں کہ مضاف جو کہ رسول ہے‘ وہ مضاف الیہ یعنی اللہ کا غیر ہے اور یہ شرک جلی ہے اور جب تو وحدت کی حقیقت کو پالے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری جانتے ہوئے رسولِ خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو ان تمام اقسامِ شرک سے نجات پالے گا۔

لامحدودیتِ واجب الوجود

فرمایا کہ وجودِ عالم عدمِ واجب کو مستلزم ہے‘ اس لیے کہ وجودِ عالم کی صورت میں اگر تو واجب‘ وجودِ عالم سے خارج ہے‘ تو وہ محدود ہو گیا اور واجب کبھی محدود نہیں ہوسکتا اور اگر واجب‘ وجودِ عالم میں داخل ہے تو حلول لازم آتا ہے اور ذاتِ حق حلول سے پاک ہے اور اسی طرح ضروری ہے کہ ہر طرح سے عدمِ ممکنات کی تردید کی جائے تو ثابت ہو گیا کہ عالم تعیناتِ اعتباری سے عبارت ہے اور حقیقتِ وجود کہ دُوسرے لفظوں میں یُوں بیان کرتا ہوں کہ وہ معدوم ہے جو کہ اپنی ذات میں خود قائم ہے۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے ایک قول کی تشریح

فتوحاتِ مکیہ کے باب: ۱۶۱‘ میں شیخ اکبر رحمہ اللہ کے اس قول کہ ”**لامن العالم من اللّٰہ**“ کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ وجودِ عالم بمنزلۂ وہم ہے اور وجودِ باری‘ وجودِ حقیقی ہے‘ ایک عارف نے کہا ہے کہ ”**الوجود فی الکل ساری والتعینات امور اعتباریۃ**“ (وجودِ حقیقی تمام اشیاء میں جاری وساری اور تعینات صرف اعتباری امور ہیں) لہٰذا عالَم خدائے لَم یَزَل سے دُور کی چیز ہے‘ کیونکہ موجودِ حقیقی (ذاتِ حق) اور موہوم (عالم) میں باہمی تضاد ہے اور ان کے مابین کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو انہیں جمع کر لے۔ اس کی مثال اس سراب کی سی ہے‘ جو شعلۂ آفتاب کے پرتو سے دریا دکھائی دیتا ہے‘ مگر فی الحقیقت دونوں (سراب و دریا) میں تبائن کلی موجود ہے اسی طرح خداوند بزرگ وبرتر کی یکتائی کا سورج عالَم پر چمک رہا ہے‘ جس کے نتیجے میں عالَم وجود میں آیا‘ جسے بحرِ ذات کے ساتھ ایک مناسبت تو پیدا ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اپنی ذات میں وہ معدومِ محض ہے۔

شیخ اکبر کے اس قول **ما فی احدٍ من اللّٰہ شیئا** کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکابرینِ طریقت کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود

نہیں ؎

کجا غیر کو غیر کو نفسِ غیر سوی اللّٰہ واللّٰہ ما فی الوجود

یہاں لفظ **فی** حلول پر دلالت کرتا ہے ذاتِ حق اور اس کے شیونات کے مظاہر ظاہر ہیں۔ پس اس کی ذات وصفات کس طرح غیر میں حلول کرتی ہیں یا غیر سے متعلق ہو جاتی ہیں اور یہ تو مستلزم اثنینیت ہے پس معلوم ہوا کہ خدا کے سوا میں خدا نہیں جیسا کہ اس کے سوا کوئی چیز اس میں موجود نہیں چنانچہ صوفیاء کے اس قول کہ ''**لیس فی ذاته سواهٗ ولا ذاته فی سواهٗ** ''(اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں اور نہ وہ خود اپنے غیر میں موجود ہے) معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدتِ وجود کے بارے میں ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتیں۔

عظمتِ قرآن

فرمایا کہ عارفین میں سے کسی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میرے لیے بحر اور آیاتِ قرآنیہ موجوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں جب میں ایک آیت پر غور کرنے لگا تو بے انتہا پوشیدہ معانی مجھ پر آشکارا ہوئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ یہی ہے وہ قرآن جو آں حضرت ﷺ پر نازل کیا گیا تھا اس طرح میں نے عظمتِ قرآن کو جان لیا۔ جب کوئی ولی خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حضور بعض آدمیوں کے لیے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسے حسبِ مطلوب ایک دو آیات قرآنیہ الہام کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جب وجودِ حق صُوَرِ امکانیہ میں ظاہر ہوا تو صفاتِ واجبیہ پردہ ہائے امکان میں پوشیدہ ہو گئیں جیسا کہ نشہ استعمال نہ کرنے والا کاریگر اچانک نشہ آور چیز استعمال کرنے سے اپنے اوصاف کاریگری سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ گر ہوتا ہے تو اس وقت صفاتِ کاملہ ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔

مقاماتِ سلوک

ایک صوفی کے اس قول کہ **ما بعد المقام الذی وصلناه مقام** (یعنی جس مقام تک ہم پہنچے ہیں اس کے بعد بھی ایک مقام ہے) اور ایک دوسرے عارف کے اس قول کہ **فوق کل مقام مقام مالا یتناهی** (ہر مقام کے ورے ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلہ وراء ہے)

کی تشریح میں فرمایا کہ پہلا قول اہل شہود (جو تمام مراتب طے کرنے کے بعد رؤیت حقیقیہ کی دولت سے شاد کام ہوں) کی نسبت درست ہے، جیسے شیخ بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اذ لیس وراء عباد ان قریة والیٰ ربک المنتھیٰ اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء کی سیر ہے جیسے ملائکہ، عالمِ مثال وارواح وغیرہ مسلم ہیں، لیکن یہ کمال نہیں کیونکہ عارف ذاتِ حقیقی تک رسائی کے بعد اِن (سیر مظاہر اسماء) سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس وقت اِن پر لفظ مقام بھی تسامح کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اگر سالک یہ سمجھتا ہے کہ وصولِ ذات کے بعد بھی مقاماتِ غیر متناہیہ واقعۃً موجود ہوتے ہیں تو اس کی فاش غلطی ہے۔

تشریح شعر عطار رحمہ اللہ

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کے اس شعر

عشق را با کافری خویشی بود کافری را مغز درویشی بود

کی تشریح میں فرمایا کہ اس میں کفر سے مراد نسب اور دیگر اضافی چیزوں کا مخفی رکھنا ہے۔

شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ ابوسعید خراز کے اس قول کہ اکثر العارفین حتّٰی ابی یزید ما توافی الوھم والظن (اکثر عارفین یہاں تک کہ ابویزید نے بھی وہم وگمان میں یکسانیت روا نہیں رکھی) کے بارے میں فرمایا کہ ولایتِ کبریٰ جہتِ دوئی کو مٹانے کا نام ہے، شہود اور وصول باذات بھی اس سے عبارت ہے۔ اکثر عارفین کہ شیخ ابویزید بھی ان میں سے ایک ہیں واقعی اسی مقام پر فائز ہیں، مگر اس مقام شہود کے کئی مراتب و مدارج ہیں، بعض اوقات تو یہ (شہود) تجلی صفاتِ وجوبیہ جبکہ امکان بھی ساتھ باقی رہتا ہے۔ اکثر عارفین پر اسی مرتبے کا غلبہ تھا اور یہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ بعض ااوقات یہ شہود خالصتاً تجلی ذات کی صورت میں ہوتا ہے اومکان بھی نہیں ہوتا، یہ بالکل غلط ہے اور یہی تجلی برقی آنی ہے جو اس جہان میں دائم نہیں رہتی اور اس میں اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں۔ روح بدن سے بچھڑ جاتی ہے جو اس طرح شہود ذات کو نہیں پالیتا وہ درحقیقت اصل توحید سے دور رہتا ہے اور اس پر وحدت کا غلبہ نہیں ہونے پاتا جیسے شہود کے کچھ مراتب بایزید بسطامی رحمہ اللہ پر غالب آ گئے تھے اور امکان میں سے کچھ بقیہ کے سبب یہ فقرہ ان کی زباں سے صادر ہو گیا سبحانی ما اعظم شانی اور یہ الفاظ اس شخص کے لیے مناسب نہیں جو طریقۂ مذکورہ کے مطابق وحدت

کی اصل تک پہنچا ہو۔

ایک لطیف نکتہ

واضح رہے کہ ما اعظم صیغۂ تعجب ہے اور اس مقام پر کوئی تعجب ہوتا ہی نہیں، وہ اس طرح کہ حق تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ ایسا نعرہ لگانے کے بعد شیخ بسطامی رحمہ اللہ نے زنار گلے میں ڈال کر بعد میں اُسے کاٹ دیا اور کہا: **اللھم ان کنت قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فکنت مجوسیاً زندیقاً وانا اقطع زناری واقول لا الٰہ الا اللّٰہ** (یا اللہ! اگر میں نے کبھی سبحانی "ما" اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندیق تھا۔ اب میں اپنی زنار اتار پھینک کر کلمۂ لا الٰہ الا اللّٰہ کا اقرار کرتا ہوں) حالانکہ قرینہ یہاں یہ ہے کہ ابھی اُن کے ہاں امکان میں سے کچھ باقی تھا اور آخر میں اس کی خبر ہوئی۔ اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ ان کے مندرجہ بالا قول کا مطلب ہدایت و ارشاد تھا تو اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ آئندہ اس کی تقلید میں کوئی ایسا نعرہ نہ لگائے۔

مقامِ ابنِ منصور رحمہ اللہ

جہاں تک ابن منصور کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ابوسعید خرّاز نے یہ رائے دی: "**کان اوحد زمانہ لم یکن فی عھدہٖ من الشرق الی الغوب مثلہ**" (ابن منصور میدانِ وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانے میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا) اسی وجہ سے ان پر سرِ توحید کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ پیچھے نہ ہٹے، مگر مناسب بات تو یہ ہے کہ ابنِ منصور نے خود توحید حقیقی کے راز کو نہیں پایا تھا، کیونکہ وہ اپنے قول انا الحق پر ہمیشہ قائم رہے جبکہ تجلی برقی آنِ واحد کی طرح ہے۔

اکثر عرفاء جو شہود کی کسی ایک قسم سے مشرف ہوئے اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انہیں شہود ذاتی حاصل ہو گیا ہے، حتیٰ کہ وہ اسی زعم میں چل بسے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ تجلی، متجلیٰ لہٗ (جس کو تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز محدود کے لیے ہو وہ حد و حساب سے خالی نہیں ہو سکتی لیکن ان نفوس کہ جن پر قوئ اطلاقیہ غالب آ جائیں اور ان نفوس میں کہ قوئ تقیدیہ ان پر غلبہ رکھتی ہوں، فرق ہے۔ لہٰذا نفوس تقیدیہ میں معرفت کی غایت ظہور صفات

ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک طرح کا امتزاج و اختلاط ہوتا ہے جیسے کہ ہر آئینہ اپنی وسعت کے مطابق اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ زمین و آسمان ایک چھوٹے سے آئینے میں آجاتے ہیں' مگر جب یہی آئینہ سبز یا زرد رنگت کا ہو یا اس کی شکل لمبوتری یا مثلث ہو تو کئی اور تبدیلیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں' گویا ہر تبدیلی ایک حجاب ہے۔

نظارۂ جمالِ حقیقی

فرمایا: اگر انا الحق کہنے والا امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو وہ جھوٹا ہے اور دائرۂ فرعونیت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی جہتِ امکان مغلوب ہو گئی ہے تو وہ معذور ہے۔ اس مقام پر فرمایا کرتے تھے کہ تجلیِ برقی باطل دعووں اور امکانی جہت سے بے نیاز ہوتی ہے' کیا یہ بات کسی سے مخفی ہے کہ جب ایک شخص کسی حسین وجمیل کا نظارہ کرتا ہے تو خود کو اور اپنی تمام تر صفات کو فراموش کر بیٹھتا ہے بعینہٖ یہی حال خواتینِ مصر کا رُخِ یوسف کو دیکھ کر ہوا تھا' یہاں سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ نظارۂ جمالِ حقیقی سے کیا حال واقع ہوتا ہوگا؟

ظلمتِ عدم سے وجودِ خارجی تک

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''**ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہ** '' (خداوند بزرگ و برتر نے مخلوقات کو اندھیرے میں پیدا کیا' پھر ان پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی) کہ اس نے خلق کو اعیانِ ثابتہ کی حیثیت میں اس طرح پیدا کیا کہ وہ ظلمتِ عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے' واضح ہو کہ ایسے میں وجودِ خارجی منتفی تھا' اس کے بعد ذاتِ حق نے ان پر وجودِ خارجی کا نور ڈالا تو وہ تمام اعیانِ خارجی بن گئے اور اس موجودیت کے ساتھ انہوں نے ذاتِ حق کو پہچانا۔

فرمایا کہ انسان کا مراتبِ امکانی کی طرف توجہ کرنا حد ذات میں خود کمال ہے۔ اس رو سے کہ یہ تمام شیونِ ذات ہیں اور یہ جو مراتب کو غفلت کا نام دیا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ بعض اوقات صفاتِ واجبیہ کی طرف توجہ کرنے میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ذاتِ حق تک پہنچنے سے محروم' اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور موت کے بعد (اس کی روح) پریشان' غمزدہ اور اذیّت رسیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کمال کو نہ پا سکا اور اپنے مالوف سے جدا ہو گیا۔

فرمایا کہ ذات اپنے اعتبار نفس کے لحاظ سے خود تمام تر منفی و مثبت اعتبارات سے قطع نظر ذات خاص، ذات ساذج، لاتعین، احدیت صرفہ اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے۔ یہ وجودِ مطلق اس معنیٰ میں کہ نسبت تقیید و اطلاق سے خالی ہوتا ہے، نہ یہ کہ اطلاق کی پابندی میں مقید ہو۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ذات بحت (خاص) موجود ذہنی اور محض عقلی ہے، اس کا خارجی وجود نہیں۔

اور اس گفتگو سے مراد یہ ہے کہ مقید سے مراد یہاں امرِ ذہنی ہے کیونکہ اعتبارات، ذات کے اسماء و صفات ہیں جو کہ ذات کا لازمہ ہیں اور انہیں ذات سے خارجی طور پر جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ذات اِن کمالات کے رُوپ میں ازلی و ابدی طور پر ظاہر ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اپنے بعد آنے والی وحدت اور دیگر تمام قابلیات سے پہلے ہے، یہاں پر احدیت سے مراد احدیت ذاتی ہے کہ جہاں کوئی اعتبار نہیں پایا جاتا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس وحدت کے بعد ہے، اس سے مراد احدیت صفاتیہ ہے اور وہاں ذات کے علاوہ کی نفی مقصود ہے، لہٰذا اختلاف باقی نہ رہا، الغرض ذات کے علاوہ جملہ اعتبارات و اضافات وغیرہ کو ذات سے ساقط کر دینے کا نام احدیت ہے اور ذات کے ساتھ جملہ اشیاء کو ثابت سمجھ لینا احدیت ہے اور یہ واحدیت کمالات وجوبیہ و امکانیہ دونوں کو شامل ہے، لفظ واجب کا اطلاق تجلی وجودِ مطلق کے اعتبار سے صفاتِ واجبیہ مؤثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار تجلی صفاتِ امکانیہ متاثرہ پر ہوتا ہے۔

احدیت و واحدیت

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ احدیت و واحدیت میں تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ رتبے کے لحاظ سے ہے جب کہ کچھ غیر حقیقت پسند لوگوں کے گمان میں یہ تقدم و تاخر زمانی ہے۔ تقدم رتبی کی مثال یوں ہے کہ ایک ہی وقت میں زید اپنے خارج میں زید بھی ہے اور انسان بھی، عالم بھی ہے اور پارچہ باف بھی، مگر جب اس کی ذاتِ خاص پر نظر ڈالی جائے تو اسے صرف انسان کا نام دیا جاتا ہے اور اگر صفات کی نفی کریں تو صرف انسان کہلائے اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے باصفات انسان کہا جائے گا۔ پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے اعتبار سے وہ انسان عالم ہے اور

پارچہ بافی کی صفت کو اس سے جوڑا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں واحد ہے کہ خارج میں اس کی جملہ صفات اس سے منفک نہیں ہیں اور بعض اعتبارات کے ناموں کا اختلاف عقلی ہے اور ایک اعتبار کا دوسرے پر تقدم رتبی ہے نہ کہ زمانی۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خارج میں ذات بحت موجود ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ جسے ذات بحت فرض کرتے ہیں وہ بعینہٖ مظاہر میں بھی موجود ہے اور کج فہموں کے اوہام کو دُور کرنے کے لیے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذاتِ خاص کو علم سے خارج قرار دیتے ہیں اور نسبتِ ظاہریت و مظہریت ثابت کرتے ہیں۔ تعالیٰ اللّٰہ عمّا یقول الظالمون علوّاً کبیرا۔

اصلیتِ شطحیات

فرمایا: جس نے سبحانی ما اعظم شانی یاانا الحق کہا' غالباً غلبۂ حال اور اپنی نظر سے جہتِ امکان کی نفی کرتے ہوئے کہا' وگرنہ اسمائے الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کی کسی چیز پر روا نہیں اور یہ علم ''ان سبحانی'' اور ''انا الحق'' کہنے والوں میں موجود نہ تھا اور در حقیقت یہ علم کسی بھی مظہر میں نہ تو پایا گیا ہے اور نہ ابد تک پایا جائے گا' کہتے ہیں: اگر تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جائے تو یہ احاطۂ جمیع معلومات ہوگا مگر تجلی ذاتی کا دوام کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ رُوح بدن کو چھوڑ جاتی ہے اور بدن متفرق و پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

تجلی برقی

فرمایا کہ پردوں کے اٹھنے کے بعد کشفِ ذات کہ جس کا نام رؤیت ذات اور تجلی برقی ہے۔ اس جہان میں تجلی امکانات کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی نہیں ہوتی مگر موت کے بعد ایک اعتبار سے ہوتی ہے تو اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ حُجب نوعی سے چھٹکارا پالینا موت سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ قولِ باری تعالیٰ ہے:

''او من کان میتاً فاحییناه وجعلنا له نوراً''۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: ''من مات فقد قامت قیامته'' (جو مر گیا تو اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی) لہٰذا اہلِ شہود کے لیے قیامت قائم ہے پس وہ ان حالات کو اسی طرح دیکھتے ہیں جو کہ لوگ قیامتِ موعود میں دیکھیں گے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "او من کان میتاً الخ" سے مراد یہ ہے کہ "او من کان فانیاً رفع عنه الحجب فاحییناه ای ابقیناه لا یریٰ الا باللّٰہ فلا یسمع الابه وجعلنا له نوراً یعنی التجلی البرقی الآنی" (جو فانی تھا ہم نے اس کے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے بقا عطا کر دی' اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اپنے رب کی آنکھوں سے اور جب سنتا ہے تو اسی کی سماعت سے اور ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی عطا کر دی)۔

لذّتِ عشق

ایک دن حضرت شیخ نے مشاہیر میں سے کسی کا نام لے کر فرمایا کہ وہ مقام معشوقیت پر فائز ہیں اور میں اس مقام پر ہوں کہ عاشقیت و معشوقیت کو وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ عاشقیت میں جو لذت ہے وہ دُوئی کے اُٹھ جانے میں نہیں' غلطی پر ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتشِ عشق میں جلتا رہتا ہے اور ایسے میں وہ شرکِ خفی کا مرتکب ہوتا ہے اگرچہ یہ مرتبہ حسنات الابرار کا ہے' مگر سیئات المقربین میں شمار ہوتا ہے جب کہ صاحبِ شہود عظمت استغناء اور جلال و جمال سے لذت یاب ہوتا ہے اور اس لذت کا درجہ لذتِ عاشقیت سے کہیں بلند ہے۔

کشفِ ذات

حضرت شیخ نے فرمایا: جس کے سامنے سے پردے اُٹھ گئے تو وہ اپنے پروردگار کو اپنی رُوح میں دیکھتا ہے اور اسی کو کشفِ ذات کہتے ہیں اور ایسے میں عارف عدم تناہی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفات میں سے ہے۔

علومِ عارف

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری اُنا کے ساتھ حقیقت الحقائق سے متعلق ہے اور اُنا محدود ہے جبکہ حقیقت الحقائق لامحدود تو ان میں تنافی بایں وجہ نہیں ہے کہ انا کا نفوذ حقیقت الحقائق میں اس طرح ہے کہ ہر طرح کے اعتبارات سے بَری ہے اور تناہی اور نا تناہی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

اقسامِ حدیثِ قدسی

فرمایا: حدیثِ قدسی کے دو اقسام ہیں: ایک وہ جسے جبرئیل لاتے تھے اور قرآن میں داخل نہیں کیونکہ یہ کلام معجز نہیں اور اپنی غایت میں محدود و مخصوص ہے جبکہ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لیے شفاء ہے، دوسرے وہ کہ خداوندِ کریم نے براہِ راست آں حضرت ﷺ پر اتاری۔

استغاثہ باصحاب القبور

حدیث "اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور" (جب تم دنیوی امور میں غلطاں و پریشاں ہو جاؤ تو اصحابِ قبور سے مدد طلب کرو) کی وضاحت میں فرمایا کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مُردوں کے احوال کو یاد کر کے عبرت پکڑنا ہے جو امور دنیوی سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔

حقیقتِ دنیا

حدیث "ان الدنیا اقبح من جیفۃٍ منتنۃٍ" (دنیا گلی سڑی لاش سے بدتر ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ دُنیا حق کی طرف توجہ کو روکتی ہے کیونکہ دل کا تعلق اس سے ہو جاتا ہے نہ کہ گلی سڑی لاش سے۔

حقیقتِ کذب

فرمایا کہ اقوال میں سے جھوٹا قول وہ ہوتا ہے جو خلافِ شریعت کہے اور جھوٹے افعال وہ ہوتے ہیں جو خلافِ شریعت ہوں اور جھوٹے احوال یہ ہیں کہ کوئی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائے جبکہ سچا حال ایک ہی ہے اور وہ شہود ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ تلوّن سے مراد یہاں سرِّ توحید کا ایک بار ظاہر ہونا اور دوسری بار پوشیدہ ہونا ہے یا یہ کہ ایک بار جو چیز ظاہر ہوتی ہے تو دُوسری بار اس کے برعکس کوئی اور چیز سامنے آتی ہے۔

مشابہت یہود و نصاریٰ سے ممانعت

فرمایا: لمبی ٹوپی اور ریشمی پٹی کمر سے باندھنا جسے ہندی میں سیلی کہتے ہیں، علاماتِ یہود

ونصاریٰ میں سے ہے۔ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں پر خفگی کا اظہار لازم فرمایا تھا' بعد میں جاہل لوگوں نے اسے پسند کر کے اپنالیا۔

پردہ ہائے امکان و وجوب

فرمایا: پردہ ہائے امکان غفلت کی تاریکیوں سے عبارت ہیں جو دوئی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں' ان کا تعلق کھانے پینے یا سونے سے نہیں جو کہ لوازمِ زندگی ہیں' بلکہ غصہ' حسد' بغض اور تمام اوصافِ ذمیمہ سے ہے جو غفلت کو بڑھاتے ہیں اور پردہ ہائے وجوب صفاتِ واجبیہ کو کہتے ہیں۔ سالک جب خدا کے فضل سے اِن تمام حجاباتِ امکانیہ کو قطع کر لیتا ہے تو ذاتِ حق کو حجاباتِ وجوبیہ سے وراء اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی دیکھنے والا آفتاب کو ہوا' کرۂ آگ اور آسمانوں کے وجود جو کہ زیرِ آفتاب ہوتے ہیں' دیکھتا ہے اور یہ جملہ اشیاء اس کو دیکھنے سے مانع نہیں ہوتیں' اسی طرح سالک کے لیے حجاباتِ وجوبیہ مشاہدۂ ذات سے مانع نہیں ہوتے اور اس کے بعد اولیاء میں سے مخصوص افراد کے لیے تو حجاباتِ وجوبیہ کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔

تعریف مشاہدہ

فرمایا: مشاہدہ سے مراد ایسی توجہ قلب ہے جو کہ حقیقت الحقائق کی طرف مبذول ہو' چاہے ایک ساعت کے لیے ہی کیوں نہ ہو اور جس نے ذاتِ حق کو نہ پہچانا اور اس کے مظاہر کو نہ جانا وہ مشاہدۂ حق سے بے خبر ہے۔

حصولِ شہود

فرمایا کہ مشاہدے کو عالم مثال وارواح کے طے کرنے کی حاجت نہیں اور ایک شہود وہ ہے جو محض جذبۂ الٰہیہ سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کے شہود کی بقاء کا اعتبار نہیں بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے چونکہ یہ عبور کے بعد ہوتا ہے لہٰذا اس کی بقاء کا اعتماد موجود ہوتا ہے۔

فرمایا: عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ سراپا عشق ہو جائے کیونکہ عشق معشوق کا مادۂ اشتقاق ہے اور اس جگہ یہ بھی فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو بھی عشق سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اہل سلوک کے اس قول کہ ”ریاضتوں سے دل پستی سے بلندی پر آ جاتا ہے“ کی تشریح میں فرمایا کہ دل کا پستی سے بلندی پر آنے کا مقصد یہ ہے کہ سفلیات سے کنارہ کر کے علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ شریانیں دل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

العلم اوسع من الحال

شیخ اکبر کے اس قول کہ ”العلم اوسع من الحال “(علم حال سے وسیع تر ہے)اور ابوسعید کے اس قول ”الحال اوسع من العلم “(حال علم سے وسیع تر ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ وسعتِ علم تب ہے جب کہ وہ حال اور اس کے علاوہ کیفیاتِ نفسانیہ کے دائرے میں داخل ہو جائے لیکن حقائق خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے کہ اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور وسعتِ حال اس جہت سے ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ علم کے برعکس اس حال کے سبب عجیب کیفیات اور انوکھے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا: ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے کنکری پھینکی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لڑھکتی جا رہی تھی' یہ جنوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں سیدھی جاتی ہے۔

فرمایا: شمال کی جانب ایک کونہ ایسا ہے کہ جہاں ارضی فرشتے رہتے ہیں اور ان کے ہاں توالد و تناسل بھی ہے' برعکس دوسرے آسمانی و زمینی فرشتوں کے۔

فرمایا: جب وجود ماہیات پر قابض ہو جائے تو ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو' بدبو' لذت' تھکاوٹ' الم' راحت' ٹوٹ پھوٹ اور اجزاء کی پراگندگی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں ورنہ صرف نوری بسیط تو ان کیفیات سے منزہ ہوتا ہے' یہاں مزید فرمایا کہ میل خود اور اس کا مزہ و بو دونوں کھانے والے اور سونگھنے والے کی قوتِ ذائقہ و قوتِ شامہ کے مقابلے میں بُرا ہے اور خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی قوتِ شامہ و ذائقہ کے مقابلے میں اچھا ہے کیونکہ خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی وہ استعداد جس کے نتیجے میں قباحت ظاہر ہوئی ہے' میل کچیل کی نسبت زیادہ بُری ہے اور جہاں تک الم کا تعلق ہے تو وہ مزاج سے ناموافق چیز کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور یہ مختلف قسم کا ہوتا ہے' جیسے سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کو موافق ہے' لہٰذا اس کے لیے نفع بخش اور دوسروں کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے اور اس کے باوجود حضرت وجود تو ہر

ذرّے میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویات صرف اپنی زبان سے چکھے تو وہ مفید و مضر میں تمیز نہیں کر سکتا' اسی طرح اگر کوئی زمان و مکان کی قیود سے چھٹکارا حاصل کر لے تو کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں رہتی۔

ہمہ اوست

قدماء میں سے کسی کا شعر ہے: ؎

رق الزجاج ورقت الخمر

(شیشہ وشراب دونوں شفاف اور باریک ہیں)

یعنی مظاہر جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہیں صاف و شفاف ہیں اور محبوبِ مستور جو کہ بمنزلہ شراب کے ہے' وہ بھی غایت درجہ شفاف ہے پس: ؎

فتشابھا وتشاکل الامر

(تو دونوں میں مشابہت پیدا ہوگئی کہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا)

اور صفائی و باریکی کے لحاظ سے ایک' دوسرے کے رنگ میں اس طرح ظاہر ہوا کہ لوگوں کی نظروں کے لیے مشکل آن پڑی ع

فکانّما خمرٌ لا قدحٍ

جیسے شراب ہے شیشہ نہیں' گویا شراب ہے جو منجمد ہے اور پیمانے کا وجود نہیں ع

وکانّما قدح ولا خمر

گویا پیمانہ ہے شراب نہیں اور اسی طرح کسی نے کہا ہے ؎

ان شئت قلت حق لا خلق وان شئت قلت خلق لا حق

(اگر تو چاہے تو کہے کہ حق ہے خلق نہیں اور چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں۔)

صفتِ علم

فرمایا: صفاتِ الٰہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات' صفتِ علم کے شیون میں سے ہے' جبکہ عدمِ علم عین موت ہے' جو حیات کو صفتِ الٰہیہ میں سب سے بڑی صفت گردانتے ہیں' یہ اُن کا ذاتی گمان ہے جبکہ موجود پر غائب کا قیاس باطل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے علم اَنَا حضوری ہوتا ہے اور تحقق و تقرر کے مشابہ

ہوتا ہے' اگر زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور زندگی علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے جبکہ ان اُمور کی نسبت جو کہ موت وحیات کے قابل ہیں پر اسے قیاس کیا جائے۔

ایک قول کی تاویل

کسی نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض متصوفین کا یہ قول نقل کیا کہ اقرب الطرق الی اللہ رویۃ الامارد.

آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام محسوس اشیاء میں امارد کی شکل وشباہت بہت متناسب ہوتی ہے اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے' اس اعتبار سے امارد میں رؤیت حق کا مشاہدہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے اور جن مشائخ نے اُسے بُرا جانا ہے اُن کے پیش نظر یہ خطرہ موجود تھا کہ امارد کو دیکھنے سے سالک عالمِ شہادت ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کئی دیگر آفات کے خدشے کی بناء پر جمالِ حقیقی سے مشرف نہیں ہو پاتا' یہاں حضرت شیخ کچھ مسکرائے اور فرمایا کہ امارد میں خون ہی تو ہوتا ہے جو حسن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اگر ان کا خون خارج کر دیا جائے تو کوئی اُن کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے' اہلِ شہود کی مثال کتاب دیکھنے والے اس شخص کی سی ہے جو عینک لگا کر اسے پڑھتا ہے' اس کی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی' مگر ساری کتاب کو اس کے وسیلے سے ہی دیکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ عینک کے آگے کوئی حجاب آجائے یا کوئی شخص ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

مقامِ عارف

اہلِ شہود خوب صورت عورتوں' خُوروں اور امارد کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر ان تمام سے وراء مقصودِ حقیقی جل جلالہ پر لگی ہوتی ہے مگر حقیقت ناشناس حسین عورتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بدصورت سے پہلوتہی کرتا ہے جبکہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔

سماعِ سرود

اسی طرح اہلِ شہود سماع سرود سے بھی لذت حاصل نہیں کرتے کیونکہ گانے والے کے

منہ اور سننے والے کے کان کی درمیانی مسافت زیادہ سے زیادہ ایک یا دو تیروں کی مسافت کے انتہائی فاصلے سے زیادہ نہیں ہوتی' چاہے گانے والے کی آواز تیز بھی کیوں نہ ہو جبکہ اہل شہود اِن تمام سے بہت آگے اپنے منتہائے حقیقی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

ولایتِ عامہ وخاصہ

فرمایا: ولایت عامہ کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جیسے تقویٰ' ریاضت اور اس شخص کا وحدتِ شہود جسے اپنی ذات کا پتہ ہے اور نہ اپنی ذات کے احاطۂ مظاہر سے باخبر ہے اور جیسے عاشقیت و معشوقیت کہ یہ ولایت عامہ کے خواص کے مقامات ہیں' ولایت خاصہ واحد بسیط تک پہنچنے کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی' شہود انبیاء علیہم السّلام تو عاشقیت و معشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے مگر اِن احادیث کے الفاظ سے راہِ سلوک کے کچھ مبتدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام محبّ اور محمد مصطفیٰ ﷺ محبوبیت کے درجہ پر فائز تھے حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حقیقتِ محمّدیہ

فرمایا: کبھی تو تکرارِ کلمہ لا الٰہ الا اللہ یا محض جذبے سے ہی توحید شہودی کے تصور کا معنیٰ حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں' عین القضاۃ ہمدانی کی اس شطح کہ:

''آں را کہ شما خدا میدانید نزدیک ما محمّد است ﷺ و آنکہ شما محمد ﷺ میدانید نزدیک ما خدا است''۔

(جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اور جسے تم محمد ﷺ کہتے ہو وہ میرے نزدیک خداتعالیٰ ہے)

کے بیان میں فرمایا: چونکہ آں حضرت ﷺ حضرتِ وجود کا آئینہ اور اُس کا مظہر اتم ہیں اور حقیقتِ محمدیہ تعین اوّل و جامع تعینات و مظاہر ہے اور تمام کا ظہور اُن کے نور سے ہوا ہے' اس اعتبار سے عین القضاۃ ہمدانی نے مذکورہ بات کی' ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرّے میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدتِ معنیٰ کے باوجود تکرارِ لفظ تو محض تفنن عبارت ہے۔

فناءِ نفس

فرمایا: فنائے نفس یہ نہیں کہ جناب مقدس سے غفلت کے باوجود اسے اپنے نفس کا شعور نہ ہو۔ جیسے ایک قصاب گوشت کاٹنے یا نانبائی روٹیاں پکانے میں مصروف ہوتا ہے تو اس کی توجہ اپنی طرف نہیں ہوتی۔

توجۂ شیخ

فرمایا کہ جو جذبہ توجہ شیخ کی قوت سے حاصل ہوتا ہے اس میں کمزور اور مضبوط دِل دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں مزاج کی درستگی یا محنت و ریاضت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

حقیقتِ کشف وخواب

فرمایا: انسانی رُوح میں ایک قوت پوشیدہ ہے' جسے لوحِ غیب کہتے ہیں' جب نبی اس سے علوم حاصل کرتا ہے تو ایسے اُسے فرشتۂ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی' بعض متکلمین نے بھی اس کی یہی تصریح کی ہے۔ جب ولی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھی فرشتہ الہام کی حاجت نہیں رہتی اور کبھی تو انسانی روح بحالتِ نیند اس مقام تک پہنچ کر کسی چیز سے باخبر ہو جاتی ہے۔ اَب اگر وہ اس معنیٰ کے خیال کو مناسب شکل نہ دے جیسا کہ اس نے دیکھا تو اُسے کشفِ مجرد کہتے ہیں اور اگر کوئی مناسب صورت اس خیال کو مل جائے' جیسے اس کا خیال علم میں مشغول ہوا تو یہی خیال کوئی مشروب پینے کی صورت میں آیا' یا اس کی روح ماہِ رمضان میں اذانِ فجر کے خیال میں مشغول ہو گئی تو اس کی صورت اس کے سامنے یوں نمودار ہوئی' جیسے تمام لوگوں کے کھانے پینے اور خواہشات کی قوتوں پر مُہر لگا دی گئی ہے تو یہ کشف تعبیر و تاویل کا محتاج ہے اور اسے کشفِ مخیل کہتے ہیں اور کبھی تو سونے والے کی رُوح اس مخفی قوت کے بغیر عالمِ خیال میں پہنچ جاتی ہے تو خیالی پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اشکال برہمی طبع کی وجہ سے بھی ظاہر ہوتی ہیں' جیسے بلغمی مزاج آدمی سونے سے پہلے پانی پی لے تو اسے بخارات دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح گرم مزاج آدمی اگر بینگن کھا لے تو اسے خواب میں آگ دکھائی دیتی ہے اور یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں جن کی نہ کوئی تعبیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دینا چاہیے' تعبیر بتانے والے کو چاہیے کہ خواب کے وقت کا لحاظ رکھے

جیسے نصف شب یا سحر کے اوقات اور خواب بیان کرنے کی ساعت اور دیکھنے والے کے حالات کہ کہیں وہ برہمیِ مزاج کا شکار یا خوف زدہ تو نہیں' کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ بعض اوقات شرائط کے بغیر اس قوتِ قدسیہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے' جیسے کفار کے لیے احتیاط برتی جاتی ہے۔

تعبیرِ رؤیا

خوابوں کی تعبیر کا علم قرآن وسنّت سے ثابت ہے۔ اس فن میں کئی مستند کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس فن میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اور ابن سیرین ایسے ائمہ کبار ہو گزرے ہیں' اگر خواب قوتِ عاقلہ کی کمزوری اور اژدہامِ علوم وخیالات جو کہ قوتِ قدسیہ میں در آتے ہیں کے سبب بھول بھی جائے تو فنِ تعبیر کے ماہرین اسے بیان کر لیتے ہیں' اسی ضمن میں حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ حالتِ نیند میں بعض اوقات انسان کی رُوح غیب کی خبروں کے جاننے کے لیے کچھ عرصے کے لیے جسم سے جُدا ہو جاتی ہے تو اس کی واپسی کچھ مشکل ہو جاتی ہے اور خواب دیکھنے والا اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھا ہے۔

فرمایا کہ کبھی تو مراقبے میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہوں کہ اپنی خبر بھی نہیں رہتی' فرمایا کہ درحقیقت ذاتِ حق قرب ومعیت اور احاطے سے بَری ہے کیونکہ یہ چیزیں دوئی کا تقاضا کرتی ہیں اور ایک طرح کہ مسافت کا اثبات کرتی ہیں مگر خدا تعالیٰ نے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر جو اسے دُور دُور تصور کیے ہوئے ہیں' جہت عرش بیان فرمائی' انہوں نے یہاں یہ بھی فرمایا کہ قرب معیت اور احاطہ سے مراد وہی کچھ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں اس کا ظہور ہے۔ صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے اس قول کہ **النقصان مقتضی استعدادات الماهيات** (نقصان استعداد ماہیات کا تقاضا کرتا ہے) کی تشریح میں فرمایا: چونکہ ان ماہیات کا ایک مستقل وجود ہے' لہٰذا ان کے لیے اقتضاء کا ہونا ضروری ہے اور اگر اقتضاء حقیقت حصرتِ وجود سے ہو تو ان ماہیات سے اقتضا کی نسبت کا کیا معنیٰ فی الواقع کوئی نقصان نہیں ہوتا' یہ صرف لوگوں کی نظر کا دھوکا ہے۔

علمِ توحید و وصول و شہود

فرمایا: علومِ توحید کے مقابلے میں تمام علوم بمنزلہ بھوسی کے ہیں اور علومِ توحید بمنزلہ آٹے کے۔ پھر علمِ توحید اور وصول و شہود کی مثال ایسی ہے جیسے آٹا اور مغز۔ وصول سے قبل علمِ توحید ہی میں محو ہو کر رہ جانے سے سالک ہرگز لذت یاب نہیں ہوتا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیاہ رچانے والا بیاہ کے بعد مشاطہ کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔ اقوالِ صوفیاء کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا یوں ہے جیسے کہ میرے محلے میں ایک قصہ گو رات کو قصے گھڑتا اور صبح لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔

فرمایا: انکار اولیاء اللہ کے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں:

(۱) شرکت مکان: وہ یہ کہ ایک ولی کسی ایک محلّے یا شہر میں رہتا ہے۔

(۲) شرکتِ زمان: یہ کہ اس کے زمانے میں اس کے معاصرین بھی ہوتے ہیں۔

(۳) شرکت نسبت: یہ کہ اس کے بھائی بند بھی ہوتے ہیں۔

اس طرح عوام زیادہ تر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے پاس کئی خادم ہوتے ہیں اور عبادت زیادہ کرتا ہے' چاہے یہ عبادت ریاکاری و دکھلاوا ہی کیوں نہ ہو' جبکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت پر نظر کی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔ ایک صحابی اس کی ٹوہ میں لگ گیا اور پورے تجسّس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ بشارت یافتہ شخص کوئی زیادہ نوافل ادا نہیں کرتا تھا' اس نے اس سے حقیقتِ حال دریافت کی تو اس نے جواب دیا: اگر زمین سے آسمان تک جواہرات اور درہم و دینار بھر جائیں اور میں اُس کا مالک ہو جاؤں پھر وہ تمام دولت تباہ ہو جائے تو اس کا مجھے ذرہ برابر دُکھ نہ ہو کیونکہ اس کے ہونے سے مجھے کوئی خوشی بھی نہ تھی' مقصود تو دراصل دل سے ماسوا کا نکل جانا ہے' اگر یہ گوہر ہاتھ آ جائے تو تھوڑی سی عبادت بھی انتہائی سُودمند ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طالب صادق کو شیخ کی ظاہری عبادات پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔

بسیار خوری اخلاقِ ذمیمہ پیدا کرتی ہے

حدیث ''قلوب بنی ادم تلین فی الشتا'' (انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم پڑ جاتے ہیں) کے بیان میں فرمایا: موسم سرما میں انسانوں کے بدن باہر سے ٹھنڈے ہو جاتے

ہیں اور ان کے باطن گرم ہوتے ہیں اور موسم گرما میں اس کے برعکس اور جب اس قلب صنوبری کی چربی پگھل جاتی ہے تو قلب معنوی شفاف ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر فاقہ اور ذکر بالجہر کثرت سے کیا جائے تو بھی اس کی چربی پگھل جاتی ہے' سیر ہو کر کھانا' غصہ وشہوت جیسے اوصاف ذمیمہ پیدا کرتا ہے۔

حقیقت خوارق عادات

فرمایا کہ غالباً خوارق عادات کا ظہور فقط نشانِ راہ ہے کیونکہ عارف کی اصل منزل تو شہود شہود و وصول ہی ہے مگر جو اس حالت سے فرو آ جائے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

مقصودِ عارف

فرمایا: عارف خاتمے پر نظر نہیں رکھتا کیونکہ یہ نقصان کے مترادف ہے۔اگر ہزار بار بھی وہ یہ آواز سُنے کہ''ہم نے تمہیں شقی بنا دیا'' یا یہ سنے کہ''تمہارا خاتمہ بالخیر ہوگا'' اس طرح کی تمام باتوں پر وہ توجہ نہیں دیتا اور فوری نفع جو کہ محبوب کے جمال کے دیدار کا نام ہے کہ کبھی دُور کی امیدوں کے برابر نہیں سمجھتا۔

فرمایا: ملائکہ وجن جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفس جُوں کی توں باقی رہتی ہے' مثلاً جبرئیل کہ خود اپنی جگہ پر بھی قائم ہے مگر اس کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں دحیہ کلبی نامی صحابی کی صورت میں حاضر ہوتا ہے۔

تسخیر جنّات

اگر عارف کسی جن کو مسخر کرنا چاہے' تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے عزم کے ساتھ اس کی شکل کی طرف متوجہ ہو تو وہ جن اس شکل سے باہر نہیں آ سکے گا' مگر صرف اسی صورت میں کہ حیلے بہانے کر کے وہ کسی طرح عارف کی توجہ منتشر کر دے مثلاً جن کتّے کی صورت میں ظاہر ہو اور عارف کی توجہ اس کی اسی شکل پر مرکوز ہو تو وہ جن اس صورت سے باہر نہیں جا سکتا' مگر کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کتے کی شکل پر بکری کی صورت کا حجاب ڈال لیتا ہے' اگر عارف اس حجاب والی صورت پر توجہ ڈال کر اسے بند بھی کر دے لیکن اگر اس کی توجہ دفعتاً کتے کی طرف مبذول ہو جائے کہ وہ کہاں گیا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائے گی اور جن کسی دوسرے

رُوپ میں فرار ہو جائے گا۔

خواصِ فاتحہ

فرمایا: عرفا سے منقول ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اگر ایک ہفتہ تک ایک ہی سانس میں اکتالیس مرتبہ روزانہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ کے آخر کو الحمد کے ساتھ ضم کرلے تو مقاصد حل ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ''فوق کل ذی علمٍ علیمO''

اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فوق کل ذی علمٍ علیم O'' کے بیان میں فرمایا کہ علیم صیغہ مبالغہ ہے جس کا معنیٰ بہت زیادہ علم رکھنے والے کے ہیں' اور وہ خدائے لم یزل کی ذاتِ اقدس کے علاوہ کوئی اور نہیں' لہٰذا استثناء کو یہاں مقدر کیے بغیر معنی درست ہوا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں ایک شبہ ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ شہودِ وحدت سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں جبکہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر علم سے وراء ایک علم ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس شبے کا ازالہ یہ ہے کہ یہاں استثناء ''توحید ذاتی'' مقدر ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہودِ وحدت سے آگے توحید ذاتی باری ہے' اگرچہ بندے کے لیے مزید ترقی ممتنع ہے۔ واللہ اعلم

اقوال شیخ جنید رحمہ اللہ کی تشریح

شیخ جنید رحمہ اللہ کے قول ''طارت العبارات الخ'' کے ضمن میں فرمایا کہ ''طارت العبارات'' سے مراد اعمال ظاہری ہیں اور ''فنیت الاشارات'' یعنی وہ جو کہ ظاہر سے متعلق ہیں اور باطن سے خالی ہیں۔ ''وما ینفعنا نوافل العبادات'' یعنی مکمل فائدہ ظاہری نوافل کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ ''الا رکعات خفیفۃً صلیناھا فی جوف اللیل'' یعنی راحت و آرام کو ترک کر کے ہم نے محنت و مشقت اپنائی اور اس طرح ہمیں حق تعالیٰ کا وصال نصیب ہوا' خلاصہ یہ کہ زبانی عبارات و اشارات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے' اس لیے ضروری ہے کہ جناب اقدس کی طرف پورے خشوع و خضوع کے ساتھ متوجہ ہو' خاص کر ایسے اوقات میں کہ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں حضور و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میں اس واقعے کو ظاہر پر محمول کرتا ہوں' اگرچہ معیت وجذب خود اپنی جگہ بڑا کمال ہے لیکن ثواب ودرجات تو طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث ''الروح ملک له سبعون الف وجهٍ'' (روح ایک فرشتہ ہے کہ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد رُوح الارواح ہو' کیونکہ وہ جوہر ملکی ہے جسے بعض اوقات ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ رُوح الارواح تجلی سے عبارت ہے جو حظیرۃ القدس کی اصل ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنیٰ پر روشنی کی طرح ہیں' یا میں سمجھتا ہوں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام روحیں اس سے پھوٹتی ہیں۔

تحقیق لطائف ستہ

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرمایا کہ رُوح کے اختلافِ عبارات کی حیثیت سے مختلف اسماء ہیں' لہٰذا ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

علی المرتضیٰ وزیر رسالت مآب ہیں

حدیث ثعلبی جو کہ تفسیر میں وارد ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں دُعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اللهم اشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیراً من اهلی'' (اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے' میرے معاملے کو آسان فرما اور میرے خاندان میں سے میرے لیے وزیر بنا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ہے: ''واجعل لی وزیراً خامساً'' (میرے لیے پانچواں وزیر بنا) کیونکہ شیخین حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دو فرشتے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام آں حضرت ﷺ کے پہلے ہی سے وزراء تھے۔

مقامِ علی کرم اللہ وجہہٗ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس اثر ''سئل أرايت ربک؟ قال ما كنت اعبد رباً لم اره فقال السائل كيف رايته؟ فقال لم تره العيون بمشاهدة العيان ولكن راته القلوب بحقائق الايقان'' (حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے کبھی مشاہدے کے بغیر خدا کی عبادت کی ہی نہیں۔

اس پر سائل نے پوچھا: آپ نے اسے کس طرح دیکھا؟ فرمایا: اسے کھلے بندوں آنکھوں نے تونہیں دیکھا لیکن اسے قلوب نے حقائق ایقان کے ساتھ دیکھا ہے) کے بارے میں کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس توجیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں رؤیت کے منافی اس وجہ سے نہیں کہ پہلے ہی سے مقرر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنکھیں جہت والوان کا تقاضا کرتی ہیں' نہ یہ کہ وہ عیونِ مطلق ہیں۔

فرمایا کہ دنیوی آنکھیں جو کہ جہت' الوان اور اشکال کا تقاضا کرتی ہیں' نے ذاتِ حق کو نہیں دیکھا بلکہ وہ توحق الیقین کی صورت میں دیکھا گیا ہے۔

علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین

فرمایا کہ علم الیقین یہ ہے کہ دُھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے اور حق الیقین یہ ہے کہ خود آگ کا علم بھی جانے' اپنے نفس کا مشاہدہ عین الیقین میں داخل ہے جبکہ حق الیقین میں وصول اور شہود ہوتا ہے' سُننے اور کتابیں پڑھنے سے اسرار کا جاننا علم الیقین نہیں' علم الیقین یہ ہے کہ کشف حجاب پر اس طرح غالب آجائے کہ احتمالِ شک نہ رہے' ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے' وہ اس طرح کے اُمور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

العارف لاہمۃ لہٗ

صوفیائے کرام کے اس قول کہ ''العارف لاھمۃ لہٗ'' (عارف وہ ہے جس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف اظہارِ خوارق کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ وہ قدرتِ حق عزّ وجل کے حکم پر نظر رکھتا ہے' گویا ظہورِ خوارق کے لیے عارف کے سامنے سوائے منشائے خداوندی کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

مقامِ عارف کامل

لیکن عارف کامل (واصل باقی) کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے کہ جب چاہے قہر وغضب کا مظاہرہ کر سکتا ہے' چنانچہ ایک بادشاہ کسی عارف کامل کے آستانہ میں سوار داخل ہوا تو اسے کہا گیا کہ یہ آداب کے خلاف ہے' اس نے بڑے غرور سے جواب دیا: میں نے بڑے فقراء دیکھے ہیں' کسی میں کچھ تاثیر نہیں' یہ سُن کر عارف کو جلال آیا اور اس کی طرف بنظرِ غضب

دیکھا' اسی وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا' بادشاہ دھڑام سے نیچے آ رہا اور مر گیا۔ عارف نے کہا: میں نے یہ اقدام اس لیے کیا ہے تاکہ لوگ فقراء کو حقیر نہ جانیں' مگر بعض کاملین تو اس طرح کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی اس طرف التفات نہیں کرتے' اس ضمن میں شیخ فریدالدین عطار' عین القضاۃ اور حسین ابن منصور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات خدائے قدوس کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش تھے اور اس میں اپنا تصرف نہیں چاہتے تھے' جیسے شیخ عطار نے اپنے قاتل سے کہا: اے ترک زادے! تو جس روپ میں بھی آئے' میں تجھے خوب پہچانتا ہوں' اور یہ کہہ کر اپنا سر قلم کرانے کے لیے اس کے سامنے جھکا دیا' ایسے حالات سے خوفزدہ ہونا ناقص ہونے کی دلیل ہے کیونکہ تنزل ہی کی حالت میں مظاہرِ قہر کا مقابلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے۔

فرمایا: تجلی ذاتی میں انوار موجودہ کا وجودِ خارجی کے ساتھ مشاہدہ کرنا ضروری ہے' نہ کہ علمی' ذہنی اور وہمی طور پر' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہاں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں ظہور کمال تدلی ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتفاق ہوا اور تجلی آگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حقیقت فنا و بقا

فرمایا: یہ سمجھنا کہ فنا سے مراد غیر کی نفی ہے اور بقا اثبات عینیت کا نام ہے' دلیل و کلام کی رُو سے فاش غلطی ہے۔ یہ بات اس شخص کی طرح ہے جس کے پانچ بیٹے تھے اور وہ خود تنہا سفر کر رہا تھا کہ دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوئے' اُس نے اپنے بیٹوں کو مدد کر لیے پکارا کہ بیٹو! آؤ' ان چوروں کو مجھ سے دور کرو۔ یہ اس کا حضورِ وہمی تھا جو اس کو چوروں سے چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسے خوف و ڈر سے نجات دے سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف یعنی پانی کی ٹھنڈک' بہاؤ' پیاس دُور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کر دینے کے وصف کو سمجھ بھی لے تاہم جب تک اسے پانی کا پینا میسّر نہ آئے اس کی پیاس نہیں بُجھ سکتی اور اگر سب کچھ جانتے ہوئے کسی کو مٹھائی کھانے کی طلب ہو مگر اسے کبھی دیکھا نہ ہو تو ایسے میں وہ میٹھے کی جملہ کیفیات کو چاہے بہت بہتر طور پر جانتا ہو' تب بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جس نے

صرف توحید رسمی پر اکتفاء کیا اور شرکِ خفی کا اثر بدستور اس کے دل میں باقی رہا تو اس سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا' مزید فرمایا کہ مذکورہ آثارِ تجلیات وصولِ رسمی سے نہیں بلکہ وصولِ شہودی سے حاصل ہوتے ہیں' کہتے ہیں کہ حسین ابن منصور کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے مگر وہ مسکراتے رہے اور اُن کی ہر انگلی سے انا الحق کی صدا آتی رہی' انہیں دار پر کھینچا گیا تب بھی انا الحق پکارتے رہے' جلا دیا گیا تو راکھ کا ہر ذرّہ انا الحق کی صدا بن گیا۔ تین دن بعد راکھ کو دریا بُرد کیا گیا تو وہاں بھی انا الحق کا آوازہ سنائی دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ توحید رسمی پر اکتفاء کی بجائے وہ توحید حالی سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہاں فرمایا کہ توحید حالی کے آثار ہوتے ہیں (۱) پہلے یہ کہ توحید ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور ہوتا ہے (۲) دوسرے نور ازلی کی رؤیت (۳) تیسرے جو کچھ حسین ابن منصور سے ظہور پذیر ہوا (۴) چوتھے یہ کہ توحید صفاتی میں خشوع وخضوع اور سرور وانس پایا جاتا ہے (۵) پانچویں یہ کہ توحید افعال میں توکّل اور مدح وذم کا یکساں ہونا پایا جاتا ہے۔

مجذوبِ واصِل' کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے

فرمایا: مجذوبِ واصل سے خوارقِ عادات اور کشف ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ وحدتِ ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا' لیکن سالک کا معاملہ اس سے مختلف ہے اور مجذوب کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص کو ہودج میں ڈال کر وادیوں اور راستوں سے گزارتے ہوئے ایک شہر سے دُوسرے شہر لے جایا جائے' آخر میں اگر اس سے کسی درمیانی بستی کے بارے میں تفصیلات پوچھی جائیں تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا جبکہ اس کے مقابلے میں سالک اس راہ کے تمام مقامات اور اُن کی تفصیلات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے' یہاں آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجذوبِ واصل حقیقت کائنات سے آگہی (کشف) حاصل کرنا چاہے تو اسے سلوک اختیار کرنا چاہیے' اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے ذات وصفات کی معرفت کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو' ورنہ خانہ زاد مشائخ اپنی دکان چمکانے کے لیے ایسے کلمات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں' اُن کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے' ہاں ہاں! یہ بات عرفاء وواصلین کے حق میں تو بالکل صحیح ہے' مگر ان جاہلوں کو تو ذات وصفات کی معرفت اور

توحید حالی کے شیونات کا ذرہ برابر بھی علم نہیں، اس لیے اُن کی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔

تحقیق مسلک محبّ اللہ الٰہ آبادی

شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی[1] صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرمایا کہ انہوں نے ذات سے مبداء قائم بذاتہ ومقدم بشیوناتہ مراد نہیں لیا، بلکہ اُن کی مراد ماہیت ہے جو کہ معقولاتِ ثانیہ میں ہے اور اسی طرح انہوں نے وجود کا معنیٰ مصدری جو کہ کون وحصول ہے، مراد لیا ہے اور ''تسویہ'' میں جو لفظ معقول استعمال ہوا ہے، وہ یہاں پر محسوس کے مقابلے میں مستعمل ہوا ہے نہ کہ موجود کے مقابلے میں۔ چنانچہ شیخ الرئیس نے شفاء میں لکھا ہے کہ معقول منافیِ وجود نہیں اور ملاّ جلال دوّانی نے تہذیب کے حاشیے پر یہی بات نقل کی ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر ہم اسے موجود کا مقابل قرار دیں تو اس کا معدوم مطلق ہونا لازم آجائے اور وہ جو لفظ موجود سے متبادر ذات لہ الوجود ہے، پس اگر وہ موجود کہ اس کا وجود ذات پر زائد نہیں ہے، اس سے لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو، بلکہ اس سے جو بات نتیجے کے طور پر نکلتی ہے، وہ موجود بنفسہٖ لنفسہٖ ہے اور یہ اپنی جگہ درست ہے اور موجود یہی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ خود ان کی اصطلاح میں لفظ معقول بمقابلہ موجود بنفسہٖ لنفسہٖ کے لیے موضوع ہے چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب صوم میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور انہوں نے اس سے یہی معنیٰ

---

1. شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی المتوفی ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء مشہور صوفی بزرگ اور جید عالمِ دین ہو گزرے ہیں۔ آپ نے شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھیں۔ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے آپ کے بارے میں لکھا ہے: ''دانش مند متبحر از مشاہیر علمائے صوفیاء در علوم ظاہر و باطن سر خیل امثال واقرانِ خود بود''۔ مآثر الامراء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے: ''عالم است تعلیم ظاہر و باطن''۔ داراشکوہ آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ نے وحدۃ الوجود پر عالمانہ بحث کی ہے، آپ کا رسالہ تسویہ ایک مشہور تصنیف ہے، جس پر علمائے ظاہر نے کافی اعتراضات کیے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ عالمگیر نے آپ کے ایک مرید شیخ محمدی کو جب رسالہ شیخ جلا ڈالنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے کہا: جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی نہیں، اگر رسالہ جلانا ہے تو میرے گھر سے مطبخ شاہی میں زیادہ آگ موجود ہے۔

مراد لیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے' لفظ معقول اگرچہ ان (صوفیاء) کی اصطلاح میں موجود بنفسہٖ لنفسہٖ کے لیے وضع کیا گیا ہے تاہم یہ موجود ''من غیر مدخلة الغیر'' ہے اور حضرت محب اللہ قدس سرہٗ نے تسویہ میں شیخ اکبر کے تتبع میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی کی ہے' جو میں نے ازالۂ شبہ کے لیے نقل کی ہے' معقول محض' ماہیۃ محضہ اور وجود محض'' کما ان ذات زید هو الحیوان الناطق حیث لا وجود له الا فی ضمن الافراد '' (معقول محض' ماہیۃ محضہ اور وجودِ محض جیسے کہ ذات زید حیوان ناطق ہے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں موجود ہے) نیز فرماتے ہیں: '' افراد الانسان من زید و عمر و بکر و خالد ینتزع منهم مابه اشتراکهم وهو الحیوان الناطق الذی هو من المعقولات الثانیة فکذلک ینتزع من الشیونات وجود الحق '' (جس طرح افرادِ انسان یعنی زید' عمرو بکر اور خالد سے قدرِ مشترک یعنی حیوانِ ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولاتِ ثانیہ میں سے ہے بلکہ اسی طرح شیونات میں سے وجودِ حق کا اثبات کیا جاتا ہے) اور یہ کفر صریح ہے کیونکہ مظاہر کا وجود تو خود قیوم حقیقی جل شانہٗ سے منتزع اور اس طرح اس کا محتاج ہے جس طرح شمع سے مصنوعی اشکال وصورتیں اپنے وجود میں شمع کی محتاج ہوتی ہیں اور جو موجود و مشہود ہے وہ تو ذاتِ حق جل شانہٗ ہے اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے کیونکہ یہ عالم تو وجود کے فانی اشکال واطوار کا نام ہے اور حق حضرتِ وجود کا نام ہے اور یہ اُن کے اپنے اس قول کی بناء پر کہ حق معقول محض ہے' اگر اس سے مراد یہ ہے کہ عقل کی رسائی اس کی کُنہِ ذات تک ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ کُنہِ واجب تک کسی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق وسباق اس پر دلالت کر رہا ہے تو یہ بھی کفر صریح ہے جو کہ دہریوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا ہے اور اگر اس سے اُن کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ ذات بحت' اعتبار لایقین معقول محض ہے' اس لیے کہ اس کا کمالات اور اس کے عدم یقین سے خالی ہونا عقلی مفروضے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا' اگرچہ مظاہر فانیہ میں موجود بھی حضرتِ حق ہی ہے لیکن یہ جملہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج ہیں اور نسب ذات کی حقیقت اور اس کے اعتبارات ومعانی کے بھی محتاج ہیں' یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ حق محجوبین کے احساس سے بلند وبالا ہے' تو یہ بات

اپنی جگہ درست ہے' لیکن ان کی تصریحات سے خود اس بات کی نفی ہوتی ہے' چنانچہ ان کے خطبے کے ابتدائی جملوں سے ہی احتیاجِ حق کا مفہوم نکلتا ہے' فرماتے ہیں: ''الحمدُ للہ لمن وجد بکل ما وجد'' (سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو کائنات کی تمام موجودات میں موجود ہے) لیکن انہوں نے یوں نہیں کہا: ''الحمد لمن وجد به کل ما وجد'' (تمام تعریفیں اس ذاتِ باری کے لیے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے)۔

حق اور عالم

فرمایا: حق حضرتِ وجود کا نام ہے جو خارج میں موجود اور خود اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے جیسے پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود اپنی اصلیت پر برقرار رہتا ہے اور عالم' وجود کے اطوار' شیونات اور فانی اشکال وصورتوں کا نام ہے' جو ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلتی رہتی ہیں' پس کفر وفسق اور نجاستیں وغیرہ اپنی تعریف ذات کے لحاظ سے کمالات ہیں' لیکن ان کا حضرتِ وجود سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ یہ اوصافِ عالم میں سے ہیں' اگرچہ قیّومِ کُل (خالق حقیقی) حضرتِ حق ہے' اس لیے کہ اگر وہ کفر وفسق کا قیّوم (خالق) نہیں تو ان کا وجود کہاں سے آیا' اسی طرح تولد وتولید بھی اوصافِ عالم سے ہیں' یعنی یہ بدلنے والی اشکال وصور حضرت وجود کے اوصاف میں سے نہیں' اس میں شبہ نہیں کہ اس کے تعینات واوصاف محض اعتباری اُمور ہیں' کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات واضافات ہیں اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود منزّہ ہے۔

فرمایا کہ رسمی مُتعرّف کا کلام قلوب پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف کلام عارف کے اور عارف ومتعرّف کے نزاع کی مثال نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کرام کے کافروں کے ساتھ مباہلے میں موجود ہے' متعرّف عارف کے ساتھ گفتگو کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔

مبدأ مکاشفہ محبّت ذاتیہ ہے

فرمایا کہ مکاشفہ حجابات کے اُٹھ جانے کا نام ہے اور اس کا مبداء محبتِ ذاتیہ ہے' عارف ایسے میں کائنات کو اس حد تک ترک کر دیتا ہے کہ بادشاہانِ جہان اور امرائے دنیا اسے کتے' خنزیر اور شیطان کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ اس مقام پر خداوند تعالیٰ دل میں

محبت ذاتیہ کو جاگزیں فرما دیتا ہے اور خلق سے نفرت' خلوت اور شب بیداری فنا کے مبادیات میں سے ہے' چنانچہ اس مقام پر عارف خود فانی ہو کر باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت' مشاہدۂ وحدت سے مزاحم نہیں ہوتی اور جلوت بھی خلوت ہو جاتی ہے' نیند بیداری سے بدل جاتی ہے اور آنکھیں سُرمۂ عنایت ازلی سے سُرمگیں ہو جاتی ہیں' جس اندھیروں میں بھٹکی ہوئی عقل کی انتہائی منزل صرف یہی ہے کہ مصنوعات کا صانع کامل کے بغیر کوئی چارہ نہیں' وہ ذات وصفات اور اس کے مظاہر کو کیا جانے۔

ظہورحق درمظاہر

فرمایا: جاہل متصوفین عالی مقام صوفیاء کی باتوں کا مفہوم نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ مظاہر میں ظہورحق کی مثال ایسے ہے جیسے کائنات میں سورج کا ظہور یا جیسے زید مختلف آئینوں میں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود جو کہ مظاہر سے جدا ہے کا تصور پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے' ہاں! البتہ بعض اسلاف نے راہِ سلوک کے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر کائنات کو عکسِ ذات یا ظل کی مثالیں دی ہیں' لیکن اس سے مراد مرتبۂ ثانیہ میں ظہورِشی ہے' اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے جیسے دیوار پر درخت کا سایہ (جو اصل میں ایک دوسری چیز ہے) تعالیٰ اللہ عن ذٰلک.

مشہور شعر ؂

چوں تو فانی شدی زذکر بذکر ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آنست

"جب تو ذکر کے ذریعے ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکرِ خفی ہے"

کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

فانی کے لیے پردہ ہائے امکان پوشیدہ ہوتے ہیں' چنانچہ وہ ذکر خفی سے کھل جاتے ہیں۔

علامت کمال

فرمایا کہ اہل شہود سانپ' بچھو' شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے' اسی بناء پر بعض اکابر صوفیاء نے خود کو آزمایا اور کسی ایسی جگہ فروکش ہو گئے جہاں بکثرت درندے پائے جاتے تھے اور آب ودانے کا دُور دُور تک نام ونشان نہ تھا' وہاں جب انہیں کسی طرح کا خوف وخطر لاحق

نہ ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کامل ہو گئے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے اِن عُرفا کا نہ ڈرنا اس وقت ہوتا ہے جب یہ نفوسِ قدسیہ عالمِ کثرت سے بے خبر ہو کر ذاتِ واحد کے دیدار کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں' ورنہ بعض حالات میں یہ لوگ عام بشری خصوصیات سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

ایک تسامح اور اُس کا ازالہ

غوث اعظم سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام تشریف لایا کرتے تھے' کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حقیقت رُوح جو کہ تمام کائنات میں جاری وساری ہے سے واصل تھے' اس لیے آپ اسی مرکز ومنبع ہدایت سے گفتگو (وعظ وتبلیغ) فرمایا کرتے تھے' جہاں سے دوسرے اولیائے کرام یا انبیاء علیہم السلام فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام تشریف لاتے تھے۔

حقیقت تعوّذ

فرمانِ باری ''واذا قرأت القران فاستعذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم '' (اور جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور شیطان مردود سے پناہ مانگ) کی تفسیر میں فرمایا کہ تو شیطان سے چھٹکارا حاصل کر اور اس کے شر سے دُور رہ اور یہ اس لیے کہ قرأت قرآن کے وقت دل مالکِ حقیقی کے ساتھ لگا ہوا ہونا چاہیے اور دنیا و آخرت سے بالکل بے نیاز اور درحقیقت یہی تعوذ (پناہ) معتبر ہے' اگرچہ بظاہر الفاظ تعوذ استعمال نہ بھی کیے جائیں۔

قصۂ خالد بن سنان کی تشریح

خالد بن سنان کے اس قصے کہ انہوں نے وصیّت کی تھی کہ مرنے کے چالیس دن بعد انہیں قبر سے باہر نکالا جائے تا کہ وہ عالم برزخ کے بارے میں بتا سکیں' کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور عالمِ برزخ میں پہنچ گیا' اس کا دوبارہ اس بدنِ ناسُوتی میں جو کہ قابل تجزی' تبعیض اور خرق والتیام ہے' واپس آنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کا بدنِ مثالی میں لوٹ آنا

اس لیے ممکن ہے کہ بدن مثالی قابل تجزی اور خرق والتیام نہیں اور یہ رُوح جسدِ ارواح' روح اجساد' تشخصِ اعمال و اطلاق' ظہور معانی بصورِ مناسبہ اور اشباح جسمانیہ میں مشاہدہ ذوات مجرّدہ جیسے حضرت جبرئیل' دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے' آسکتی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل رُوحیں اور مشاہدۂ خضر علیہ السلام وغیرہ یہ تمام عالمِ مثال کی نیرنگیاں ہیں' جب اس دنیا میں نفوسِ کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہوسکتے ہیں تو عالمِ برزخ میں تو یہ عمل بطریقِ اولیٰ ہوسکتا ہے کیونکہ عالمِ برزخ میں بدنی (مادی) حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے ان کے اندر یہ قوت اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ خالد بن سنان والے قصے میں اُن کی مراد بدنِ مثالی میں واپسی ہے نہ کہ بدنِ عنصری میں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدنِ عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہل سنّت کا اتفاق ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو' عارف تدلیات ارواح کو اُن کی مثالی صورتوں میں لانے کے لیے اپنے مقام سے نزول کر سکتا ہے اور اِن تدلیات کی مثال اُن صور کی طرح ہے جو بحالتِ نیند متخیلہ میں آ جاتی ہیں' چونکہ آنجناب (حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ) کو عالمِ ارواح میں مکمل تمکّن حاصل تھا' اس لیے تدلیات ارواحِ انبیاء واولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول فرمایا کرتی تھیں۔

منتہائے عابد

فرمایا کہ بیس سال قبل مجھے یہ الہام کیا گیا کہ اگر تُو میری رحمت کی امید پر نماز پڑھتا ہے تو تجھے رحمت سے نواز دیا اور اگر تو میری رضا چاہتا ہے تو میں تجھ سے راضی ہوگیا۔ میں نے عرض کیا کہ بارِ خدایا! میرا مقصود تو بس تعمیل ارشاد ہے' لیکن اب تو معاملہ ہی اور ہے' یہاں آپ نے فرمایا: ''الصوفیة عبد الظواهر واحرار البواطن'' (یہ گروہِ صوفیا احکامِ ظاہری میں غلام اور جہانِ باطن کا شہنشاہ ہے)۔

فرمایا کہ اصحابِ شہود کو عبادت کی تکلیف وریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے اور یہ نفوسِ قدسیہ نفس بلکہ رُوح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہوتے ہیں' اس لیے زنا اور شُرب خمر ایسی برائیوں کی طرف اُن کی توجہ نہیں ہوتی' اگر شاذ و نادر

کوئی ایسی بات پیش آجائے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

القید کفر

صوفیاء کے اس قول ''القید کفر ولو کان باللّٰہ '' (قید کفر ہے چاہے خدا کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: عبودیت اثنیت کا تقاضا کرتی ہے اور جہاں تک اہل شہود کی عبادت کا تعلق ہے تو اُن کے مقام کی بلندی کے لحاظ سے ان کی عبادت کا تعلق براہِ راست اقامتِ حق اور اس کے تصرف سے ہوتا ہے' پس عبادتِ عبودیت کی قید کفر صریح ہے' چنانچہ اسی تاویل کی مثال صوفیاء کے اس قول ''محبة اللّٰہ رأس کل خطیئة '' (اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے) میں بھی موجود ہے' چونکہ محبت' محبّ و محبوب کا تقاضا کرتی ہے جو کہ دُوئی ہے اور یہی تو غلطی کی بنیاد ہے' پس جو ان تمام خطاؤں کی سرحد سے نکل گیا اُسے محبتِ خداوندی عطا ہوئی اور جو اس سے بھی آگے نکل گیا تو وہ مقامِ شہود پر فائز ٹھہرا' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عبادت تو مبتدی اور عارف دونوں کرتے ہیں' مگر اُن کے مراتب اخلاص میں فرق ہے' پہلا مرتبہ حضور' ترک ریا اور ترک شہرت و فخر ہے' اس کے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ خوفِ دوزخ اور طمع جنت سے بے نیاز ہو کر عبادت خالص محبتِ ذاتی میں ہو' اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جہاں عبادت عابد کی قدرت و قوت کے ساتھ نہیں بلکہ حق جل شانہٗ کی قوت اور قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے' ان تمام کے بعد وہ نازک ترین مرحلہ آتا ہے کہ جہاں عام سمجھ بوجھ کا گزر بھی نہیں ہوسکتا' حضرت شیخ کی مراد عبادت کے مذکورہ مراتب کی طرف اشارہ کرنا ہے' ان کی بات سے امورِ عبادات میں تساہل کا کوئی مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (معاذ اللہ) اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت شیخ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخر عمر تک اُن سے کوئی سنت نبوی اور مستحسن و مستحب نہ چھوٹا اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری اعمال کی ادائیگی اُن کے تکلیفات شرعی کی قیود سے ممتاز ہونے کے منافی نہیں' یہ تو فریضۂ حق ہے جس کی آگے اقتداء کی جائے گی' اس سے معلوم ہوا کہ ''خیریت'' سے انہوں نے وہ معنیٰ مراد لیے ہیں جو انبیائے کرام میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

قولِ پیرِ ہرات رحمہ اللہ

پیر ہرات رحمہ اللہ کے قول

از نفی و اثبات برون صحرائے است کیں طائفہ را دراں میاں سودائے است
اے دوست چوں عاشقی در آنجا برسد نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست

''نفی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے کہ جس میں یہ گروہِ صوفیا سرگرداں ہے' اے دوست! جب عاشق کی رسائی اس مقام تک ہوتی ہے تو نفی و اثبات تو کجا ایک بال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہوتی'' کی تشریح میں فرمایا:

وصلِ حقیقی

اصل شہود یہ ہے کہ ثابت کا ثبوت اس طرح ہو کہ مُثبِت اور مثبَت ایک ہوں اور اسی طرح عاشق' معشوق اور عشق بھی متحد ہو جائیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر وصل کی جگہ نہیں تو ہجر کا کیا کام؟ اور اہل سلوک کے ہاں نفی دراصل توہّم غیریت سے ہوتی ہے جب یہ وہم اُٹھ جائے تو منفی عینِ ثابت ہو جاتا ہے اور لفظ ''نہ مورا جائے است'' سے بساطت اور صرافت ذات کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح توحید کوچہ' تنگ است

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ نے بعض اسلاف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توحید کوچہ' تنگ است (توحید ایک تنگ گلی ہے)' اس کی تشریح میں فرمایا: جس وقت نظر عارف سے جمع کثیرہ صفاتیہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں اور بجز وحدتِ ذات کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تو اس دوران کوچہ' توحید ایک تنگ گلی ہو جاتی ہے' لیکن بقا کے بعد جب وحدت میں کثرتِ اسماء وصفات کا مطالعہ میسر آتا ہے تو اس مقام پر وہ عظیم وسعت کا مشاہدہ کرتا ہے' خلاصہَ کلام یہ کہ صرف وحدت پر اکتفاء کر لینا کمال نہیں بلکہ کمالِ توحید تو عینِ وحدت میں کثرت کا نظارہ ہے۔

تاویلِ ''حقیقة الواجب لا یدر که احد''

بعض صوفیاء کے اس قول کہ ''حقیقة الواجب اظهر الاشیاء'' (حقیقت واجب تمام اشیاء میں سب سے زیادہ ظاہر ہے) اسی طرح ''حقیقة الواجب لا یدر که احد''

(حقیقتِ واجب کو کوئی نہیں پا سکتا) کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حقیقت واجب کا تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مظاہر میں جو وجود موجود ہے وہی وجودِ حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری و ساری ہے اور دیگر تمام امور کا تعیّن اعتباری ہے اور اس کا عدم ادراک (لا یدرکه احد) اس اعتبار سے ہے کہ مخلوق مرتبہ مخلوقیت میں ذاتِ حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی' نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کے ذریعے اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ زاہد اپنے زہد اور عالم اپنے علم کے بل بوتے پر اسے پا سکتا ہے' یہاں تک کہ تمام پردہ ہائے امکان اُٹھ جائیں اور ظلماتِ نفسانیہ رفع ہو جائیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کو خود اس کے اپنے نور ہی کی مدد سے پہچانا جا سکتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عرفت ربی'' (میں نے اپنے رب کو پہچان لیا) یعنی ''لا بنفسی'' (اپنی ذات کے ذریعے سے نہیں بلکہ اسی کے فضل و عطاء سے)۔ یہاں ایک دوسرا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ واجب کی معرفت ہے اور یہ اس دنیا میں محال ہے کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے' لہٰذا معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور تجلی برقی آنی تو ایک پل سے زیادہ ہوتی نہیں' لہٰذا اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف کہاں متوجہ ہو سکتا ہے؟

تشریح ''اِنَّ لِلّٰهِ سبعین الف حجاب''

معیّت ذاتیہ کی احدیت ''اِنَّ لِلّٰهِ سَبعِین الف حجاب'' کے ساتھ موافقت میں فرمایا کہ حضرتِ وجود کا مظاہر کے ساتھ قرب حقیقی ہے۔ اس کی قریبی مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قرب پیش کی جا سکتی ہے' اگرچہ حق تعالیٰ کلیہ و جزئیت سے مبّرا و منزہ ہے' اسی اعتبار سے ''حبل الورید'' (شہ رگ) سے بھی زیادہ قرب کی مثال دی گئی ہے اور اس کے بعد حجاباتِ وہمیہ کی کثرت کے سبب جو کچھ ہے وہ اعتباری ہے' یہاں فرمایا کہ حضرتِ وجود کو مظاہر کے ساتھ جس طرح کی نسبت ہے' اس میں کسی طرح کا حجاب موجود نہیں' بلکہ حجاب تو واجب اور ممکن کے درمیان ہے' پس ممکن محجوب جو کہ صفاتِ تاثریہ قاصرہ سے موصوف ہے کا اللہ تبارک و تعالیٰ جو کہ صفاتِ واجبیہ مؤثرہ جیسے خالقیت و رزاقیت اور بقاو قدم سے متصف ہے' سے وصول بہت مشکل ہے اور یہ اشکال کثرتِ منازل کے سبب ہے لیکن مجذوب کے لیے اللہ تعالیٰ وصول اس طرح آسان فرما دیتا ہے جیسے بے شمار کثیف اجسام اور حجابات کے حائل

ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لیے سورج کا نظارہ آسان اور ہروقت ممکن بنادیا ہے اور یہاں پر تو لطیف معنوی حجابات ہیں ورنہ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کا بھی پردہ ہائے جسمانی و امکانی میں محصور ہونا لازم آئے گا اور تعداد (یعنی ستر ہزار حجابات) سے مراد صرف کثرت ہے تحدید نہیں۔

معنی قول خواجہ نقشبند رحمہ اللہ

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ کے اس قول کہ ''پی بسر حقیقت مے تواں برد امّا بسر معرفت و علم نمی تواں رسید'' (عارف سرِ حقیقت تک تو رسائی حاصل کرسکتا ہے مگر سرِ معرفت وعلم تک نہیں پہنچ سکتا) کے بیان میں فرمایا کہ جب احدیت کا آفتاب کوہِ عارف سے نمودار ہوتا ہے تو آسمانِ حقیقت روشن ہو جاتا ہے لیکن سرِ علم ومعرفت! تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے جو محال ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کا صوفیا کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے یہ سُن لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ وجودِ مطلق ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ صوفیا کی اصطلاح میں وجود سے مراد موجود ہے اور مطلق سے اُن کی مراد یہ ہے کہ ذات میں ذات کی حیثیت سے کوئی اعتبار موجود نہیں' کلیۃً نہ جزئیۃً اور عموماً نہ خصوصاً بلکہ اس میں تو اعتبار کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اور صوفیاء کے اس قول کہ ''کل نبی ولی ولا عکس'' (ہر نبی تو ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولایت اصطلاحیہ شرط نبوت نہیں' یہ ممکن ہے کہ ایک شخص محبت یا محبوبیت کے مقام پر فائز ہو اور خدا اسے نبوت تبلیغ سے مشرف فرمادے' ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت تبلیغ دونوں سے نواز دیتا ہے' مثلاً نبی ﷺ اور تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام۔

توجیہ ''خضت بحراً'' الخ

قول بایزید ''خضت بحراً ووقف الانبیاء بساحلہ'' (میں نے ایک سمندر میں غوطہ لگایا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے) کی وضاحت یوں فرمائی کہ انبیاء کی استعداد کامل ترین ہوتی ہے کیونکہ اُن کے ہاں وہبیت محضہ ہوتی ہے ''یکاد زیتھا یضیء ولم لم تمسسہ نار'' (قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر روشن ہو جائے) وہ تو یقیناً حقیقی

اہل شہود ہیں صرف حکمتِ ارشاد کے تحت خدا تعالیٰ انہیں مقامِ مشاہدہ پر لے آتا ہے‘ چنانچہ بایزید کے قول کا معنیٰ یہ ہے: ”ای وقفوا بعد الخوض “(انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) یہاں بحر سے مراد شہود وحدت اور ساحل سے مراد مشاہدہ ہے۔

توحید افعال

فرمایا: توحیدِ افعال کو حاصل کرنے کی علامت یہ ہے کہ سالک تدبیرِ معیشت کو ترک کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسے مکمل توکل حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ہر تکلیف‘ ایذا اور انعام کو ذاتِ حقیقی کی طرف منسوب کرتا ہے اور توحید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ سالکِ پختہ اپنی سماعت و بصارت کی قوتوں کو مالکِ حقیقی کے سپرد کر دے باوجود اس کے کہ حضرتِ وجود تعیّن و تقیّد میں تعیّن صفات کی قید کے ساتھ موجود ہوتا ہے جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ اور سریان کو نہر یا چھوٹے نالوں میں مشاہدہ کر لے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ سمندر میں موجود لعل و جواہر اور حیوانات کا علم بھی حاصل کر لے۔ اسی طرح جب وہ دیکھتا ہے کہ سمیع و بصیر اِن مظاہر میں ذاتِ حق ہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسموعات اور مبصرات پر مطلع ہو جائے کیونکہ یہ تو واجب الوجود جل شانہٗ کے خواص میں سے ہے۔

حدیث ”ما تقرّبَ اِلَیَّ عبدٌ“

حدیث ”ما تقرب اِلَیَّ عبد احبَ الیَ ممّا افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتّٰی اکون سمعه الخ “(کوئی بندہ میرے حضور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے سے بڑھ کر عزیز ترین چیز پیش نہیں کر سکتا اور میرا بندہ بدستور نوافل کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے‘ یہاں تک کہ میں اس کی قوتِ سامعہ بن جاتا ہوں) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ استغنائے الوہیت افعال و اعمال اور یہ کہ عالم میں سوائے اس کے کوئی مؤثر و قیوم نہیں شامل ہیں اور جس کا ان پر ایمان نہیں‘ آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا اور یہ قرب فرض ہے اور توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ بندہ حجابات دُور کرنے کی سعی کرے اور یہ قرب نفل ہے‘ اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا‘ اس لحاظ سے حدیث کی عبارت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی توحید اجمالی کے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب نہیں پا سکتا کیونکہ اسے ترک

کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ برابر حجابات کو دُور کرنے اور سخت ریاضتیں کرنے یا ذاتِ اقدس کی طرف مکمل توجہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے' یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے باہر لے آتا ہے اور دوستی کا مفہوم یہی ہے اور بندہ جب یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات اپنی نفی کر کے ذاتِ حقیقی میں فنا ہو چکی ہوتی ہے' اسی طرح اس کی صفات (انسانی) بھی اٹھا لی جاتی ہیں اور جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس وقت بندے کی صفات تو اخذ کر لی جاتی ہیں' لیکن اس کی ذات جوں کی توں باقی رہتی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس وقت تمام پردہ ہائے امکان اُٹھ جاتے ہیں' اس وقت کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات ہنوز باقی ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذات نہیں صرف صفات ماخوذ ہو جاتی ہیں' اُن کی ذات سے مراد وجودِ عنصری اور روحی ہے' جو توحید کے اس مقام کے حصول کے بعد بھی تمام مراحل میں اسی طرح باقی رہتا ہے اور اسی طرح خارج میں دیگر تمام طبقات بھی جو علیٰ حالہٖ قائم رہتے ہیں اور اگر کچھ خارق عادات کا ظہور ہو تو یہ بھی تو تبدّل صفات کی قسم شمار ہو گی اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ذات بھی ماخوذ (فنا) ہو جاتی ہے ان کی مراد ذات میں فنا ہونے کا وہی مفہوم ہے جو صوفیاء کے ہاں مسلّم و معتبر ہے' یہ سارا نزاع محض لفظی ٹھہرا۔

راہِ سلوک میں حُزن واندوہ

فرمایا: جسے حضرتِ حق کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ حجابات باقی رہ جاتے ہیں تو اس میں غم اور رونے دھونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ کبھی تو وہ عام محجوبین کے مقام پر آ جاتا ہے لیکن وہ صاحبِ حقیقت کہ جس کی رسائی لطائف حقیقت تک ہو چکی ہوتی ہے۔ غم واندوہ اور اثنیت کے چکر میں کبھی نہیں پھنستا' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ حجاب جو غم و بکا کا سبب بنتا ہے یہ دراصل سالک کے اندر کی وہ درشتی اور شدت بہیمیہ سے جو خود اس کے نفس کو اس کی معرفت کے سلسلے میں حجاب بنا دیتی ہے' وصل عرفان نصیب نہیں ہو پاتا' البتہ جس کی بہیمیّت لطیف اور حقیقی ہے وہ سرور اور اُنس میں محو ہو جاتا ہے۔

تشریح والعصر الخ

''والعصر انّ الانسان لفی خسرٍ الّا الّذین الخ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں

قسم دہر سے مراد ذات' بقا' سرمدیت اور ذاتِ حق کا دوام ہے' کیونکہ واصلین کے سوا یہاں غیریت اور اثنیت کے توہم کا شائبہ ہے' کسی نے حضرت شیخ سے سوال کیا کہ سالکین کی آخری منزل کون سی ہے؟ فرمایا: رفعِ اثنیت (دوئی) اور شہود وحدت ہی وہ بلند درجہ ہے جس سے بالا کوئی درجہ نہیں۔

تشریح ''توحید راہ کی درمیانی منزل'' ہے

شیخ عبداللہ کھاتی جو اس دور کے مشائخ میں سے تھے' نے کہا کہ توحید تو ایک ایسا مقام ہے جو راہِ سلوک کے درمیان پیش آتا ہے' اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اس سے آگے کی خبر تو دیجئے' انہوں نے کہا کہ ایک چیز ہے مگر بہت مخفی' آپ نے فرمایا: سالک جب وحدتِ محضہ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظروں سے کثرت غائب ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تنزل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے اور یہ تنزل ہے' اسے توحید سے بلند مرتبہ کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ لیس وراء عباد ان قریة والی ربک المنتھٰی.

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کو راستے کی ایک منزل قرار دیا ہے' انہوں نے کثرت سے رؤیتِ جمع و ذہول مراد لی ہے اور یہ سکر و غلبہ کی ایک قسم ہے اور جو شہود وحدت محضہ کو آخری منزل سمجھتے ہیں' ان کا مطلب یہ ہے کہ لطیفہ اَنا اپنی جگہ لطائف میں سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے' جب صاحب جمع الجمع[1] وحدت و کثرت دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے تو اس وقت رؤیت وحدہ محضہ کا اصل منشالطیفۂ اَنا ہوتا ہے اور رویتِ کثرت کا منشالطائف سافلہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقام لطیف ترین لطائف کا پالینا ہے۔ واللہ اعلم

رشحات میں بعض عرفاء سے یہ جو منقول ہے کہ ''من در ابتداء میگفتم ممکن عین واجب است ودر انتہا ظاہر شد کہ واجب عین ممکن

---

[1] اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق حق سے قائم ہے' اس مقام پر حق کا جمیع موجودات میں مشاہدہ ہوتا ہے' سالک یہاں حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے اور حق دخلق کو خلق میں دیکھتا ہے یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق دیکھتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا عین پاتا ہے' یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے' سلوک میں اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔

اســـت ’’(آغازِ کار میں میرا خیال تھا کہ ممکن عین واجب ہے لیکن انجام کار یہ بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ واجب عینِ ممکن ہے) کے بیان میں فرمایا کہ ہر دو عبارات میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفاتِ امکانیہ میں حصرِ واجب کو مستلزم ہے اور دوسری بات کا معنیٰ یہ ہے کہ تعینات امور اعتباری اور اعدامِ محضہ ہیں جب کہ موجودِ حقیقی بجز واجب تعالیٰ کے کچھ اور نہیں، فرمایا: جب خدا تعالیٰ ہر دورہ میں شیونات کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے افعال کو پیدا کرتا ہے کہ جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ خلق کا سلسلہ ہر نوع میں جاری ہو جاتا ہے جیسے درخت، پتھر، انسان، گھوڑے وغیرہ، پس مثال نوعِ انسانی اس کے مظاہر میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ارواح اور اجسام کو بالترتیب پیدا کیا، بعد ازاں یہ دورہ یہاں پر ختم ہو گیا، یہاں تک کہ یہ رُوحیں فنائے خفی کے پردے میں چلی جاتی ہیں، اس کے بعد سابقہ دورہ کی ترتیب کے مطابق پھر سے انہیں پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ کے افعال و صفات میں تعطّل نہیں ہے، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ’’نحن اناس سرمدیون ‘‘(ہم سرمدی لوگ ہیں) طولِ مدت پر محمول ہے یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے، اس لحاظ سے جس پر بھی ازل و ابد کی حقیقت کھل جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو سرمدی سمجھتا ہے، کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ ظہور مثال سے پہلے حقائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے اور یہ یقین اشتقاق صودتِ صرف کی رو سے حقیقۃ الحقائق ہے اور یہ اس لحاظ سے کہ حیزِ بساطت اور تنزلِ مراتب میں یکساں طور پر موجود ہے اور ارادۂ قدیمہ واجبہ سے وہ اشتقاق مراتب کونیہ میں ظہور کی خاطر ہے جیسے کہ وہ ستارے کہ جن کا پانی کے تالاب میں عکس پڑ رہا ہے، اگر پانی ہزار بھی اپنی شکلیں بدلے تو ستاروں پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور وہ ویسے کے ویسے رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے قول کی تشریح

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے قول ’’العبد عبد وان ترقی والرّبّ رب وان تنزل ‘‘(بندہ بہر طور بندہ ہی رہتا ہے، چاہے کتنی ترقی کر لے اور رب بہر صورت رب ہے چاہے تنزل اختیار کر لے) کی تشریح میں فرمایا: بندہ چاہے مراتب اعلیٰ پر پہنچ جائے وہ اپنی مقدارِ عین سے

خارج نہیں ہو سکتا' لہٰذا اس کے تمام تر کمالات اس کی استعداد عین کے دائرۂ کار کے اندر ہوتے ہیں اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ جلوہ گر ہے' اگرچہ اس نے مظاہر میں بھی اپنا ظہور فرمایا ہے' اس گفتگو کا فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر اجمالاً تجلی فرماتا ہے' اگرچہ وہ تجلی تجلّٰی لہٗ (جس میں تجلی کا ظہور ہو رہا ہے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے' تاہم اس میں سطوت' تسخیر اور قہر و جوب نمایاں ہوتے ہیں اور مقامِ فنا میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بندہ کبھی کبھار اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے' لیکن یہاں بھی انفعال اور تاثر امکان واضح ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شیخ ابوالرضا کے چند مُسَوَّدات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحد جو کہ شیخ احمد سرہندی کے پوتے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے' نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ مکتوب تحریر فرمایا:

مکتوب شیخ عبدالاحد

آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اوقاتِ مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے' کیونکہ معاملہ دشوار' راستہ مشکل اور خوفناک ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان امامکم عقبۃ کؤودٌ'' (تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاٹی ہے)۔

کیف الوصول الی سعاد ودونہا　　قلل الجبال ودونہن خیوف

الرجل حافیۃ ومالی مرکب　　والکف صفر والطریق مخوف

''میں سعاد (محبوبہ) تک کیسے پہنچوں کہ راستے میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل راہیں' میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری' راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں''

میرے محترم و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی اور غیرِ حقیقت شایانِ بیان نہیں' اس لیے بات ختم کرتا ہوں۔ والسلام

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا: ''ھو الاحد''۔

مکتوب شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سراپا شفقت' عنایت نامہ موصول ہوا اور اس نے خلوص و یگانگت کے رشتے کو استحکام بخشا' اللہ جل شانہ' آپ کو اس مہربانی اور عزت بخشی کی جزاء عطا فرمائے اور اپنے مقصد تک رسائی بخشے۔ گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونہا　　قلل الجبال ودونہن خیوف

الرجل حافیۃ ومالی مرکب　　والکف صفر والطریق مخوف

حقیقت یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقہ تک اس کے حقیقی اطلاق سے سیر مستطیل کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے' جبکہ اس سے پہلے اعتبارات مخفّصہ اور اضافاتِ وہمیہ صرفیہ جو کہ عالم خلق و امر سے متعلق ہیں۔ ایسی دشوار گزار پہاڑی چوٹیاں بھی موجود ہیں کیونکہ ان سے سالک خود کو خوف زدہ پاتا ہے اور اپنے شعور و ادراک کو ان کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو اپنی ذات مین وجودِ خاص کی بناء پر بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' اس کا راستہ بہترو پُرامن ہے اور نہ خوفناک' اس مقام پر ننگے پاؤں کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی سواری کی' اور نہ ہی اس جگہ کسی تہی دستی کا کوئی وجود ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے مگر لوگوں میں اس کا ظہور نہیں' وہ پاک ذات ہے جو اپنے اشراقِ نور کا حجاب اوڑھے ہوئے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

توهمت قدماء ان ليلى تبرقعت　　　وان لنا فى البين ما يمنع اللثماء

فلاحت فلا والله ما ثم مانع　　　سوى ان عينى كان من حسنها اعمىٰ

''قدماء کا یہ وہم ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہمارے لیے تو یہی جدائی ہے جو حجاب بن کر بوسے سے مانع ہے' جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی' مگر ہماری آنکھیں ہی اس کا جلوۂ حسن دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں''

پردہ برخاست تا بدیدستم　　　دوست با دوست کردہ در آغوش

آں شناسد حدیث دل مست　　　کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

''پردہ اٹھا تو میں نے خود کو اس حالت میں دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے اور دل مست کی بات صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی رکھی ہو''

وغنى بى منى قلبى فغنيت كما غنى　　　وكنا حيث ما كانوا حيث ما كنا

روز آں بتو بودم ونمید انستم　　　شب با تو غنودم ونمید انستم

ظن بودمرا بمن کہ من جملہ منم　　　من جملہ تو بودم ونمید انستم

''ہر دن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا' اسی طرح راتوں کو بھی تیرے ساتھ رہا' مگر بے خبر تھا۔ میرا گمان تھا کہ میں ہی ہوں حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں' تو ہی تو

تھا لیکن مجھے پتہ نہ چل سکا“

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو سخن حقیقی ہوتا ہے بیان میں نہیں آ سکتا۔

اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ بیان میں اس وجہ سے نہیں آ سکتا کہ سننے والوں کی سوجھ بوجھ میں کمی ہے، ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ عینِ گفت ہے اور اگر نفسی ہے تو ”**فما من عيانِ الاوله بيان**“ دوہڑہ

کبیرا کا کہر سلہری جہان سلسلی سبل ولث بانو پیل کی سوادکون لادی بیل

والسلام علیٰ اہل اللہ الکرام

جب حضرت شیخ کا مکتوب گرامی پہنچا تو جواباً شیخ عبدالاحد نے انتہائی فصیح و بلیغ مکتوب لکھ بھیجا، جس میں صعوبت حصول اور بُعد راہ کے مضامین کو بسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ مکتوب یہ ہے:

مکتوب شیخ عبدالاحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد! گرامی نامہ سراپا شفقت وتلطف موصول ہوا۔ مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوا۔ مکتوب نکات کا خزینہ اور معارف وحقائق کا گنجینہ تھا۔ اس کی دلکش عبارات پاکیزہ اور لطیف اشارات رُوح پرور تھے۔ ؎

نکہتا لیش ہمہ ہمرنگ چمن کردہ بر دفترِ گل مشق سخن

”اس کے تمام نکات رنگ چمن سے رنگین تھے، گویا پھولوں کے کاغذ پر مشقِ سخن کی گئی تھی“

خدائے بزرگ و برتر آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے اور انتہائی مسرتوں سے مالا مال کرے۔ خط میں مرقوم تھا کہ سُعاد تک رسائی ایسے ہی مشکل ہے جیسے سیرِ مستطیل کے ساتھ ہویت ذاتیہ کا حصول، ورنہ حق سبحانہٗ بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ آپ نے یہ وجود کے بارے میں کہا مگر جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو ذات سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء اور وراء الوراء ہے ؎

برگِ بیرنگی بساز اے عندلیب بینوا کہ ایں گلِ ما برنتابد از نزاکت رنگ را

''اے بلبلِ بے نوا! کسی بے رنگ پتی سے ناطہ جوڑ کہ یہ میرا پھول انتہائی نزاکت کی وجہ سے رنگ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا''

دوہڑہ

پنت نکث سنکم اکم بگرمایۂ جیوں جہانہ چکہ اکیں مکہ ہن رہی طنہ نہ بہر بہر مانہ

شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

با ایں ہمہ نزدیکی جاناں چہ بسی دوری در عین وصال تو گشت ایں ہمہ مہجوری

''اس تمام نزدیکی کے باوجود محبوب کس قدر دُور ہے۔ اے محبوب ازل! تیرے عین وصال میں بھی کتنا ہجر ہے''

آپ نے تحریر فرمایا: اس کی طرف کوئی پُر امن بہتر اور نہ کوئی خوفناک راستہ جاتا ہے اور اس میں ننگے پاؤں چلا جاتا ہے نہ تہی دست ہو کر۔ ہاں! یہاں کوئی اچھا راستہ نہیں مگر اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان سے پہلے نشیب و فراز حائل ہیں، وہاں راہِ حقیقت واسع اور ثابت ہے اور اس راہ کے راہی اس میں پڑے ہیں ''سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلا'' میں اور ''انی ذاھب الی ربی '' میں بھی اسی راہِ حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور ''قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ '' بھی اسی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ اسی طرح ''ففروا الی اللّٰــــہ '' بھی اسی معنیٰ کی طرف مُشعِر ہے اور وہ دو شعر جو آپ نے نورِ مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائگی کے بارے میں تحریر فرمائے، نے مجھے بہت محظوظ کیا، ہاں! معاملہ کچھ یونہی ہے جیسے کہا گیا ہے: ''انت الغمامۃ علی شمسک دع نفسک وتعال ''(تو خود اپنے آفتاب پر بادل کی طرح چھایا ہوا ہے لہٰذا خود کو چھوڑ اور چلا آ) اور فارسی کے جن اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ مطلوب و ہم آغوش پردہ پوش محبوب تھا۔ یہ نہایت دل سوز، سینہ افروز اور عرفان و وصلِ بے پردہ سے معمور تھے۔ بہر طور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول اور عالمِ سکر و مستی کے شعبدے ہیں۔ مقامِ تنزیہ جو کہ حضرت ذات سے قریب تر ہے، وہ ان تمام کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہاں تو وہی کچھ ہے جو بیان سے باہر ہے، وہاں مجھے تو سوائے حیرانگی، ناشناسی اور حقیقت کے ادراک کی عاجزی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باز بدست ست دام را

"ما للتراب ورب الارباب" (چہ نسبت خاک رابعالم پاک)

تو از خوبی نمی گنجی بعالم مراہرگز کجا آئی درآغوش

"تیرا حسن تو سارے عالم میں نہیں سماتا پھر تو میرے آغوش میں کس طرح سماسکتا ہے"

یہی وہ مقام ہے جہاں مقربانِ بارگاہ کو ابدی حزن وملال دامن گیر ہو جاتا ہے اور یاس وحرمانِ سرمدی خاصۂ خاصانِ درگاہ کے حصے میں آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "کان علیه السلام دائم الحزن متواصل الفکر" (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکرمند رہتے تھے)۔

دلہا ہمہ آب گشت وجانہا ہمہ خون تاچیست حقیقت زپسِ پردہ برون

"سارے دل حقیقتِ پسِ پردہ کو جاننے کی کدو کاوش میں پگھل کر پانی ہو گئے اور ساری جانیں خون ہوگئیں"

جو دوہڑہ اس راہ کی دشواری کے بارے میں تحریر کیا گیا وہ انتہائی دل نشین اور بے ساختہ تھا۔ اس راہ کی مشکلات تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ مخبر صادق علیہ السلام نے بھی ان دشواریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ان امامکم عقبة کؤودٌ" یہ بھی ہے مگر

گرموج زند عنایت او موراں بکنند کارِ پیلاں

"اگر اس کی عنایت کا بحر موج مارے تو چیونٹیاں بھی ہاتھیوں کا کام کریں"

احادیث میں آتا ہے کہ "ان اللّٰه یفعل بالضعیف ما یتحیر فیه القوی" (خدا کمزور سے وہ کام کرالیتا ہے جس میں طاقت ور بھی عاجز ہو جاتا ہے)

عجائب رہِ عشق اے رفیق بسیار ست زپیش آہوئے ایں دشت شیرِ نر برمید

"اے دوست! جادۂ عشق کے عجائبات بے شمار ہیں اس جنگل کے آہو سے پہلے شیرِ نر نکلتا ہے"

دوہڑہ:

نیہی گر در پیہم کو بپل جہاں رمنا دیکھو کا برج بہہ کو جو کچیست ہنجی دہارو

اور یہ رباعی:

روز آں بتو بودم ونمید انستم　　شب با تو غنودم ونمید انستم

ظن بود بمن کہ من جملہ منم　　من جملہ تو بودم ونمید انستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وصال اور غلبۂ سکر کی کیفیت کی خبر بھی دیتی ہے' ورنہ خدا کے ہاں تو نہ شام ہے نہ سحر "لم یلد ولم یُولد" اس کے جلال کا صحیفہ ہے اور "ولم یکن لهٗ کفواً احد" اس کے توقیع کمال کا دیباچہ ؂

ابروے دوست کے شود دست کش خیالِ من　　کس نزداست زین کمان تیر مراد بر ہدف

"دوست کے ابرو میرے ذہن سے کیسے نکل سکتے ہیں' کسی نے اب تک اس کمان سے نشانے پر تیرِ مراد پھینکا ہی نہیں"

اور جو کہا گیا ہے کہ ؂

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی　　وکنا حیث ما کانوا وکانوا حیث ما کنا

یہ بھی اسی قبیل میں سے ہے ورنہ وہاں تو قیل' قال' حیث کان' انس اور جان کچھ بھی نہیں۔ "کان اللّٰہ ولم یکن معه شی والان کما کان" اور بشر کو یہ طاقت نہیں کہ وحی یا پردے کی اوٹ کے بغیر خدا سے ہم کلام ہو سکے۔ یہ (آیت) جواہر سالکین کی نقاد ہے اور "ولا تضربوا للّٰہ الامثال واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون" معیارِ حلیہ عارفین ہے' کیا آپ نہیں جانتے کہ سرخیلِ مُحبان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے "لن ترانی" کا زخم برداشت کیا اور دفتر محبوباں کے سرتاج (سرکارِ دو جہان ﷺ) نے "لیس لک من الامر" کی نداسنی' گویا ایک جانب عنایت ہے تو دوسری جانب بے نیازی۔ تحریر تھا کہ آپ نے لکھا ہے کہ جو سخن حق ہوتا ہے گفتگو میں نہیں آتا۔ اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ سننے والوں کے ادراک کی کمزوری کی بناء پر گفتگو میں نہیں آ سکتا ورنہ اگر سخن لفظی ہو تو عین گفت ہے اور نفسی ہو تو ہر عیاں چیز کے لیے بیان ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود قصورِ متکلم ہے' یہاں سخنِ حق سے حقیقتِ ذات کا بیان ہے اور ذات کی بداہت کرنا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے اور اس سلسلے میں ظن وتخمین سے کام لینا بے ادبی ہے۔ کیونکہ ظن بیانِ حقیقت کو ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ درکِ ممکن اور احاطۂ متناہی میں آئے گا' لامحالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی تو اس سے بہت بالا ہے۔ خواجۂ

بزرگ (خدا ان کی لحد پر عطر افشانی کرے) نے فرمایا: جو کچھ بھی دیکھا اور سنا جاتا ہے سب غیرِ حق ہوتا ہے لہٰذا اسے کلمہ کے لفظ ''لا'' کی حقیقت سے منفی کر دینا چاہیے ۔

بس بیرنگ است یارِ دلخواہ اے دل قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

''اے دل! محبوب ازل تو بے رنگ ہے تو کہیں اچانک رنگ پر قانع نہ ہو جانا''

خلاصۂ کلام یہ کہ جو اس کو جانتا نہیں وہ بطریقِ اولیٰ اس کے بارے میں کچھ بیان بھی نہیں کر سکتا اسے فکر وہم اور نگاہیں نہیں پا سکتیں۔

چساں نشاں دہم آں بے نشانِ یکتا را مگس چہ شرح دہد آشیانِ عنقا را

''اس بے نشان و یکتا کا کیا نشان بتاؤں کہ شہد کی مکھی آشیانۂ عنقا کا کیا پتہ دے سکتی ہے''

میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور ''**انی اصطفیتک بکلامی وَبِرِسَالَاتِی**'' کی نوید سنا کر اعزاز بخشا۔ اس نے بھی یہی صدا بلند کی کہ ''**یضیق صدری ولا ینطلق لسانی**'' اور جسے اس نے جوامع الکلم سے نوازا اور تاج و معراج اور اوّلیت و خاتمیت سے عزت بخشی اس نے بھی یہ فرمایا: ''**لا اُحصِی ثناءً علیک سبحان اللہ رب العرش عمّا یصفون**''۔

اے از تو گمانِ خلق بس دور جلوائے تو از پرِ مگس دور

''اے کہ تجھ سے لوگوں کا گمان بہت دور واقع ہے اور تیرا جلوہ تو پرِ مگس سے بھی لطیف ہے''

ہر کس کہ ز کنہ تو سخن گفت خود گفت وز گفت خود برآشفت

''جس نے بھی تیری حقیقت کے بارے میں کچھ کہا تو خود ہی کہا اور اپنے کہے پر خود ہی پشیمان ہوا''

اے برتر ازاں ہمہ کہ گفتند وآنہا کہ بدید ہم نہفتند

''اے کہ تو اس تمام سے بلند ہے جو تیرے بارے میں کہا گیا ہے اور جنہوں نے دیکھا چھپایا''

توحید تو ہر کہ راند در قیل برمور چہ زد عماری فیل

''جس نے تیری توحید کولفظوں میں ڈھالا اس نے گویا چیونٹی پر ہاتھی کی ڈولی رکھ دی''

آپ کا یہ فرمان کہ''فما من عیانِ الا وله بیان''اورقول خداوندی:''الرحمٰن علم القرآن''اپنی جگہ صحیح ہیں مگر جو عیاں سے بالا ہے وہ بیان سے خالی ہوتا ہے اور آپ علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ محققین میں سے کسی کا قول ہے کہ''من عرف اللّٰه طال لسانه''(جس نے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان تیز ہوگئی) اور یہ مرتبۂ صفات' شیون اور اعتبارات ہے اور صوفیہ کا یہ قول''من عرف الله كل لسانه''(جس نے خدا کو جان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) مرتبہ ذات کی بناء پر ہے جو اضافات اور اعتبارات سے مبرا ہے اور وہ مطلقاً کیف سے منزہ ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ''الرحمٰن علم القرآن''میں قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے' اس لیے اسم ذات کی بجائے اسم صفت کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ''فاوحٰی الٰی عبدهٖ ما اوحٰی''میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا اور بندے کی اضافت ہُوِیّۃ ذاتیہ کی طرف کی جیسے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے:''ابهموا ما ابهم الله''(جسے خدا نے مخفی رکھا اسے ظاہر مت کرو) اس سے مراد یہ ہے کہ تم ذات کے بارے میں سرے سے بحث ہی نہ کرو کیونکہ تم رُخ کبریا سے نقاب اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

''میں عشق کی جو شرح بھی بیان کرتا ہوں جب عشق اختیار کرتا ہوں تو اپنے کہے پر شرمسار ہوتا ہوں''

نکتہ

دوسرے یہ کہ عیاں کے لیے کیا بیان؟

میرے محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے مقرب ترین عمل ہے اور موردِ تجلیات و مشاہدات ہے اور اس کے بارے میں یہ حدیث کہ''الصلوٰة معراج المؤمن''اور ایک دوسری معتبر حدیث کہ''اقرب ما یکون العبد من الرب تعالٰی فی السجدة''نماز کے مقرب ترین عبادت ہونے کی بیّن دلیلیں ہیں' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں ادائے

نماز کے دوران مطلوبِ بے حجاب اور محبوب بے نقاب کی ہم آغوشی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور فرطِ عشق و شوق کے مارے مظہر و ظاہر اور صورت و حقیقت میں تفریق نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے نماز کے تمام ارکان میں اس حکیم مطلق نے تکبیرات انتقالات اور تسبیحات کا حکم دیا ہے۔ یعنی اے سالک! جب تیرے دل میں وصال کا کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذاتِ باری اس سے کہیں برتر و اعلیٰ ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے سالک کے توہمِ وصول کو جو تجلیات و مشاہدات کے ورود سے پیدا ہوتا ہے اور در حقیقت ایسا نہیں ہوتا' اس طرح بیان کیا ہے

عکسِ روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد عارف از خندۂ مے در طمع خام افتاد

''جب تیرے چہرے کا عکس آئینہ جام میں پڑا تو عارف کا دل شراب میں مسکراتے عکس کو دیکھ کر طمع خام میں جا اُڑا''

یعنی عارف کا خونِ دل جو محبت کا گہوارہ ہے جو کہ نقوشِ ماسوا کو مٹا کر تجلی ذاتی کا مرکز بن جاتا ہے اور یہ تجلی ذاتی اس کی ذات سے وجہ کنایت ہے اور ایسے میں عارف کا باطن پہلے سے سوگنا بڑھ کر ترقی حاصل کرتا ہے اور بے پایاں شگفتگی و مسّرت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو ناچار بے پردہ وصولِ ذات کے لالچ میں پڑ جاتا ہے۔ مگر اُسے معلوم نہیں ہوتا کہ تجلی اسے کہتے ہیں جو شائبۂ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ تجلی کسی چیز کے مرتبۂ ثانیہ یا ثالثہ میں ظاہر ہونے کا نام ہے

خلق را روی کے نماید او در کدام آئینہ در آید او

''لوگوں کو وہ اپنا جمال جہاں آراء کس طرح دکھائے اور وہ کس آئینے میں سمائے''

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وصولِ ذات اصلاً ناممکن ہے جبکہ مشائخ کبار سے وصول الی الذات منقول ہے اور ان میں سے کسی نے یہ بھی کہا ہے

ذات من نیست جز تجلی ذات ذات بر من زدہ است راہِ صفات

''میری ذات سوائے تجلی ذات کے اور کچھ نہیں اور ذات نے مجھ پر صفات کے راہیں مسدود کر دی ہیں''

اور اسی طرح کسی اور نے کہا ہے: حق تو یہ ہے کہ میں اسم و صفت سے گزرے بغیر ذات

تک پہنچا ہوں' اس سلسلے میں مشائخ کے اقوال اس قدر ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصول الی الذات کا مطلقاً انکار تو نہیں کرتے مگر کُنہِ ذات تک وصول کے قائل نہیں اور اس کی کیفیت کے بطریق حصول پانے کے بھی قائل نہیں اور جو وصول بے کیف اور بلا ادراک ہو وہ ممکن اور یقینی ہے جس کے ثبوت کے لیے دلائل و براہین موجود ہیں اور اسی قبیل سے ایک بات یہ ہے کہ اس وصول کے باوصف نگرانی ابدی دامن گیر ہو جاتی ہے اور دائمی حزن واندوہ دولت وصول کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کا سبب دو امور ہیں' پہلا اس تلوّن وتلذّذ کے فقدان کے نتیجے میں پیش آتا ہے جو اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں موجود ہوتا ہے اور باطن سے پوری طرح مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ سالک وسعتِ ذات اور اپنے شوق وتشنگی کی وجہ سے اس مقام کا احاطہ نہیں کر پاتا' اگرچہ وہ خود بسیط تر ہوتا ہے مگر ذات حق تو وسیع تر ہے اور یہ تمام (وصول) بلا کیف ہوتا ہے' یہاں عارف بمنزلۂ مستسقی کے ہوتا ہے جو ذاتِ حق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس مقام کا کوئی کنارہ ہے نہ نہایت' نہ انجام ہے نہ آغاز۔　　ع

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

شیخ عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں　ؔ

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر　　ندید فقر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبے کا وصول کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانۂ جبروت میں ایک جوہر ہے کہ جس کی احتیاج ہوتی ہے' وہ باقی نہ رہے قطعاً ناممکن ہے ''**وفوق کل ذی علمٍ علیم** O'' اگر نہ جاننے اور پہچاننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں طلب کیسے پیدا ہوئی؟ جبکہ اس نے اس کے لیے جگر کو کباب اور آنکھوں کو نمناک کیا ہے تو اس کے جواب میں یہ عرض کروں گا کہ جاننا پہچاننا شرطِ طلب نہیں' بلکہ حُسنِ محبوب کی دھوم حریفِ عشق کو بے قرار اور بے چین کر دیتی ہے اور جمالِ محبوب کی خوشبو وگفتگو دیوانگیٔ عاشق کو جوش دلاتی ہے۔ اس طرح کے گلہائے رنگین اس وادی میں بکثرت کھلتے ہیں اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر وبیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ آتش عشق میں کودنے والوں کی دیوانگیاں اور جاں گدازوں کی الفتیں ہیں' جو دنیائے عشق میں اس طرح کے عجائب وغرائب پیدا کرتی رہتی

ہیں، مولوی عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد | بسا کیں دولت از گفتار خیزد

"آتش عشق صرف دیدارِ یار سے ہی نہیں بھڑکتی بلکہ اکثر یہ دولت حُسن یار کے چرچے سے ہی مل جاتی ہے"

آری مقتضائے ادب ایں ست | لائق کبریائے محبوب چنیں است

اے عشق ز عاشقاں عجب نیست | معشوق شناسی از ادب نیست

"ہاں! تو ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے شایان یہی ہے کہ عشق کا ظہور عشاق سے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ معشوق کو جان لینا ادب سے تعلق نہیں رکھتا"

تو یہ جان لینا چاہیے کہ جیسے ذات کو کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی طرح اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اس کا وصول بھی نہ تو کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ممکن ہے، اس اخروی رؤیت کی طرح کہ جس پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی کیفیت سے سروکار نہیں رکھتے ع

بلا بودی اگر ایں ہم نبودی

اگر یہ کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں فرق کیا ہے؟ جبکہ ہر دو سوز و گداز میں ایک ساتھ اور دونوں اسی راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر تو ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے تو یہی مقصود ہے مگر یہاں تو دونوں میں کوئی فرق موجود ہی نہیں اور اگر حزن و اندوہ ہے تو وہ بھی دونوں میں یکساں موجود ہے، میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ مبتدی کا عدمِ وصول حقیقی ہے جبکہ منتہی کا صوری، مبتدی جب گریہ کرتا ہے تو اس لیے کہ سامنے حجابات کی دیواریں ہوتی ہیں مگر منتہی تو عظمت و کبریائی کے مشاہدے سے رو پڑتا ہے، وہ (مبتدی) ہنوز ستر ہزار پردوں میں ہوتا ہے اور یہ (منتہی) انوار کی چکا چوند میں پہنچا ہوتا ہے، وہ بارِ ہستی کو کاندھوں پہ اٹھائے ہوتا ہے، جبکہ یہ اس کی عظمت کا بار برداشت کیے ہوتا ہے، وہ ابھی تک مادی لباس میں گرفتار ہوتا ہے اور اسے خلعتِ وجود کے ساتھ عزت بخشی گئی ہوتی ہے، وہ سایوں اور خیالوں میں ہوتا ہے کہ یہ واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس نے ابھی انفس و آفاق کے دام سے پاؤں نہیں چھڑائے ہوتے کہ یہ ان تمام سے نکل کر منزلِ بالا تک پہنچا ہوتا ہے۔ الغرض یہ کہ "بکاء المرید

من بکاء الشیخ'' کے مقام پر فائز اس جانِ جہاں پر اپنی جان کی بازی لگائے' اسم اور رسم اور نام ونشان سے بے پروا گزر کر تنزیہہ مطلق اور غیب صرف کو اپنی توجہ کا قبلہ بنا دیتا ہے' بے شک خدائے بزرگ و برتر بلند عزم لوگوں کو عزیز جانتا ہے' کیا خوب کہا ہے ع

آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم

''وہ لقمہ طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے''

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول اور مطلوب قرب ہے نہ کہ ادراک۔

دوہڑہ:

نا نو نجا نو کا اور بارک لا کی جانو ۔۔۔ جاتی جہان کتے تہاں نا نو نہ کا نو نہ تھانو

گرفتم نا ید ایں عنقا بدامم ۔۔۔ تنید نہائے دامش را غلامم

کسی را گرچہ برگِ ایں سفر نیست ۔۔۔ بہ از سودائے او چیزے دگر نیست

''مجھے تسلیم ہے کہ عنقا میرے دام میں نہیں آنے کا' مگر میں تو اس کے دام کی رسیوں کا غلام ہوں' اگر کسی کے پاس اس سفر کا ساز وسامان نہ ہو تو اس کے لیے سودائے محبوب سے بہتر کوئی زادِ راہ نہیں''

اب ہم اس مکتوب کو حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ' بسرہ الاسنیٰ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے امکان کو آئینہ وجوب اور عدم کو مظہر وجود بنایا اور وجوب و وجود اگرچہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے ورا اور بلند ہے بلکہ تمام اسماء وصفات اور شیون و اعتبارات سے ماوراء ہے اور ہر ظہور' بطون' بروز اور کمون سے بالا ہے' اسی طرح تجلیات' ظہورات' مشاہدات اور مکاشفات سے بھی ارفع ہے اور ہر معقول' محسوس' موہوم اور تخیل سے بھی ماوراء ہے' الغرض وہ ذاتِ پاک وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ ۔۔۔ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم ۔۔۔ ز مرغ من بود آں نام ہم گم

''میں تمہیں اس طائر قدسی کا کیا نشان بتاؤں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ ہے لوگوں

کی نظر میں عنقا کا بھی ایک نام ہے مگر میرے طائر قدسی کا تو نام بھی مخفی ہے"

پس ذاتِ اقدس ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز بلکہ تمام تعریفوں کی منزل اس کی ذاتِ اقدس کے سراپردوں سے پہلے واقع ہے' وہ وہی ذات ہے جس نے خود اپنی ثناء کی اور اپنی ذات کی خود تعریف کی' لہٰذا وہ ذاتِ پاک خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود' کوئی دوسرا اس کی حمد وثناء سے عاجز ہے' انتہیٰ کلامہ' القدسی

ہیہاتَ قلمِ بوقلمم در کف اندیشہ گداخت　　　رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شُد

"ہائے افسوس! میری بوقلمونی کا قلم اندیشے کی ہتھیلی میں گھل گیا' رنگ ختم ہو گیا لیکن تیری نیرنگی تصویر نہ بنی"

عرفان پناہا! ہماری باہمی بحث کسی مقابلے یا مناظرے کی بناء پر نہیں بلکہ اس کا تعلق نیم خامی اور ترکِ جوشی سے ہے۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے کیونکہ "العذر عند کرام الناس مقبول" اور سلامتی ہو اس پر جو راہِ ہدایت پر چلا اور متابعت مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والتسلیمات لعُلیٰ پر کاربند ہو گیا۔

حضرت شیخ ابوالرضا نے حضرت شاہ عبدالاحد کے مندرجہ بالا مکتوب کے مطالعہ کے بعد یہ جواب تحریر فرمایا:

جوابِ شیخ ابوالرضا

تمام تعریفیں اس ذاتِ اقدس کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہر غلطی ونقصان سے نکال کر اپنی طرف مائل کیا تو ہم نے اسے اپنی شہ رگ سے بھی قریب پایا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی حیرانگی تھی اور نہ پریشانی اور ہر عارف و جاہل کی طرف سے درود و سلام ہوں' ہمارے نبی اور آقا حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر۔ یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غلطاں و پریشاں ہوتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! گرامی نامہ دلکش عبارات لیے ہوئے یہاں پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی صرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبۂ حال کے سبب ہوتی ہے تو ایسی حالت میں سخنِ مغلوب کا کیا اعتبار؟! اور اس کی مثالیں رموز و اشارات سے اشعار کے روپ میں ظاہر کی گئیں۔ اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات' کنایے اور استعارے تھے' میں نے

ان تمام کو اچھی طرح سمجھا' آپ نے پہلی بات جو تحریر کی وہ یہ تھی کہ ؎

کیف الوصول الیٰ سعاد دونها قلل الجبال و دونهن خیوف
والرجل حافیة ومالی مرکب والکف صفر والطریق مخوف

یہ اشعار راستے کی مشکلات اور امتناع وصول کے سلسلے میں واضح ہیں اور جو میں نے لکھا تھا کہ ہُویّتِ ذاتیہ تک سیر مستطیل جو کہ عالم خلق وامر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں کے عبور پر مبنی ہے کہ ذریعے وصول بہت مشکل ہے تو یہ بات مقصد کے لیے راستہ' مشکلاتِ راہ کی وضاحت' وقوع اقدام اور حصولِ وصول کی دشواریوں کے ممتنع الوصول ہونے کی تاویل کے طور پر تھی اور میں نے اس راستے کی نفی بعض اشخاص کے لیے خاص وجوہات کی بناء پر کی ہے جس پر کسی کو انکار کی گنجائش ہے اور نہ کسی اعتراض کی۔ لہٰذا مطلق طور پر اس کے اثبات اور وقوع اور میری سابقہ نفی میں کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ ''ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو وجوہات خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے''۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو وجود کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو وہ ذاتِ حق سبحانہٗ اس سے کہیں ارفع واعلیٰ اور وراء الوراء ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کی یہ بات بالکل درست ہے لیکن عامی لوگوں کے بارے میں' لیکن جہاں تک اعتبارات کے بغیر صرف ذات کی طرف متوجہ ہونے والے حضرات کا معاملہ ہے' وہ اس سے مختلف ہے' پس جس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ وجود میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے' اسی طرح وجدان اور سُریانیت میں بھی ؎

تجدنی فی سواد اللیل عبدی قریباً منک فاطلبنی تجدنی

''اے میرے بندے! تو رات کی تاریکیوں میں جس وقت بھی مجھے آواز دے گا اپنے نزدیک پائے گا'' ؎

مرا اندر شب تاریک یابی ز جانِ خویش ہم نزدیک یابی
مرا نزدیک خود پیوستہ میداں نمیدانی اگر دانی بیابی

''تو مجھے رات کے اندھیروں میں ہی پا سکتا ہے اور دُور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی نزدیک پا سکتا ہے' مجھے اپنے ساتھ پیوستہ جان تو ایسا نہیں سمجھتا اگر سمجھے تو مجھے

پالے"

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہڑہ بھی لکھا ہے: دوہڑہ ؎

پنت نکت سنکم اکم مگر مانہ جیون جہانہ   جگہ اکیں مکھ ہیں رہیں ملنہ بہ بہر بہر باہنہ

اس کے پڑھتے ہی دلِ ناتواں میں یہ آیا۔دوہڑہ ؎

ساجن میرے آیا کل لاکھو بہر بانہ   بل مارت بچھرت نین نس دن کہوں نجانہ

میں نے لکھا تھا ؎

پردہ برخاست تا بدید ستم   دست بادوست کردہ درآغوش

اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تمام گلشنِ تشبیہ کے پھول ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ہاں ہم آغوشی کی آرزو کا مفہوم نکلتا تھا جبکہ میری عبارت میں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ   وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالَ یُشِیْرُ

"ہمارے اندازِ بیان مختلف ہیں ورنہ تیرا حسن تو ایک ہی ہے، درحقیقت ہمارے بیان کے ہر انداز کا اشارہ تیرے ہی جمالِ حقیقی کی طرف ہے"

والا نامہ میں مرقوم تھا ؎

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں   کانیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے ادراک اور احاطہ کی بے مائیگی مراد ہے ؎

اے کمان و تیر ہا برخاستہ   صید نزدیک وتو دور انداختہ

"اے تیر و کمان اٹھانے والے! شکار تو قریب ہے، تو نے تیر دُور پھینکا"

آپ نے تحریر فرمایا: "ما للتراب ورب الأرباب" میں کہتا ہوں قصۂ معراج میں مذکور ہے کہ یہ ازراہِ ادب کہا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے: "یا محمد انک اخترت العبودیة تادباً اخترتک لجمیع الکرامات الانسیة تفضیلا" (اے محمد ﷺ! آپ نے تادّب کے طور پر بندگی کو اپنا لیا اور میں نے تمہیں تمام انسانی فضائل اور خوبیوں کی وجہ سے تفضلاً پسند کر لیا ہے) لہٰذا پتہ چلا کہ تادّب اور چیز ہے اور تفضل دوسری ؎

خاک راچوں کار باپاک اوفتاد   پیش آدم عرش برخاک اوفتاد

"خاک کو جب ذاتِ اقدس سے تعلق پیدا ہوگیا تو پھر عرش بھی انسان کے سامنے جھک گیا"

مکتوب گرامی میں لکھا ہوا تھا کہ "ابدی حزن و اندوہ مقربانِ بارگاہ کو دامن گیر ہوتا ہے"۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ابدی غم و اندوہ تو ہمیشہ کا ایک ایسا عذاب ہے جو دوستوں کے لیے نہیں بلکہ دشمنوں کے لیے ہوتا ہے۔ دوستوں پر تو ہر وقت ناز و نعمت کی بارش اور مقربین کے لیے راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "فاما ان كان من المقربين فروح و ريحان و جنة نعيم" (اگر تو وہ بندہ مقرّبین میں سے ہے تو اس کے لیے خوشی، راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں)۔

آسود بکامِ خویش از وصلِ حبیب　　نے بیمِ فراق است نہ تشویشِ رقیب

خط میں مرقوم تھا

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون　　تا چیست حقیقت زپسِ پردہ برون

اس کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابھی تک پردے کے پیچھے جان و مال باقی ہے اور مشتاق کی حالت بھی یہی ہوتی ہے مگر جب کوئی جان و دل سے ہی گزر جائے تو وہ پردے کے اندر چلا جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے

رازِ درون پردہ ز زندانِ مست پرس　　کیں حال نیست زاہدِ عالی مقام را

"پس پردہ رموز مست رندوں سے ہی پوچھئے کیونکہ بلند مرتبہ زاہد کا تو یہ مقام ہی نہیں"

لکھا تھا۔ دوہڑہ

نبی کر در، یم پیل جہاں زیبائی　　دیکھو کارج بنہ کو چوکچٹ پنجی دہائی

اس دوہرے کے حسنِ تقابل کے متعلق کیا لکھوں تاہم میرے ناتواں دل میں یہ آیا

سات سمندر یم کئی نپت اکم اپار　　کچست تہنی بہ کئی بہرلا کی اروار

آپ نے تحریر فرمایا: "ولا تضربوا لِلّٰهِ الامثال الخ" میں عرض کرتا ہوں: "ولِلّٰهِ المثل الاعلیٰ" اور یہ جو شعر ہے کہ:

وغنى بى منى قلبى فغنيت كما غنى　　وكنّا حيث ما كانوا وكانوا حيثما كنّا

اس سے وفاق مراد ہے فراق نہیں۔

حضرت شیخ احمد رحمہ اللہ جو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے مضمونِ عالی میں کوئی تشبیہ اور مثال نہیں دی گئی‘ جیسا کہ ان کے اقتباس سے ظاہر ہے

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم — زمرغی من بود آں نام ہم گم

ان اشعار میں مرغ اور اس کی عنقا کے ساتھ ہم آشیانی سے مراد ذاتِ اقدس کا علوِشان ہے: ”فکلامکم منطق الطیر ان لم یفھم غیر فلا خیر“۔

تحریر تھا کہ پیشوائے محبان نے زخمِ لن ترانی کو برداشت کیا۔ میرے نزدیک اس کامفہوم یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں دیدارِ باری نہیں کر سکتے لیکن اس گروہ کے لیے ایک دوسری زندگی بھی تو ہے‘ آپ نے لکھا کہ ”دنیائے محبوبیت کے سرتاج نے بھی لیس لک من الامر شیء کی صدا سنی“ میرے خیال میں اس کا شانِ نزول ایصال ہے نہ کہ وصال‘ کیونکہ اس کے بلند مرتبے کی شان تو یہ ہے کہ ”دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ“۔

مکتوب گرامی میں آپ نے لکھا کہ ”جسے (موسیٰ علیہ السلام) خلعتِ کلام سے نوازا گیا‘ اس نے یہ صدا بلند کی: ”یضیق صدری ولا ینطلق لسانی“ میرا خیال ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں معانی کے حقائق اور مکشوفات کے اسرار بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل کر توتلی ہو گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں۔ اسی مفہوم کی دلیل یہ ہے: ”واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی“ اور اسی طرح یہ آیت ”واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی رداء“ کیونکہ دعوتِ تبلیغ وارشاد کا فریضہ فصیح وبلیغ آدمی ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

مکتوب میں مرقوم تھا کہ جسے جوامع الکلم کی دولت عنایت کی گئی اس نے بھی ”لا احصی ثناءً علیک“ کا نعرہ لگایا۔ میرے نزدیک احصاء سے مراد یہاں پر پوری طرح شمار ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان میں داخل نہیں اور ثناء وبیان عیان کے بعد ہوتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے‘ جس کا آخری ٹکڑا آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

”انت کما اثنیت علیٰ نفسک“ میں نے بیان کیا تھا کہ ”ما من عیانٍ الا ولہ البیان“ اس پر دلیل قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ ہیں: ”الرحمٰن O علم القرآن O خلق

الانسان O علمه البیان O ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو تمام ذاتی' صفاتی اور افعالی معارف کا مجموعہ ہے اور اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز بنایا' جس پر پورا قرآن مجید مشتمل ہے۔ والا نامہ میں مرقوم تھا: جو عیان سے بالا ہوگا وہ بیان سے خالی ہوگا۔ میں عرض کرتا ہوں: یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے' آپ نے تحریر فرمایا'' کہ دیگر ''عیاں راچہ بیاں'' اس کے بارے میں عرض ہے کہ صاحبِ عیان کے لیے بیان کی حاجت نہیں اور جو صاحبِ عیان نہیں وہ بیان کا محتاج ہے' یہ اور ہے وہ اور! اور آپ کے اس قول کہ ''ہم کنہِ ذات اور اس کے ادراک کی کیفیت کے حصول کے قائل نہیں ہیں'' کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ عطف اور ارجاع کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے' چاہے وصول کے لیے ہو یا ذات کے لیے اور آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ ''کسی ایسے مرتبے تک پہنچ جانا کہ اس سے بالا کوئی مرتبہ تصور میں ہی نہ آسکے محال ہے'' بالکل صحیح ہے مگر صفات کی سیر میں' لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ متصور ہی نہیں (اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں) ''**لیس وراء العباد ان قریة** '' مکتوب میں لکھا تھا کہ ''عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں'' میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا سروکار جبکہ عشق حجاب ہے اور عاشق و معشوق رُخِ حقیقت کا نقاب اور اس کے علاوہ یہ کہ عشق قلوب میں ایک ایسی آتش ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے۔ بس کیا ہی اچھا جنون ہے اور کیا ہی خوب مجنوں! کلامِ قدسی میں ہے: ''**انت عشقی وانا عشیقک یا محمد**'' (ﷺ)!

دردِ عشق آمد دوائے ہر دِلے　　　حل نشد بے عشق ہرگز مشکلے

گر عشق ہمیں مونس و ہم خانۂ ماست　　　غمہا ہمہ یک جُرعہ پیمانہ ماست

''ہر درد کی دوا دردِ عشق ہے' عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان ہی نہیں ہوتی' اگر یہی عشق میرا مونس و ہمخانہ ہے تو سارے غم میرے پیمانے کا ایک گھونٹ ہیں''

از عقل فرو گزر کہ در عالمِ عشق　　　او نیز غلامِ دلِ دیوانۂ ماست

''عشق میں عقل سے بے پروا ہو کر چل کیونکہ یہ بھی میرے دلِ دیوانہ کا غلام ہے''

آپ کا یہ قول کہ "یہ (گزشتہ بحث) رویت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں' لیکن اس کی کیفیت سے سروکار نہیں"۔ کیفیتِ رویت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لیے مثلیت کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

مکتوب گرامی میں تحریر تھا کہ "اسم ورسم سے گزر کر غیب اور تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند فرماتا ہے"۔ آپ کی اس تحریر سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو کر رہ گئے ہیں' جو اس راہ کا وسط ہے اور ایسے میں ہی مغلوب الحال ہو گئے ہیں' گویا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں' مزید ترقی کی کوشش کیجئے اور جان لیجئے کہ میرا اور میرے بلند ہمت احباب کا یہی مشرب ہے' اسم ورسم سے بے نیاز گزر کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا ہے اس کے متعلق میں مزید عرض کرتا ہوں کہ اسم ورسم کے بغیر تو توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لیے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسم ورسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کر دینا چاہیے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے' مگر درحقیقت تو نہ کوئی مقام ہے اور نہ مقیم "**ان اللّٰہ یحب معالی الھمم**" آپ کا یہ کہنا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول' میرے خیال میں صوفیاء کے قول "صعب الحصول" کی طرف اشارہ ہے' لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہٗ (حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ) کے کلام کا تعلق ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ معارفِ دقیقہ اور حقائق غریبہ پر مشتمل ہے لیکن آپ نے ان کے کلام کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ "**انتھٰی کلامہ القدسی**" (ان کا قدسی کلام یہاں ختم ہوا) یہ الفاظ (کلامِ قدسی) صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے مخصوص ہیں' اس کا اطلاق تو اس کے انبیاء واصفیاء پر بھی نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ ایک ولی کے کلام کے بارے میں ان کا استعمال کیا جائے۔

میرے دوست! آپ سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مقربین کے لیے قیودِ ابدی حزن ویاس اور حرمانِ سرمدی کی عبارات کا استعمال جبکہ نصوص بھی اس کے حق میں نہیں' طالبین کے جذبۂ طلب کو کمزور کرتا ہے' ہمیں تو بندوں کو یہ سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا رب ان سے قریب

ہے‘ وہ اس کی طرف میلان کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”**اذا سألک عبادی عنّی فانّی قریب**“ اوراسی طرح کلامِ قدسی میں ہے: ”**قربونی الی عبادی ولا تبعدونی**“ (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ میرے اوران کے درمیان فاصلے نہ بڑھاؤ)۔

گفتم ملکا! ترا کجا جویم من — درخلعتِ وصفِ تو چہا گویم من
گفتا کہ مرا مجو برعرش وبہشت — نزدِ دلِ خود جوئی کہ برتویم من

”میں نے عرض کیا: اے بادشاہ! تجھے کہاں تلاش کروں اور تیری خلعتِ وصف کے متعلق کیا بیان کروں؟ تو جواب ملا کہ مجھے عرش پر تلاش کراور نہ بہشت میں‘ اپنے دل کے قریب ڈھونڈو کہ میں تمہارے اندر ہوں“

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض جذبۂ خیرخواہی کا اظہار تھا‘ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے اوراس طرح جو کچھ میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا وہ بھی محض جذبۂ محبت‘ خلوص اور یک جہتی کی بناء پر۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ان کے قول کہ ”اس دوہرے ع مینہی کرد الخ کے حسنِ تقابل کے بارے میں کیا لکھوں“ کی وضاحت یہ ہے کہ یہ دوہرہ آپ کے دعویٰ کے مخالف‘ البتہ ایک خاص صورت میں صرف عشاق کے لیے فائدہ مند ہے‘ اُن (حضرت شیخ) کا یہ قول کہ دلِ ناتواں میں یہ آیا ع ساتِ سمندر الخ‘ یہ دوہرہ پہلے دوہرے کے برعکس فناوبقاء دونوں کی حقیقت کو بیان کرتا ہے‘ اسی طرح ان کا یہ قول کہ ”**علی تقادیر العطف والارجاء یلزم الخ**“ بھی تشریح طلب ہے اوروہ یہ کہ کیفیۃ میں ضمیر مجرورتاویل شئی کے ذریعے یا وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف۔ عطف یا تو وصول پر ہے یا کنہ ذات پر‘ پس اس جگہ نحوی اعتبار سے چار تقدیریں ہیں‘ پہلی یہ کیفیت وصول کے ادراک کو مانع ہے۔ یہ کیفیت ذات کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری کیفیت ادراکِ وصول کے وصول کی نفی کرتی ہے اور یہ پہلی تقدیر کی طرح ہے۔ چوتھی تقدیر کیفیت ذات کے ادراک سے وصول کو روکتی ہے اوردوسری بھی اسی طرح ہے۔

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھراس کا جواب لکھا‘ جو یہ ہے:

مکتوبِ شیخ عبدالاحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں بھی باطن بن کر رہی اور جس نے عدم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اپنے نورِ وجود اور وجودِ نور کے ساتھ منور کیا اور درود و سلام اس ذاتِ گرامی پر جس کا نور تمام موجودات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں اور اسی طرح ان کی آل' اصحاب اور تابعین پر بھی درود و سلام ہوں' جب تک تخلیقِ آدم اور رکوع و سجود جاری ہیں بلکہ ابدالاباد تک۔

حقائقِ عرفا اور دقائقِ علماء پر مشتمل آپ کا مکتوبِ گرامی موصول ہوا' جس میں قیمتی نکات معرفت' بلند اسرارِ معرفت کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی عنایات اور اعزازات کا اظہار بھی تھا چونکہ آپ کے والا نامہ میں ہمارے خط کے کئی مضامین پر تبصرہ تھا' اس لیے ہم اپنی کوتاہیوں اور قصورِ فہم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خط کے مالہٗ و ماعلیہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ہاں عذرِ معتبر اور اصلاح و ہدایت اُن کا طریقہ ہے۔ سلام و دعا کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ ''اما فی الوجد ان فھو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء'' بالکل بے غبار ہے اور ایک نکتہ جو کہ اکابرین میں سے بعض بزرگوں سے صادر ہوا' خراز نے بیان کیا' جس کے بارے میں سید الطائفہ نے فرمایا کہ ''وہ ایک ایسی انتہا ہے جس سے آگے کچھ نہیں'' اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبر نے فرمایا کہ وہ حق کی زبان ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیخ الشیوخ نے کہا کہ ''شیخ اکبر تو ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں'' اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ''الوجد عند وجود الحق مفقود'' باقی آپ کا یہ فرمانا: ''ھذا بالنسبۃ الی الاکثرین الخ'' اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ ''بالنسبۃ الی الاکثرین'' نہیں بلکہ ''بالنسبۃ الی الکُل'' ہے' کیونکہ یہاں پر وجدان سے مراد کنہ کا ادراک' احاطہ اور اس کا ذہنی حصول ہے جبکہ وہ وجدان کہ جو اس قید میں مقید نہیں' اس کا ''بالنسبۃ الی الاکثرین'' ہونا جائز اور درست ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ''آپ کی عبارت میں معانقے کی آرزو کا اظہار ہے جبکہ میرے ہاں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے'' تو اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ جس کی تمنا اور

آرزو کی جارہی ہو اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہے اور جب یہ ماموں ہی (جس کی آرزو کی جارہی ہے) اس محصول کی طرح آسان ہو گیا تو ہم نے وصول کے لیے محصول پر اکتفاء ہی نہیں کیا' آپ نے لکھا ہے:

عبارا اتنا شتٰی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے جیسا کہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

ندانم آں گلِ رعنا چہ رنگ وبُو دارد مرغ ہر چمنی گفتگوئ او دارد

''مجھے معلوم نہیں کہ وہ پھول کیسی رنگت وبُو کا ہے کہ ہر چمن کے پرندے کی زبان پر اسی کا ذکر ہے''۔

لاکھہ سہیلی ایک پیو جھو دس پی پی ہوئ نا جانو کس رانو سی کون سہاگن ہوئ

ہمارے اس قول کہ ''ما للتراب ورب الارباب'' کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ ''یہ تاد با تھا اور تفضل دوسری چیز ہے'' کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہترین نمونہ ہیں ''ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ''۔ ہمارا یہ کہنا کہ ''ابدی حزن واندوہ مقربانِ بارگاہ کا دامن گیر اور وصالِ مطلق سے یاس وحرمانِ سرمدی خاصۂ خاصان درگاہ ہے''۔ اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ حُزنِ ابدی چاہے وہ کسی بناء پر بھی کیوں نہ ہو مستقل الم اور عذاب ہے اور یہ تو عام مؤمنین کے لائق شان بھی نہیں چہ جائیکہ مقربین کی بات کی جائے اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نظریہ نصوصِ قطعی کے بھی خلاف ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں کئی مباحث ہیں' خیال ہے کہ ان میں سے ضروری باتیں بیان کر دی جائیں تا کہ یہ عُقدہ پوری طرح کُھل جائے۔ آپ سے یہ امر مخفی نہیں کہ ابد وسرمد کا اطلاق جس طرح خلود پر ہوتا ہے بالکل اُسی طرح مدتِ زندگی پر بھی اُن کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لغت و عُرف اس پر شاہد ہیں' چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: ''ولا تقبل لھم شھادۃً ابدا''۔

تو خلاصۂ کلام یہ کہ محبت کے لیے حُزن وغم کا ہونا اور وصالِ مُطلق سے ناامیدی جو کہ عظمتِ محبوب کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے' مقربین کا خاصہ ہے اور جب تک وہ اِس زندگی کی قید میں رہیں اُن کی یہ حالت قائم رہتی ہے' چاہے وہ تجلیات ومشاہدات کے اعزاز سے بھی مشرف ہو جائیں' اس کے برعکس جس کا وعدہ کیا گیا ہے (حیاتِ اخروی میں) وہ اس

موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہے ارشادِ خداوندی ''وللاخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ '' اور اسی طرح فرمانِ ربّی ''من کان یرجو لقاء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاتٍ '' میں اسی طرف اشارہ ہے' پھر یہ حُزن ویاس جو کہ مراتبِ ظلال سے نکل کر اصول تک پہنچنے کے بعد اور مدارجِ صفات سے ترقی پا کر حضرت ذات تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے' ایک ایسا خاصہ ہے جو ان مراتب پر فائز اصحاب کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔

فرعون راندادیم اے دوست! دردِ سر　　　زیرا کہ او نداشت سر درد ہائے ما

''اے دوست! میں نے فرعون کو اس لیے دردِ سر نہیں دیا کیونکہ اس کے سر میں میری محبت کا سودا ہی نہیں تھا''

اے عارف باللہ! درحقیقت یہ تو صنعت مدح شبیہ بالذم اور کمال' شبیہ بالنقص کے قبیل سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے: ''انہٗ کان ظلوماً جھولاً ''۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے محض نام کی شراکت کی بناء پر اسے دشمنوں کا حصّہ قرار دے دیا اور دوستوں سے اسے بعید بتایا' پھر آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآنی آیات بھی پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے: ''لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون '' اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں آپ کے لیے لفظ ''الیوم'' (یعنی ''الیوم'' سے مراد یومِ قیادت اور اخروی زندگی ہے) سے زیادہ فصیح وبلیغ کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا اور اس کے بارے میں پیچھے ہم اشارہ کر آئے ہیں' اسی طرح دوسری آیت یہ ہے: ''الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون '' یہ بھی تفاسیر کے مطابق آخرت سے متعلق ہے' اہلِ حقائق نے بھی اسے منجملہ آخرت کی بشارتوں میں سے قرار دیا ہے' یہاں تک کہ ان میں بعض نے تو ولایت سے متعلق ولی کے علم کے جواز کو بھی ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عبودیت سے لازم خوف کو زائل کر دیتا ہے' جیسا کہ تعرّف میں موجود ہے اور انہی آیات میں سے ایک یہ ہے: ''فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم '' (سورۂ واقعہ' آیت: ۸۸) لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے تو کسی قسم کا استدلال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ راحت اور ریحان کا تو عالمِ اخروی میں ہی مقربین کے لیے ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا اور آپ کی پیش کردہ آیات میں سے ایک یہ

ہے: ''انہ لا ییأس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون '' اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس سے کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر رَوح سے بحیثیت مجموعی اس کے تمام اقسام مراد ہیں' تو اس صورت میں اس کے بعض اقسام سے ناامیدی میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس سے مراد سلب کلی کے طور پر ہر ہر فرد ہے تو یہ بالاجماع غلط اور باطل ہے' اس لیے کہ رَوح (رحمت) کی اقسام میں سے تو رسالت' نزولِ وحی اور ایسی دوسری باتیں بھی ہیں کہ جن سے یاس و ناامیدی فرض ہے اور ایمان کا حصّہ ہے اور اگر اس سے مراد (رَوح کی) بعض اقسام ہیں تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ معین ہیں اور ایسی صورت میں ان کے بیان کی ضرورت نہیں یا پھر غیر معین ہیں تو مطلق قرار پائیں گی اور یہ دونوں صورتیں آپ کے لیے سُودمند نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس اس آیت میں کفر ثابت ہوئی ہے' اسی طرح امنِ مطلق بھی کفر ہے' ارشادِ خداوندی ہے: ''لا یامن مکر اللّٰہ الا القوم الخسرون '' اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وخافون ان کنتم مؤمنین '' اور اسی لیے کہا گیا ہے: ''الایمان بین الخوف والرجاء '' اور اس سے پہلے میں حضور اکرم ﷺ کے اس قول کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ''ان اللّٰہ یحب کل قلب حزینٍ '' اور دوسری جگہ فرمایا: ''من اراد اللّٰہ بہ خیرا جعل فی قلبہ نائحۃ '' اسی طرح حضور ﷺ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: ''انہٗ کان دائم الحُزن ومتواصل الفکر '' اور آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ نماز میں گریاں رہتے اور اس طرح غمگین و اندوہ گین ہوتے لیکن ترش رُوئی قریب نہ پھٹکتی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ رو رہے تھے کہ جبریل امین نے نازل ہو کر عرض کیا: رب تعالیٰ نے آپ کو سلام بھجوائے ہیں اور اِس گریہ وزاری کا سبب پوچھا ہے (حالانکہ وہ عالم کُل ہے)' آپ نے فرمایا: دوزخ کے خوف سے رو رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد جبریل امین پھر حاضر ہوئے اور کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''انا لم نجعلھا لا ولیائی '' (ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لیے نہیں بنائی) اس بات سے حضرت داؤد علیہ السلام مطمین ہو گئے۔ کچھ وقت گزرا تو وہ پھر گریہ وزاری کرنے لگے' جبرئیل

نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: شوقِ جنت میں رو رہا ہوں۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''انی جعلتھا لاحبائی'' (جنت میں نے اپنے پیاروں کے لیے بنائی ہے)' یہ بات سُن کر حضرت داؤد کو پھر سکون آ گیا' کچھ دیر بعد انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا' جبریل امین نے آ کر حسبِ سابق پھر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں ذاتِ باری کے شوقِ وصال کی تمنا میں رو رہا ہوں' جبرئیل نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شوقِ وصال کی تمنا میں جس وقت تک چاہو گریہ زاری کرو' اس پر کوئی پابندی نہیں۔ زندگی کا جنگل تو طے ہو گیا' لیکن عشق کے دشوار گزار راستے ہیں کہ جن کا کوئی انجام نہیں۔ نمونے کے طور پر ہم نے مشائخ عظام کے جو اقوال ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک قول خواجہ عبدالخالق غجدوانی (اللہ ان کے مزار کو معطر رکھے) کا ہے جو یہ ہے ''وصیت میکنم ترا ای پسرک من ہکذا و کذا الی ان قال باید کہ دل تو ہمیشہ اندوہگین باشد و چشمِ تو گریاں و عمل تو خالص و دعاء تو بتضرع و لنعم ما قیل''

اے خدا دردِ مرا درماں مکن دردمنداں راز بے درداں مکن

''اے بیٹے! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تیرا دل ہمیشہ اندوہگیں اور آنکھ ہمیشہ تر اپنی چاہیے' تیرا عمل خالص اور تیری دُعا میں عاجزی ہونی چاہیے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: اے اللہ! میرے درد کا چارہ نہ کر اور دردمندوں کو درد سے محروم نہ کر''۔

حضرت سری سقطی[1] (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) نے فرمایا ہے: میرے لیے دن اور رات دونوں میں کوئی خوشی نہیں' اس لیے میں دن کی پروا کرتا ہوں اور نہ رات کی' کیونکہ جیسے یہ خوشی شریعت میں کجروی کا باعث بنتی ہے' ویسے ہی یہ طریقت میں تنزّل کا سبب بنتی ہے۔ یہ

[1] سری نام' ابوالحسن کنیت' آپ حضرت معروف کرخی کے نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زماں' شیخِ وقت' صاحب علم اور امامِ طریقت تھے۔ پرچون کی دکان تھی' اس لیے سقطی مشہور ہو گئے۔ سید الطائفہ نے فرمایا کہ عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے' ہر روز ایک ہزار نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کا درجہ پیرپیران اور شیخ الشیوخ کا ہے۔ آپ نے رمضان ۲۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ مزار قبرستان شونیز' بغداد میں مرجع خلائق ہے' تاریخ وصال قطب الحق (۲۵۰ھ) ہے۔

بعض ایسے حقائق پر پردہ ڈالنے سے کنایہ ہے جو کہ اور حقائق کا پتہ دیتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے۔

ساتے سمندر پیم کے پنت اکم اپار کچھت تہی تہکی بہر لا کی اروار

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے' ذاتِ باری کے استغناء اور اس کی کبریائی کی بات ہے' اس پر میرے ذہن میں دو شعر موزوں ہو گئے' ان میں سے ایک تو اسی مضمون کا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے' عجیب بات یہ ہے کہ اس سے قبل ہندی زبان میں کبھی میں نے کوئی شعر نہیں کہا' دوہرہ۔

ساتے سمندر پار پیو ہوں اکیانی نار نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار
پیم سمندر رے سکھی تہاہ نہیں جس دھار پار لگی لے لاکھوں لوگ بکس اروار

ہم نے کہا تھا ''لا تضربوا للّٰہ الامثال'' آپ نے فرمایا: ''ولِلّٰہِ المثل الاعلٰی'' میں عرض کرتا ہوں کہ یہ آیت اپنی جگہ مکمّل اور سابقہ آیت کریمہ کے لیے دلیل ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''لن ترانی'' سے مراد ان آنکھوں سے اس دنیا میں دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لیے ایک اور جہان بھی تو ہے' میں کہتا ہوں یہ بات درست ہے کہ اس گروہ کا ایک دُوسرا عالم بھی ہے جیسے کہ ہمارے والدِ گرامی نے قولِ خداوندی ''بل ھم فی لبسٍ من خلقٍ جدید'' کی تاویل اس طرح کی ہے یعنی وہ حقائق اور اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں اور اس کی وجہ ان کی وُہ امیدیں ہیں جو انہیں نئی زندگی' ولادتِ ثانیہ اور فناء کے بعد وجودِ ثانی' چاہے وہ رذائل سے بھرا ہوا بھی کیوں نہ ہو' کے بارے میں ہیں۔ لیکن پھر بھی استغناء کی منزل دُور ہے۔

تعرف میں کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں نہ تو اِن ظاہری آنکھوں سے ذاتِ باری کا دیدار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے قلوب کی حقیقی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ''تجلی ذات متجلی لہٗ'' کی صورت ہی میں ظاہر ہوتی ہے پس متجلی لہٗ نے حق کے آئینے میں جو کچھ دیکھا وہ اس کی اپنی صورت کے علاوہ کچھ نہ تھا' اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی اس کا دیکھنا ممکن ہے ''ویحذرکم اللّٰہ نفسہٗ'' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اسی زندگی میں اس نشاۃ کے ثبوت کا اقرار کیا' ہمارے قول ''سر دفترِ

محبوبان ندا ''لیس لک من الامر'' بشنید'' کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شانِ نزول ایصال ہے وصول نہیں' تو اس بارے میں عرض ہے کہ اصل امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان و لکن جعلناہ نوراً نھدی من نشاء من عبادنا الخ '' ہمارا یہ قول کہ جسے اس نے خلعتِ کلام سے نوازا وہ بھی پکار اٹھا کہ میرا دم گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں کھلتی' کے متعلق آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ میں حقائق معانی اور دقائقِ معرفت بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی' اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا' مگر جو ہم نے بیان کیا ہے یہ بات راسخین کی ہے' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لکل حرفٍ ظھر و بطن فمنھم من اکتفی بالظھر فاھتدیٰ ومنھم من نفذت بصیرتہ الی البطن فکان اھدیٰ لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات '' (ہر حرف کے دو پہلو ہوتے ہیں: ظاہر اور باطن' جس شخص نے ظاہر پر اکتفاء کیا اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جس کی بصیرت باطن پر مرکوز ہو گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پالی' پس اچھائیوں کی طرف بڑھو) ہمارے اس قول کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے' اس نے بھی ندائے ''لا احصی ثناءً علیک '' بلند کی' کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے تمام کمالات عیان کے ذیل میں داخل نہیں ہو سکتے' جبکہ ثنائے کامل عیان کے بعد ہی ہو سکتی ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا مقصود بھی بالکل یہی معنیٰ ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''انت کما اثنیت علیٰ نفسک '' ہم کہتے ہیں کہ یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے جیسے کہ انہوں نے قولِ خداوندی ''ولا تاکلوا الربا اضعافاً مضاعفۃ'' میں ذکر کیا' اس صورت میں نفی کو قید کی طرف لوٹانا مسلّم بات ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ خود ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گئی' جیسا کہ حواشی شرح مطالع وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ ہمارے مقصود کے خلاف نہیں بلکہ الٹا اس کی مؤید ہے' ہمارا یہ کہنا کہ عیاں راچہ بیاں اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحبِ عیاں کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحبِ عیاں نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اور ہے اور وہ اور' اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ

ہمارا یہ قول آیۂ کریمہ ''ذٰلک الکتابُ لا ریب فیه'' کے قبیل سے ہے' ہمارا یہ کہنا کہ کسی ایسے مرتبے تک پہنچنا کہ جس سے اُوپر کسی مرتبے کا تصور بھی نہ کیا جا سکے محال ہے' یہ بات آیت کریمہ ''قل ربّ زدنی علما'' اور حدیث ''انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا هذا الدین'' سے ماخوذ ہے' پھر اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ سیر صفات کی بات ہے' لیکن حضرتِ ذات نے وصول کے بعد تو فوق کا تصور یقیناً محال ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر وصول الیٰ حضرت الذات تو ممکن بلکہ واقع ہے' البتہ اس سے آگے بڑھنا عقلاً اور نقلاً محال ہے' آخر حق تک رسائی کے بعد آگے بڑھنا گمراہی نہیں تو کون سی خوبی ہے' اسی طرح اس کی کُنہ کا احاطہ بھی محال ہے کیونکہ اگر طالب بسیط تر ہے تو اس کی ذات وسیع تر اور غیر متناہی ہے چنانچہ سیر واقع جسے محققین سیر فی اللہ کا نام دیتے ہیں' بھی ذاتِ باری کی طرح غیر متناہی ہے اور اس کا طے کر لینا ناممکن ہے ؎

شربت الحب کاساً بعد کاسٍ فما نفد الشراب وما رؤیت

''میں شرابِ معرفت کے جام پر جام لنڈھاتا رہا مگر نہ شراب ختم ہونے میں آئی اور نہ میں سیر ہوا'' ع

بمیر د تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

صاحبِ تعرف نے کہا ہے: ''القول بالاصلح'' اس کی قدرت کے لیے نہایت کو ثابت کرتا ہے اور اس سے اس کے خزانوں کے ختم ہونے اور اس کے عجز کی راہ نکلتی ہے' ''تعالیٰ اللہ عن ذٰلک'' اس لیے کہ جب وہ ان میں صلاح (خیر) کی آخری اور انتہائی کیفیت پیدا کر دے تو اس کے بعد مزید صلاح کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی' اب اگر وہ مزید صلاح کا ارادہ کرے تو کہاں سے ہوگی اور اس نے جو کچھ ان کو عطا کر دیا ہے اس کے بعد انہیں مزید عطا کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا' جس کے ذریعے وہ ان میں مزید اضافہ کرے' حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مقام میں رہتے ہوئے ترقی کرنا اور چیز ہے جبکہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرنا بالکل دُوسری چیز ہے اور ہم جس بات میں اُلجھے ہوئے ہیں' وہ یہی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک ممنوع اور دوسری واقع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو

تو واصلین ذات میں باہمی کوئی تفاوت نہ ہو اور قُربِ ذات میں وہ تمام مساوی ہوں اور سب کے سب ایک ہی مقام میں بند ہوں' حالانکہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں اس وجہ سے تفاوت ہے بلکہ یہ تفاوتِ درجات کسی اور بناء پر ہے تو اس کے متعلق ہم عرض کریں گے کہ مرتبہ فوق مراتب کے ممنوع کے بارے میں آپ کے لیے بھی پھر ہمارا یہی جواب ہے۔

اے عارف باللہ! یہاں ترقی وتفوق برآمدے سے مکان اور مکان سے چھت کی طرف ترقی وتفوق کی طرح نہیں اور اسی طرح سیر وسلوک سے مراد بھی جسمانی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا غیر بیانی اور وجدانی معاملہ ہے کہ جو اس کُوچے سے نہیں گزرا وہ اس کی لطافتوں سے باخبر ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی تعریف میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک حرکتِ کیفی ہے اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف علمی انتقال ہے لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے مگر مرتبۂ ذات کے لحاظ سے تو یہ معرفت اور انکشاف کے ازدیاد اور بطن البطون تک نظر کی رسائی سے عبارت ہے جیسا کہ اس پر کشف گواہ ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات رؤیت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ایمان لانے کے تو ہم پابند ہیں لیکن اس کی کیفیت سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو کیفیتِ رؤیت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لیے مثلیت کو مستلزم ہے جبکہ یہ دونوں بے کیف ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت سے سروکار نہ رکھنے کی ممانعت سے اصل مقصود کیفیت کا انتفاء ہے' عبارات میں اس قسم کے تسامحات اکثر وبیشتر واقع ہوتے رہتے ہیں' جیسا کہ سیاق وسباق خود اس پر دلالت کر رہا ہے' مشائخ کبار میں سے کسی نے کہا ہے کہ ذاتِ باری مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں' پھر علمِ بیان کے قاعدے کے مطابق بعض اُمور میں مشابہت کی وجہ سے مثلیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ دو بے کیف اُمور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں' جیسا کہ اس کی تمام صفات میں ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ اسم ورسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیب صرف کو قبلۂ توجہ بنا لینا چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ توجہ متوجہ اور متوجہ الیہ کے درمیان ایک نسبت ہے' پس لفظ

متوجہ اسم ہے اور ذاتِ متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں' تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"۔

اے عارفِ راہ! جب معرفت وولایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو وہ فنائے کلی اور ذاتِ حقیقی کے ماسوا کو مٹا دینے کے بغیر ہرگز نہیں کھلتے اور اگر یہ چیز نہ ہو تو معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقتِ کاملہ تک رسائی' جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے

ہیچکس را تا نکردہ او فنا　　　نیست رہ در بارگاہِ کبریا

کہیں صاحبِ نزہۃ کا یہ قول دھوکے میں نہ ڈال دے

گویند عنانِ خود چہ تابی　　　گم شو کہ چو گم شوی بیابی

ایں نکتہ نمود نا صوابم　　　چوں گم شوم آنگہی چہ یابم

با بندہ اگر کسی دگر خاست　　　از گم شدنم پس او چہ میخواست

یہ تمام فلسفیوں کی موشگافیاں ہیں' جن میں معارف کا شائبہ تک نہیں' اس لیے سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان پُر خار وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔

چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اسے (بحث گزشتہ) محققین نے کس مفہوم میں لیا اور اس پر وارد شبہات پر کیسے اعتراضات کئے اور پھر کس طرح مکمل اور مسکت جوابات دیئے' اگرچہ ان کی گفتگو اتنے سارے تکلفات کے باوجود محتاجِ تاویل ہے تاہم ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے' البتہ یہاں پر عارفِ کامل حضرت خواجہ احرار (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) کی تحریر کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے' جو اس بحث میں نہایت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوگا' آپ نے فرمایا:

سالک کی ذات وصفات کی فناء کے تحقق کے بعد خدا تعالیٰ اسے ترقی دے کر بقاء تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت وہ اسے نور عطا کرتا ہے' جس کے ذریعے وہ ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے' پس اس وقت ذات کے علاوہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ متوجہ ذات کے لیے تمام اضافات اور اعتبارات کا حذف کرنا لازمی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور آپ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اسم و رسم اور اس کے اعتباراتِ نفس کیونکر حذف نہیں ہوں گے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ تنزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ایک ہے' تاہم وہ مقام تو ہے جبکہ حقیقت میں کوئی مقام ہے اور نہ مقیم' اس کے بارے میں عرض ہے کہ شاید یہاں حقیقت سے مراد مرتبۂ ذاتِ بحت ہے ورنہ بصورتِ دیگر اس سے (مقام و مقیم کی) نفی کرنا بے معنی ہے' پس وہ ہمارے لیے لطف و عنایت اور توجہ و مہربانی ہے اور آخرت سے متعلق ہمارے قول کی طرف رجوع و التفات ہے' بلکہ محققین کے قول کی طرف راجع ہے جو یہ ہے کہ کنہ ذات ادراک سے بَری ہے اور اضافات و اعتبارات سے مُعرّا ہے' پس نہ تو اس کی جانب کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؎

درا فگندہ دف ایں آوازہ از دوست　　کز و و بر دست دف گویاں بود پوست

''دف نے محبوب کی آواز اپنے اندر ڈال رکھی ہے اور اس پر ہاتھ کے پڑنے سے اس کی کھال بول اٹھتی ہے''

نبی صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لا یخالطه الظنون ولا یصفه الواصفون'' (نہ گمان اس تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ واصف اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں)۔ ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''التفکر فی ذات اللّٰہ جهل والاشارة الیه شرک وحقیقة المعرفة حیرة'' (خدا کی ذات کے بارے میں سوچ بچار جہالت' اس کی طرف اشارہ کرنا شرک اور اس کی معرت کی حقیقت حیرت ہے) ؎

آفاق روشن و مہ تاباں پدید نیست　　پُر شور عالمی و نمکدان پدید نیست

از مہر تا بذرّہ و از قطرہ تا محیط　　چوں گوئی در تردّد و چوگاں پدید نیست

''آفاق روشن ہیں مگر مہ تاباں کا کہیں نشان نہیں' اک عالم زخمہائے نمک پاشیدہ سے مُرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے مگر نمکدان کا وجود نہیں' ذرّے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے محیط تک گیند لڑھکتا پھرتا ہے لیکن اس چلانے والے کا کہیں نشان نہیں''

حسین ابن منصور نے کہا ہے کہ ''قبل'' اس پر سبقت لے جانے' بعد اسے طے کرنے' من اسے ظاہر کرنے' عن اس کی موافقت کرنے' الیٰ اس سے قریب ہونے' فی اس میں رچ جانے' اِن اس سے مشورہ کرنے' فوق اسے پناہ میں لینے' تحت اسے گھٹانے' حذا اس کا مقابل بننے' عند اس کی مزاحمت کرنے' خلف اسے پانے' امام اسے محدود کرنے' قِبل اسے

ظاہر کرنے 'بَعد اس کی نفی کرنے 'کُل اسے جمع کرنے 'کانَ اسے موجود کرنے اور لیس اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔اس کے قدیم ہونے کو حادث ہونے پر اور عدم کو اس کے وجود پر تقدم حاصل ہے۔ اس کی ذات کسی کیفیت کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی تکلف کو' اکابرین میں سے کلاباذی نے کہا: مخلوقات میں سے خدا کی بہت زیادہ معرفت رکھنے والا' اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے قولِ خداوندی: ''وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ'' کے بارے میں فرمایا کہ ''بحمدہٖ'' میں ہ کی ضمیر کا مرجع شی ہے' کیونکہ کسی کی تسبیح جنابِ قدس کے شایاں نہیں ہوسکتی۔ قونوی قدس سرہٗ[1] نے فرمایا: ذاتِ حق کے بارے میں یہ درست نہیں کہ اس پر کسی قسم کا کوئی حکم لگایا جائے یا اسے کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے۔ مولوی نے فرمایا ہے ؎

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام — تو چہ می چفسی بہر اسم اے غلام

ہر چہ گوئیم عشق را شرح و بیاں — چوں بعشق آئیم خجل باشم ازاں

صاحب گلشن راز نے کہا: ؎

بود اندیشہ اندر ذات باطل — محال محض وآں تحصیل حاصل

حضرت مجدّد الف ثانی قدسنا اللہ بسرہ نے فرمایا: میں حیطۂ شہود میں آنے والے یا خیال و وہم میں سما جانے والے خدا کو ہرگز نہیں پوجتا' میں تو اس لقے کی طلب میں ہوں جو منہ میں نہ سما سکے۔ جس نے اس حقیقت کو پالیا وہی سمجھ دار ہے۔ بعض اہل تحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ جب فرعون نے اُن سے ماہیتِ حق کے متعلق سوال کیا کہ ''وما رب العٰلمین؟ ''موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ''رب السمٰوات والارض وما بینھما '' کہا کہ یہ حکیم کا اسلوب ہے جبکہ اس سے حق کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ ناممکن البیان تھی تو انہوں نے ان نشانیوں کا حوالہ دیا جو اس کی ذات پر گواہ ہیں ؎

جانہا ہمہ آب گشت و دلہا ہمہ خون — تا چیست حقیقت ز پسِ پردہ بروں

---

[1] صدر الدین نام اور کنیت ابو المعالی ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں تو یکتائے زمانہ تھے۔ شیخ سعد الدین حموی اور مولانا روم سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

کیا ہی خوب ہے کہ چیست کہا کیست نہ کہا۔

ہمارے اس قول کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ شاید یہ میرے قول صعب الحصول سے مراد لیا گیا ہے۔ ہم اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ قول سبحانہٗ وتعالیٰ "**ولا یحیطون به علما**" سے مراد لیا گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نبی کے کلام کو بھی کلامِ قدسی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ ولی کے کلام کو ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر تو اس بارے میں کوئی حدیث معتبر موجود ہے تو سر آنکھوں پر ورنہ بصورت دیگر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اشیاء کی اصل ان کا جائز ہونا ہے۔ احادیث میں حدیث غیر قدسی کو قدسی کہنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں تو قدسی و غیر قدسی دو قسمیں بنادی گئی ہیں۔ پس غیر قدسی کو قدسی کہنا اس لیے ناجائز ہے کہ دونوں اقسام میں مشابہت واقع ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے' مگر جہاں اشتباہ کا خطرہ ہی نہ ہو وہاں کوئی حرج نہیں ہے' مزید یہ کہ جب زمین کو ارضِ مقدسہ اور شہر کو بلدہ قدسیہ کہا جا سکتا ہے تو نبی و ولی کے کلام کو تو بطریق اولیٰ کلامِ قدسی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قُدس تو اسمائے خداوندی میں سے ہے تو کیا اس کا اطلاق اس کے علاوہ پر کرنا جائز ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ قدس تو سرے سے خدا کے مخصوص ناموں میں سے ہے ہی نہیں اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اسرائیلیات میں شامل ہو جائے گا' الغرض یہاں پر کوئی وجہ عدم جواز کی موجود نہیں ہے۔

اے عارف باللہ! بلاوجہ بحث و تکرار اور کثرتِ قیل و قال سے وحشت پیدا ہوتی ہے جو نفرت کو دعوت دیتی ہے' طویل سے قلیل بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار اعجاز سے قریب تر ہے۔

خموشی فیض دیگر میدہد دیوانہ مارا   چراغ کشتہ روشن میکند ویرانہ مارا

"مجھ دیوانے کو خموشی ایک اور طرح کا فیض پہنچاتی ہے اور میرا ویرانہ تو بجھے ہوئے چراغ سے روشن ہوتا ہے"

میں آں جناب سے اوقاتِ مخصوصہ میں نیک دعاؤں کا طلب گار ہوں' جبکہ میرے حال کی تصویر یہ ہے

ما خود دیگر و دامن مردی نمیرسیم   شاید کہ گردِ دامن مردی بما رسد

''میں خود تو کسی مرد کامل کے دامن کی گرد کو نہیں پا سکا' شاید اس کے دامن کی گرد خود بخود مجھ تک پہنچ جائے''

میں چاہتا تھا کہ اپنے بعض اشعار آپ کے مطالعے کی نذر کرتا' مگر یہ ارادہ اس لیے ترک کر دیا کہ کہیں آپ اُکتا نہ جائیں' لہٰذا ان چار شعروں پر ہی اکتفا کرتا ہوں:

کجا ہر ذرہ دارد تابِ حُسن بے حجابش را — کہ باشد چشمۂ خورشید شبنم آفتابش را
نگنجد نشاء حیرت دریں خمخانۂ کثرت — ازیں نہ شیشہ بیروں یافتم موج شرابش را
درخانۂ ما جلوہ گراں رشکِ چمن شد — ہر خار و خس وگلخن ما برگ و سمن شد
عمریست کہ در حلقۂ زُلفِ تو اسیریم — مجنونِ ترا خانہ زنجیر وطن شد

سُبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہِ رَبّ العٰلمین.

محاکمۂ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات محاکے کے طور پر کہے جائیں۔ واللہ اعلم

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی نظر میں انبیاء علیہم السّلام کا کلام درستگی باطن اور بلند مراتب کے حصول پر مشتمل ہوتا ہے جیسے طہارت' خشوع وخضوع اور ان کی اضداد سے ان کا کلام مبّرا ہوتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے انبیاء علیہم السلام کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور ان کی قدر و منزلت اس سے کہیں برتر ہے جو وحی کے علاوہ ان سے اشارتاً یا صراحتاً ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ بسا اوقات مقامِ احسان[1] سے فرو آکر عام مؤمنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے تبلیغِ دین کا کام سرانجام دیتے ہیں تاکہ وہ اس مقام میں لوگوں کے لیے نمونہ ثابت ہوں ''**وذلک تقدیر العزیز العلیم**'' اس لیے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف' فناء' بقاء اور توحید وجود وغیرہ پر استدلال کرنا عبارتِ نص'

[1] سلوک میں احسان وہ مرتبہ ہے جہاں سالک آثارِ اسماء وصفات کو دیکھتے ہوئے خود کو خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے' اس کا فروتر درجہ یہ ہے کہ سالک عبادت کے دوران یہ سمجھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

اشارت و ایماء اور اقتضاء کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے ذریعے ان کے قلوب پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر ان کا ذہن ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے بارے میں کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مناظرہ و استدلال کرنا مخالف کے لیے فائدہ مند نہیں اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجذوب کہ جس کا جذب مکمل ہو کہ جب ذات بحت سے خاص رابطہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر راہِ معرفت کے در وا ہو جاتے ہیں اور ذات بحت کی معرفت کے بارے میں اس کے ذہن میں کچھ آ جاتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تو اسے خواہ وصول وحصول کہیں یا ادراک کا نام دیں بہر صورت کاملین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہی معرفت ہے' اس کے بعد اس میں جو بھی اختلاف ہوگا وہ لفظی ہوگا۔

شیخ عبد الاحد نے کہا کہ ''ہم مطلقاً وصول الی الذات کا انکار نہیں کرتے' الخ'' اور شیخ مجدد قدس سرۂ العزیز نے شرح الرباعیتین کی شرح میں بھی یہی مؤقف اختیار کیا' جاننا چاہیے کہ مرتبۂ لاتعین میں اگرچہ شہود تجویز کرتے ہیں جبکہ شہود سے اوپر بھی کئی مراتب ہیں کہ جن میں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ وصول نہیں بلکہ وصول کی دہلیز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وصول کے مراتب اس سے بلند ہیں' چونکہ ہر کسی کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے بعید نہیں کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کامل سے محبتِ ذاتیہ کبھی الگ نہیں ہوتی اور اس کی حقیقت مظہر جیسی ہے کہ حقیقت سے واصل ہوتا ہے اور متبوع سے اس کا تعلق ممنوع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رابطہ متصرف فیہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور جہاں تک قلق' حزن اور اندوہ کا تعلق ہے تو وہ کامل کے مزاج کے تابع ہیں' مگر اس کی اصلیت سے خارج اگر کامل کے مزاج میں قوتِ بہیمیہ زوروں پر ہوگی تو یہی محبتِ ذاتیہ اس کے لیے قلق' عشق اور اندوہ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اگر قوتِ بہیمیہ اس کے مزاج میں کمزور ہوگی تو خالی اُلفت اور اُنسیت کے رُوپ میں ظاہر ہوگی اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہلِ کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبۂ ذاتیہ تک رسائی کے لیے دو راستے ہیں: پہلا راستہ وہ ہے جو براہِ راست شاہراہِ وجود سے نکل کر آگے بڑھتا ہے اور اسی پر چل کر فی الحقیقت اس مرتبۂ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب ہی کے لیے مخصوص ہے جبکہ دوسرا راستہ متوسط

سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی گزرگاہ ہے' فی الحقیقت یہ راستہ (مرتبۂ ذاتیہ تک) نہیں جاتا اگر صوفیاء میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں' تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ سارا نزاع لفظی ہے۔ مندرجہ بالا اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد کوئی نزاع باقی نہیں رہتا' مگر چند معقول قسم کے مقدمات پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں جو کہ باعثِ نزاع بن سکتے ہیں' مگر انہیں بھی معمولی توجہ کے ساتھ رفع کیا جا سکتا ہے۔ والعلم عنداللہ

ان تمام مباحث کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات کے زمانے میں لکھے گئے۔ چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ان کی ابتدائی ملاقاتوں کی تفصیلات سے متعلق تھا اور جو میں نے چھوڑ دیا ہے' اس بات پر دلیل ہے' جب دوسری ملاقات ہوئی اور دونوں شیوخ ایک دوسرے سے قریب آئے اور ایک دوسرے کے مقامات پر مطلع ہوئے تو معاملہ ہی بدل گیا۔ چنانچہ یہ خط جو کہ شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کیا' اس بات کا بیّن ثبوت ہے' خط یہ ہے:

آپ کا مکتوب' مکتوبِ رحمانی اور خطاب خطابِ مثانی تھا' جس نے آپ کی طلب کی اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پالیا' اس نے آپ کو پالیا اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے رب سے بے پروا ہو گیا' ہم آپ کے ہیں اور اس کے جس نے آپ کو دوست جانا' میں نے آپ کو احسان سے قریب اور رؤف کا ندیم پایا' آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت و امارت کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر محبان بادہ پیما را

"جب تو محبوب کے پہلو میں بیٹھا شرابِ معرفت کے جام لنڈھا رہا ہو تو ایسے میں اپنے ہم پیالہ دوستوں کو بھی یاد کر لینا"

اب کوئی عذر باقی نہ رہا کہ تو تجلی حق کو عشاق کے آئینے میں سمودے۔

آں روز کہ مہ شدی نمید انستی — کانگشت نمائی عالمی خواہی شد

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تو ماہتاب بن جائے گا تو سارا عالم تیری ہی جانب اشارہ

کنعاں ہوگا"

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحد نے یہ دو شعر تحریر کیے:

یار از آغوش دل مے جوشد و دورم ہنوز صد تجلّی ساقی بزم است و مخمورم ہنوز

"محبوب آغوش دل میں جوش زن ہے مگر میں پھر بھی دُور ہوں۔ ساقی بزم کی سینکڑوں تجلیاں ہیں اور میں ابھی تک مخمور ہوں"

لن ترانی گرچہ یک وادی خراب کردہ است میکند کاشانہ رنگین آتشِ طورم ہنوز

"اگرچہ لن ترانی نے میری ایک ہی وادی کو ویرانہ بنا دیا ہے مگر میری آتشِ طور اب بھی کاشانۂ عالم کو رنگین کر رہی ہے"

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

میرے مخدوم و مشفق! قلب کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک آغوشِ دل بھول نہ جائے اور تخلّی تجلّی کی صورت اختیار نہ کر لے اور نہاں خانۂ دل کا کاشانہ غیرت کی آگ میں جل نہ جائے حجلۂ حقیقت سے دلہنِ بے رنگ اپنا جلوہ نہ دکھائے اور دوری و مخموری کے حجابات درمیان سے اُٹھ نہ جائیں دل پر کام کرنا ابھی باقی ہے۔ **وسقاکم ربکم دھاقاً لا یصدعون بعدھا شقاقا ولا تفترقون فراقا**

برنگیرد جہان عشق دوئی چہ حدیث ست ایں حدیث توئی

نامۂ شیخ عبدالاحد

شیخ عبدالاحد نے ایک اور مرتبہ یہ خط لکھا:

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور پھر ہم نے اسے پایا۔ اس نے ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا تو ہم نے اندھیروں کو چھوڑ دیا۔ اس نے ہماری طرف اپنے رسول ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تو ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہمارے لیے کتاب مبین بھیجی تو ہم نے اسے تلاوت کیا۔ اس نے ہمیں اپنے جلال و جمال کی تجلی سے نوازا اور اپنے انعامات و وصال سے مُشرّف فرمایا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر قہری تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لیے کوئی پریشانی باقی نہ رہی۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت کا مشاہدہ کرایا تو ہم ایک عرصے تک حیرانی میں پڑ گئے، ہم

نے اُس کی معرفت کی شراب پی تو وہ ہمیں راس آ گئی۔ مکاشفہ کی آنکھوں سے ہم نے اس کا دیدار کیا تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشمِ بصیرت سے اس کا مشاہدہ کیا تو ہم اس کے قریب ہو گئے۔ اس نے منزلِ صفات سے ترقی دے کر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کے حسبِ شان ہم سے برتاؤ کیا اور پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ الطاف وعنایات کیں جو کسی اشارے میں آ سکتی ہیں اور نہ ہی کسی عبارت کے ذریعے ان کی تعبیر ہو سکتی ہے:

ومن بعد هذا ما تدق صفاته　　　واكتمه احظى لديه واجمل

اور پیاس باقی ہے یہاں تک کہ پنڈلی پنڈلی سے لپٹ نہ جائے' وعدہ مکمل نہ ہو جائے اور چلنا تھم نہ جائے' اس روز فراق ختم ہو جائے گا اور اسی پر ہمارا یقین ہے' پھر ہم نے کچھ پیش کیا اور کہا: اس تمام پر آپ کو وسیلہ بناتے ہوئے پروردگارِ عالم سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت شیخ نے ان کے جواب میں یہ تحریر ارسال فرمائی:

نامۂ شیخ ابوالرضا

تشنگی کا باقی رہنا تشنہ کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور ہجر کا اثر مہجور کے بدستور باقی رہنے کا ثبوت ہے۔ قیود کی نشانیوں کے باوجود فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے اور تشنگی کا باقی رہنا قائل وجود کے نزدیک وقوف (ترقی کا رک جانا) ہے' پس جیسے معالم قیود پر وقوف میں اطلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح وصالِ محبوب کے ساتھ فراق کا تصور کرنا محال ہے' لہٰذا محدث حمیم کے صفات کے باقی رہتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف ترقی کرنا ناممکن ہے' چہ جائیکہ ذات حضرت واجب کی طرف ترقی کرنا' پھر پنڈلیوں کا آپس میں لپٹ جانا اور چلنے وسعی کرنے سے رُک جانا کسی کے لیے موعود ہوتا ہے اور کسی کے لیے موجود۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''کلا'' یعنی حقیقتاً ''اذا بلغت التراقی'' (سورۂ قیٰمہ آیت:۲۷) یعنی جب نفسِ انسانیہ اپنی بلندیوں کی معراج کو پہنچ جائے تو عالم امر میں مشاہدۂ جمالِ الٰہی کے اشتیاق کا یہی نقطہ عروج ہے اور ''من راق'' کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے باطن سے ندا آئے گی کہ ہے کوئی جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہر جدائی اور الم شوق سے مجھے چھٹکارا دے

لسعت حیة الهوی کبدی فلا طبیب له ولا راقِ

الا الحبیب الذی شغفت به انه رقیتی وتریاقِ

''محبت کی ناگن میرے کلیجے کو ڈس گئی ہے' اب اس کے لیے نہ کوئی طبیب کام آسکتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا' بلکہ میرے لیے تو میرا محبوب منتر بھی ہے اور تریاق بھی''

اور قولِ خداوندی کے اس حصے ''وظنّ انه الفراق '' کامفہوم یہ ہے کہ بقابالحبیب کا پیاسا یہ سمجھے گا کہ جوقلق واضطراب اس پر طاری ہے وہ دراصل محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اس کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے ''والتفت الساق بالساق '' کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے ممکنات کی ساق اور عالم رحمان کی ساق دونوں یکجا ہو جائیں گی یعنی وہ ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کرے گا۔یہی مقام مشاہدہ ہے اور ''الٰی ربّک یومئذٍ المساق '' کا مفہوم یہ ہے کہ اس روز اسے عالم الٰہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائے گا اور اسے ماءِ زلال پلایا جائے گا جس کے بعد تشنگی وصال باقی رہے گی اور نہ کوئی حد' پس اس مقام پر عین' اثر' مخبر اور خبر کا وجود ختم ہو جائے گا' اسے سعادت سرمدی سے اس طرح نوازا جائے گا کہ ایک مرتبہ دائرۂ انتخاب میں آنے کے بعد اسے حضرت الٰہیہ سے کبھی دُور نہیں کیا جائے گا۔

آسودہ بکامِ خویش از وصلِ حبیب نہ بیم فراق ست و نہ تشویق فراق

''ایسے میں عاشق وصالِ یار سے اس طرح شادماں وفرحاں ہوتا ہے کہ نہ اسے جُدائی کا غم ہوتا ہے اور نہ تشویقِ فراق''

ایک بار پھر حضرت شیخ نے شاہ عبدالاحد کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

نامۂ شیخ ابوالرضا

یا منی الٰی وجهِ حجی ومعتمری وحجِ قومٍ الٰی تُربٍ واحجارِ

لبیک لبیک من قربٍ ومن بُعدٍ سرّاً بسرٍ واجهاراً باجهارِ

''اے کہ تو ہی میرے لیے حج بھی ہے اور زیارت گاہ بھی جبکہ لوگوں کا حج مٹی اور پتھروں سے عبارت ہے' میں حاضر ہوں' دور سے بھی اور قریب سے بھی' پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی''

اس ذات جلّ جلالہٗ کے حسن وجمال کو کیسے لفظوں کا جامہ پہناؤں اور اس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے بارے میں کیا لکھوں' ایک کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے تو

دوسرے کو بے پروائی کا سوز عطا کرتا ہے' آہ! تفاوتِ راہ تو دیکھو کہ ایک ہی لوہے کے دو ٹکڑے جو ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں' ان میں سے ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے تو دوسرا بادشاہ کا چہار آئینہ۔دوہرہ

بہت ابہا کی کلسری جاک رہی لورائی ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو یہ حکایت لکھی:

حکایتِ محبت ومحنت

محبت نے محنت کو لوحِ محفوظ پر دیکھا تو پوچھا: تُو کون ہے؟ محنت نے جواب دیا: میرا نقش تیرے نقش جیسا ہے اور تیرا نقش میرے نقش کی مانند' صرف ایک نقطے کا فرق ہے' یہاں محبت ومحنت نے باہم پیمان باندھا اور کہا: جہاں تو ہو گی وہاں میں بھی ہوں گی اور جہاں میں ہوں وہاں تُو۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمید انستم

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بیت حکایت سے متعلق نہیں بلکہ مقامِ محبت میں غلطی یا کوئی نقص رہ جانے پر تنبیہ کے لیے اور وحدت کی طرف ترقی حاصل کرنے کی خاطر لکھا گیا ہے۔

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

معرفت خاصہ اضافت کے ہٹا دینے اور اپنی اَنا کو پے در پے انت کے نورانی شعلوں کے ذریعے جلا دینے کے بعد حاصل ہوتی ہے

طوارق انوار تلوح اذا بدت فتظهر کتمانا وتخبرعن جمع

''نورانی ستارے جب نمودار ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں' وہ چھپ چھپ کر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام کی خبر دیتے ہیں''

اور معرفت خاص الخاص یہ ہے کہ اضافت کا بنظر احدیت مشاہدہ کیا جائے

فامطر الکاس نارا من اباریقها فاتیت الدور فی ارض من الذهب

وسبح القوم لما ان رأوا عجباً نوراً من الماء فی نار من الغب

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارتاً لکھا کہ حصول حال کے لیے

میں نے جو ہلیلہ استعمال کیا تھا اس نے تا حال کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

میری ناقص رائے میں آپ کا مزاج مبارک صفراوی اور حاریابس ہے' جو کہ راہِ سلوک پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لیے بہت مفید ہے لیکن بعض رسمی قاعدوں' غلط عقلی تخمینوں اور مخالفِ طبع سودائی دواؤں کا آپ کے مزاج پر غلبہ ہو گیا ہے' جو منزل تک پہنچنے سے باز رکھ رہا ہے۔ حکیم حاذق نہ تھا' اس لیے مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکا' ہلیلہ سیاہ کی بجائے ہلیلہ اصفر دے دیا۔ اس نے صفرا کی حفاظت کی بجائے سودا کو بڑھایا' علاج اُلٹا ہو گیا اور حالِ مزاج بگڑ گیا۔ جو حاذقانِ طریقت اور ماہرانِ حقیقت ہیں' وہ نظری اور عملی حکمت کے ساتھ حارۂ یابسہ شربتیں پلا کر خدا کے فضل و کرم سے مزاج کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کے لیے حجاب نہیں اور وہی باطن ہے' اس کے علاوہ باطن میں کوئی چیز ہی نہیں۔ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی مناجات میں فرمایا: ''اللھم انت الظاھر لاظاھر فوقک وانت الباطن لا باطن دونک'' (اے اللہ! تو ہی وہ ظاہر ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی ظاہر نہیں اور تو ہی وہ باطن ہے کہ تیرے آگے کوئی باطن نہیں)

توھمت قدما ان لیلٰی تبرقعت وان لنا فی البین ما یمنع اللثما

فلاحت فلا واللّٰہ ما ثم مانع سوٰی ان عینی کان من حسنھا اعمٰی

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

''اگر کسی کور چشم کو دن کے وقت سورج دکھائی نہیں دیتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟''

سُرمۂ حقیقت لگانے والے تو سُرمۂ عنایت آنکھ میں لگا کر اندھوں کو بینائی بخش دیتے ہیں' انی ابری الاکمہ والابرص. اور یہ لوگ سُرمۂ عنایت کا نسخہ صرف بزبانِ طیور ہی لکھ کر دیتے ہیں' آگے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے' میں یہ لکھ رہا ہوں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے۔ سُرمۂ عنایت دو چیزوں سے مرکب ہے' ایک ترقیق (باریک کرنا)' دوسرے تسحیق (پیسنا)' باریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلمِ اعلیٰ حروفِ عالیات سے ٹکراتا ہے' اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں' ظاہر الوجود اور باطن الوجود' باطن آگے دو راستوں پر چل نکلتا ہے تو امر د

خلق ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اجناسِ متنوعہ سے نواز دیا' ایک کہہ اٹھتا ہے ؎

مادر پیالہ عکس رُخ یار دیدہ ایم　　　مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

''میں نے جام شراب میں رُخ محبوب کا عکس دیکھا ہے' اے مطرب! کہہ دو کہ نظامِ جہان اب میری مرضی کے مطابق ہے''

تسحیق سے مراد یہ ہے کہ ظرف ہائے وجود کو ان کے کناروں میں اور اس کے نچلے حصوں کو اوپر والے حصوں میں اس طرح مٹا کر نیست کر دیتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں سُرمۂ فنائے وجود حاصل ہوتا ہے' اُسے آنکھوں میں لگا دیتے ہیں تو اس سے شہود کی بجلیاں چمک اُٹھتی ہیں اور نہان خانۂ دل نورِ جمال کی تابناکیوں سے روشن ہو جاتا ہے۔ واشرقت الارض بنور ربھا اور احدیتِ ذات کی سطوت کی تجلی طالب کی ہستی کو عالمِ نیستی کی طرف لے آتی ہے اور کل شی ھالک الا وجھہٗ کا راز ظہور سے جوڑ دیتی ہے۔ ایسے میں ہر شخص اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور پھر محمد مرزا' مرزا محمد ہو جاتا ہے ؎

جز یکی نیست نقد ایں عالم　　　باز بیں و بعالمش مفروش

گل ایں باغ را توئی غنچہ　　　سر ایں گنج را توئی سرپوش

آن شناسد حدیث ایں دل مست　　　کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

''اس عالم کا جو ہر ایک کے سوا کوئی نہیں' پھر دیکھ لے اور اسے عالم کے ہاتھ مت بیچ' اس چمن کے پھول کا غنچہ تُو ہی ہے اور اس خزانے کے راز کا نگہبان بھی تو ہی ہے' اس دل مست کی کہانی وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی ہو''

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد وہ سخت ریاضتیں ہیں جو اہل سلوک باطن کو رذائل سے پاک کرنے اور دل کو طرح طرح کی محبتوں اور دنیا کے نقوش سے خالی کرنے کے لیے تجویز فرماتے ہیں۔ اُن (مرزا محمد) کا یہ قول کہ ''دستِ اسہال حال روئے نداد'' سے یہ مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات کے باوجود رذائل سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا بلکہ خود بینی' غرور اور وسوسوں کی کثرت اُن رذائل کی مزید ممد ومعاون ثابت ہوئیں' اُن کے قول صفراوی مزاج کے ذیل میں یہ جاننا چاہیے کہ صفرا کی خاصیت گرمی' خشکی اور تیزی وسرعت ہے لہٰذا عاشق کہ جس کی طلب میں شدت اور سیر میں تیزی ہوتی ہے اور وہ

جری القلب ہوتا ہے اور اس کے ارد گرد علائق کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال صفراوی مزاج کی طرح ہے جو شکوک وشبہات قطع علائق میں بزدلی برتے' نفس کی باتوں' وسوسوں اور شیطانی خیالات وخطرات میں مبتلا ہو' اس کی مثال سودائی مزاج کی سی ہے جو اس مفہوم میں صفراوی المزاج ٹھہرا' اس کی فطرت وصول کی قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہے جبکہ مذکورہ مفہوم کے مطابق جو شخص سودائی مزاج کا ہوتا ہے وہ وصولِ وحدت سے محروم رہتا ہے' بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں استعداد تو صحیح ہوتی ہے لیکن سودائی مزاج لوگوں کے پاس بیٹھ کر شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور خاص کر اہتمام واعتنائے تام جو کہ انہی شکوک و شبہات کے قبیل میں سے ہیں اور اپنی جگہ کوئی کمال نہیں بلکہ تورّع ہے' ان کے نفسِ ناطقہ کا ملکہ بن جاتا ہے' یہ روحانی بیماری ہے جو کہ اعضاء میں بھی ہوتی ہے اور وصول سے رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔ ان کا یہ قول کہ بجائے ہلیلہ اسود کے ہلیلہ اصفر دے دیا' کی وضاحت یہ ہے کہ ہلیلہ اسود مسہل اخلاط سوداویہ ہے اور وسواس جو کہ سواد کا لازمہ ہے' اس کو طبیعت میں بٹھا دیتا ہے اور ہلیلہ اصفر مسہل صفرا ہے' جو گرمی' یُبْس اور سُرعت کو دُور کر دیتا ہے' چونکہ سخت ریاضتیں' نشاط کو دُور کر دیتی ہیں' لہٰذا یہ بمنزلہ ہلیلہ اصفر کے ہیں اور انکشاف توحید چونکہ دافع وسواس ہے' اس لیے وہ ہلیلہ اسود کے مشابہ ہے۔ ائمہ سلوک کا طریق نشاط' گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن یہ تمام ذات کی جستجو میں ہوتے ہیں اور شدید ریاضتوں سے نشاط وگرمی دُور ہو جاتی ہے۔

ان کے قول "حاذقانِ طریقت الخ" کی توضیح یہ ہے کہ ترتیب سالکین میں صوفیاء کے دو مکتب فکر ہیں: پہلا مکتب متقدمین کا ہے۔ جس کی تفصیلات امام غزالی[1] نے یوں فرمائیں: جب

---

[1] ابو حامد محمد بن حامد غزالی حجۃ الاسلام طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی' پھر نیشاپور آ گئے' یہاں امام الحرمین ابو المعالی سے تکمیل کی طویل عرصہ تک تحقیق و بحث اور مطالعۂ فلسفہ میں مشغول رہنے کے بعد ان پر حقیقت منکشف ہوگئی کہ فلسفہ اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں' آپ نے فلاسفہ کا ان کے دلائل سے خوب رد کیا۔ اسی وجہ سے آپ حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے' پھر آپ تصوف کی طرف آئے۔ تقریباً ساری اسلامی دنیا کا سفر کیا۔ آپ کا شمار اسلام کی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے' آپ کی تصانیف میں سے احیاء علوم الدین' کیمیائے سعادت اور تہافتہ الفلاسفۃ عالمگیر شہرت کی حامل ہیں۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں طوس میں انتقال فرمایا۔

کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کرلے تو اسے خلوت میں بیٹھنے' لوگوں سے کم آمیزی اور تمام حالات میں مخالفت نفس کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ خود کو اس طرح بنا ڈالو کہ کوئی مارے یا گالی گلوچ کرے تو تمہارا نفس سر نہ اٹھائے۔ لوگوں کی طرف سے تعریف اور بُرائی دونوں کو یکساں تصوّر کرے۔ نوافل اعمال کی کثرت کرے۔ ریا' غرور اور دکھلاوے کے نقصانات کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان میں غور و خوض کرے' طعام میں کمال احتیاط برتے اور جہاں اسے معمولی سا شبہ بھی گزرے اسے ترک کردے اور قیام وقعود' کھانے پینے غرض تمام حالات میں آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اِن تمام امور میں نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی طرح روحانی علاج ضرور اختیار کرے۔ جب ان تمام سے پاک ہو جائے تو محبت الٰہیہ کا راستہ اُسے دکھا دیا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام غزالی کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں موجود ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا مکتب فکر نقشبندیہ' قادریہ اور چشتیہ سلسلوں سے متعلق ان متاخرین کا ہے' جن کے فیض سے کئی دور فیض یاب ہوتے رہے ہیں' مختصر لفظوں میں اس مکتب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کرلے تو اسے افکار و اذکار جو کہ حضور شوق و عشق میں اضافے' توحید' نفی ماسوا' خلق سے قطع تعلق اور طرح طرح کے دیگر علائق سے کنارہ کشی کا سبب بنتے ہیں کے اپنانے کی ہدایت فرماتے ہیں اور فرائض و سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد طالب کو ان اذکار کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول کرتے ہیں اور یہ مشغولیت نہ تو تجلیہ[1] و نوافل کی ہوتی ہے اور نہ کتب احادیث کی ہدایت سے بڑھ کر طعام محتاط اور نہ آدابِ معاش وغیرہ کی محافظت کی مشغولیت ہوتی ہے۔

جب سالک بفضلِ خدا گرمیِ شوق اور محبت ماسوا کی نفی کی دولت حاصل کرلیتا ہے تو تمام عیوب خود بخود دُھل جاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا نے بھی اپنے رسالے قدسیہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو حار دیابس شربتیں ہیں' ان سے مراد یہی اذکار ہیں اور حکمتِ نظری شیخ کی نگاہِ التفات ہے جبکہ حکمتِ عملی سے مراد ذکر میں سعی و کاوش ہے۔ ہم یہ

---

[1] تجلیہ: روح کو کدوراتِ جسدیہ سے جو قالب عنصری کی مجاورت سے عارض ہوگئی ہوں' منزہ کرنا اور اسے چمکانا اور جلا دینا تجلیہ کہلاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشافِ توحید ہے اور حکمتِ عملی دوامِ حضور! ان کے قول ترقیق وتحقیق الخ کی تشریح یہ ہے کہ کحل عنایت سے مراد شہود وحدت و کثرت اور وحدت میں شہودِ کثرت ہے۔ یہ معنیٰ دو طرح سے حاصل ہوسکتا ہے۔ ایک تو مبادی کے صور کثرت میں ظاہر ہونے کی معرفت کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور اس کا نام ترقیق اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ نفسِ امّارہ کو پیسنے اور کثرت میں موجود ظہور کے لوازمات کی قوت کے ختم ہوجانے کی قوت کا پتہ دیتا ہے' دوسرے یہ معنیٰ وحدت میں کثرت کے آجانے کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے تحقیق کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ تحصیل اجزاءِ صرف وجود کے لیے مغائرت ماہیت کے ملاحظۂ ماہیۃ الماہیات میں تمام ماہیات کے مندرج ہونے اور وجودالوجودات میں وجودات کے مٹ جانے کی خبر دیتا ہے' واللہ اعلم۔ ان کے اس قول کہ "ہر کسی از مرزائی خود آگاہی یابد" کی تشریح یہ ہے کہ ہر شخص حضرت وجود کی حقیقت کی معرفت حاصل کرے' ان کے قول کہ "مرزا محمد گردد" سے مراد یہ ہے کہ حقیقتِ محمد یہ تمام میں جاری وساری ہے۔

واللہ اعلم

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا ؎

مردم دیدہ تیمّم کردہ از خاک درت — گرچہ در خانہ خود آب روانی دارد

"مردانِ دیدہ ور نے تیرے در کی خاک سے تیمّم کو ترجیح دی' حالانکہ ان کے اپنے گھر میں آبِ رواں موجود تھا"

مکتوب شیخ ابوالرضا

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوم من! تیمم طہارت مجازی ہے' جبکہ مردانِ دیدہ ور تو طہارتِ حقیقی کے طالب ہوتے ہیں اور درگاہ اہلِ حقیقت تو خاک مجاز سے پاک ہوتی ہے گویا مردانِ دیدہ ور نہیں' مردانِ کوردیدہ ہیں' جن کے گھر میں پانی تو موجود نہ تھا اور سراب کو پانی سمجھ بیٹھے۔ اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا ؎

مردم دیدہ آب بید کرد — خانہ خود خراب باید کرد

"طالبانِ وصال کو اس کی طلب میں آنکھیں پانی اور اپنا گھر برباد کردینا چاہیے"

تا کہ احدیتِ ذات کا آفتاب اپنے سراپردۂ عزت سے جلوہ گر ہو اور جملہ اشیاء اس کے سامنے لاشئی بن جائیں تو راز "لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار" آشکارا ہو ۔

آں سر کہ از گوش شنیدیم زخلقی ، از علم بعین آمد واز گوش بآغوش

"وہ راز کہ جسے میں نے لوگوں سے سُنا وہ علم کے ذریعے چشم اور کان کے راستے آغوش میں در آیا"

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں یہ اقتباس سوء ادب تھا کیونکہ مردم دیدہ سے مراد روشنی چشم سالک ہے اور مردم دیدہ است یا نادیدہ است سے اُن کی مراد یہ ہے کہ کسی انسانِ کامل کو پہچان کر اس کے کمال کے معتقد ہوئے کہ نہیں' لیکن جو مردان دیدہ ور ہوتے ہیں وہ تو درگاہِ رب العزت کو حقیقت محض سمجھتے ہوئے شہودِ کامل کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں' لہٰذا یہ سمجھنا کہ انہوں نے تیمّم کیا' یہ بات اُن کے بارے میں کہی بھی نہیں جاسکتی کیونکہ تیمّم طہارت مجازی ہے اور اگر مردِ کوردیدہ ہے یعنی اس نے کامل معرفت صرف ظاہری احوال ہی معلوم کیے تو بدستور حجاب اور اشتباہ میں مبتلا ہے' اگر پانی کو دیکھا ہوتا یعنی انسان کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور روشنی دیکھی ہوتی اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا' اگرچہ شاعر نے تواضع کی انتہائی صورت یعنی آنکھوں کو خاکِ در پر رکھ دینے کو اس طرح کا جامۂ رنگین پہنایا ہے تاہم ظاہراً اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کمالاتِ طریقت کو اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کرنے کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد کا استفادہ کرلوں۔ پس یہاں پر خود بینی مکمل فائدے کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ اس مفہوم کا قرینہ حضرت شیخ کے مکتوب کے آخر میں موجود ہے۔ دوہرہ:۔

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ ، دریں کراپنوں ہو سودا ہی موں مکھ دیکھ

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ محمد مرزا کے نام یہ والا نامہ صادر فرمایا:

راز ہائے درون کو طشت از بام کرنے کی تڑپ نے خزانوں کے بند دروازے کھول دیئے اور خزانوں کو سارے عالم میں لٹا دیا۔ صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایت محوِ خرام ہوگئی' عاشق سراب آبِ حیات کی لہروں میں کھو گیا' کمر شوق باندھ کر شاہراہِ طلب پر قدم

صدق دھرا۔ پہلی بار اس کی چشمِ بصیرت وا ہوئی تو اس کی نگاہیں اچانک جمالِ محبوب پر پڑیں تو خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز   کہ حقیقت کند برنگ مجاز

تا بدام آورد دلِ محمود   بطراز د بشانہ زلف ایاز

''عشق وہ رنگ آمیز مشاطہ ہے جو حقیقت پر مجاز کا رنگ چڑھا دیتی ہے' اور ایاز کی زلفوں کو اس طرح سنوارتی ہے جو دلِ محمود کو لُوٹ لیں''

مکتوب دیگر

حضرت شیخ نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کے نام حقیقت جامعہ کی زبان میں تحریر فرمایا:

ھوالحی القیوم!

اے میرے مرزا! اور میرے جلال تو میری وحدانیت کی طلب میں ہے جبکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کر رہا ہے' یہ تو سراسر شرک جلی ہے خفی بھی نہیں' کیا تو میرے غلبے اور قوت سے نہیں ڈرتا اور میری فردانیت سے تجھے حیا نہیں آتی؟ اے مرحوم! تو موہوم ہے اور میں معلوم' میں نور ہوں تو ظہور' میں حق اور حقیقت ہوں تو مجاز اور طریقت۔ اگر تو یہ چاہے کہ تو تعظیم کرنے والا مطلقاً اس کی ذات کی عبادت کرنے والا بنے تو موہوم کو اُٹھا رکھ اور معلوم کو قائم کر اور اپنے قلبِ سلیم اور سرِّ قدیم کے ساتھ پُکار کہ کسی عیب و ریب کے بغیر ہر زمان و مکان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں اور میں نہیں صرف وہ ہے' جب دوئی اُٹھ گئی تو تم نے عین کو پالیا۔ اگر تو نے اس میں شک کو راہ دی تو تُو مریض ہے۔ اگر تو نے تردّد کیا تو تُو معزول ہے اگر تُو نے اپنے ایمان و ایقان کے ساتھ قبول کر لیا تو منظورِ نظر گردانا جائے گا' پس تو شک کرنے والوں اور ردّ کیے گئے لوگوں میں سے نہ بن۔ میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیش نظر جواب دے دیا۔ لیکن تم میری عظمت سے غافل مت ہونا اور تجھ پر یہ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے القا کیا اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ جو راندۂ درگاہ ہو وہ خالی اور کھوکھلا ہوتا ہے اور جس پر رحمت کی گئی ہو وہ واصل ہوتا ہے' اگر تو نے میری بات کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہے۔

ایک اور خط میں حضرت شیخ نے لکھا:

اُس خدائے کردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں جو واحد اور احد ہے' مجھ سے حق اور شہنشاہِ مطلق نے فرمایا: اے میرے فرد! اور میری رضا! مجھے اپنی قوت و غلبے اور حُسن و جمال کی قسم کہ میں احد ہوں' مجھ سے وراء کچھ بھی نہیں اور میں ہی وہ ہوں جو پردۂ خلق میں مخفی ہے' میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے ہی اندر اپنے شیون اور صفات ظاہر کیے اور مخلوقات کو پیدا کیا' میں ہی حق اور حقیقت ہوں' میں ہی ہر چیز کے لیے ذات اور ہر ذی روح کی حیات ہوں' خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر' جو میرے ساتھ بقاء چاہتا ہے وہ میری جلا[1] کا طالب بنے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے نہ کہ ذکر جبروتی وملکوتی کے ساتھ **وھو لا ھو اِلّا ھو**' جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر رحمت وسلامتی ہو۔

ایک اور مرتبہ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا:

وہ بے کیف ہے اور تمام کیف اس کی بے کیفی سے ظہور میں آئے ہیں' وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور اِن بلند مرتبوں کی نہایت مزاحمت اغیار کے باوجود اسرار و بواطن میں رہتے ہوئے رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت ہے' چونکہ کثرت کو ذاتِ مقدس میں کوئی راہ نہیں' اس لیے حضرت احدیت تک رسائی پانا احدیتِ طریق کے بغیر ممکن ہے اور احدیت طریق سے مراد کثرتِ اعیانیہ کا وحدت صراطِ مستقیم میں ختم کر دینا ہے اور یہی انبیاء ورسل اور کامل اولیاء کا راستہ ہے اور نماز پڑھنے والے بھی اپنی نماز کی ابتداء میں **اھدنا الصراط المستقیم** سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سیّد الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں: توحید ایک ایسا معنیٰ ہے کہ جس میں رسوم کمزور پڑ جاتے ہیں اور علوم اس میں ضم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ازل میں تھا اور بندہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے قبل تھا

دیدہ ور شوکتِ حُسنِ لم یزلی کوز غیرت بسوز معتزلی
چہرۂ آفتاب خود فاش است بے نصیبی نصیبِ خفاش است

---

[1] ذات میں ذات کے لیے ذات کے ظہور کو جلا کہتے ہیں۔

""حسنِ ابدی کے دیدہ ور بنو اور چشمِ غیرت کو جلا دو' آفتاب کا چہرہ تو خود بے نقاب ہے مگر کیا کیا جائے چمگادڑ کی قسمت ہی میں بے نصیبی رقم ہے""

حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ جو اُن کے خاص دوستوں میں سے تھے' کے نام حسب ذیل مکتوب صادر فرمایا:

یہ سمجھ لیجئے کہ آپ دریائے نور کا ایک بُلبلہ ہیں جو جب پھٹتا ہے اور اس سے تو دیکھتا ہے تو خود کو اسی نور کا دریا پاتا ہے اور اسی تصوّر کو گویا تو دل کی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے اُوپر لاگو کرتا ہے' چونکہ قصد و توجہ حالاتِ قلبی کو باقی رکھنے میں کافی مؤثر ثابت ہوتے ہیں' لہٰذا جب قصد ٹوٹ جاتا ہے اور غیر کا خطرہ راہ پالیتا ہے تو فوراً اس خیال کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے کہ **تعرف الاشیاء باضدادھا** اور اس نور میں اسم ذات اسم متکلم کے ساتھ صبح و شام مسلسل و متواتر تنہا و تاریک مقام میں اس حیثیت سے موجود رہتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ اور دُوسری تمام چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے اور اس کے دل کے باب کھل جاتے ہیں تو وہ تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو عالمِ بیداری میں دیکھتا ہے اور ان سے عظیم فوائد کا استفادہ کرتا ہے' یہ فضلِ خداوندی ہے' وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

چشمِ دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید عینِ دریا گشت چوں بیدار شد چشمِ حَبَابْ

""جب دل کی آنکھ کھلی تو محبوب کو اپنے اندر موجود پایا اور بُلبلہ جب پھٹا تو عین دریا ہو گیا""

ایک بار شیخ عبدالحفیظ نے حدیثِ قدسی' **قف یا محمد فان اللّٰہ یصلّی** ''جو کہ قصہ' معراج میں موجود ہے کے بارے میں استفسار کیا' حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

میری ناقص رائے میں یہی آتا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیمرغ نے عالمِ خلق و امر[1] کی فضاء میں پرواز کی تو عالمِ کون و امکان کی آخری سرحد پر جا پہنچا اُسے حضرت الٰہی کے عالم کی دل لبھا دینے والی فضا دکھائی دی۔ اپنے عزم کی پوری بلندی اور قوت سے اس نے اس فضاء میں پرواز کرنا چاہی کہ اسی لمحے خطابِ الٰہی ان کے کانوں میں گونجا'' **قف یا محمد** ''

---

[1] عالمِ خلق وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا ہے اور عالمِ امر وہ عالم جو بلا مدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہے۔

یعنی اے محمد ﷺ! عالم امر کے اس آخری نقطے پر ٹھہر جایئے' یہ مقامِ عبودیت ہے جس میں مشاہدۂ رب ہوتا ہے: فان اللّٰہ یصلّی یعنی وہ تیرے ذریعے دونوں جہانوں کو نبوت و رسالت کی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رسولِ خدا اس برزخ میں ٹھہریں تا کہ بارگاہِ الٰہیہ سے معارف و احکام کا استفاضہ کر کے عالمِ خلق و امر پر مطلع ہوں' تو نے میری چاہت کی جو پاس داری کی وہ تیری اپنی مراد کی پاس داری سے کہیں بڑھ کر میری رحمت کو تیری طرف متوجہ کرتی ہے ۔

اُرید وصاله ویرید هجری فاترک ما ارید لما یرید

''میں اس کے وصل کا طلب گار ہوں اور وہ میری جدائی پر آمادہ' اس لیے میں اس کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں''

فانی فی الوصول عبیدة نفسی وفی الهجرانِ مولی للموالی

''میں وصال میں اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہوں جبکہ ہجر میں سرداروں کا سردار''

حضرت رسالت مآب ﷺ کے بلند مرتبے اور علوِ شان کے پیشِ نظر موزوں ترین بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ اس برزخ میں عالم الٰہی کی فضاء میں پرواز کرنے کے بعد واپس آئے تو اُن سے مذکورہ خطاب کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے کئی اور دُور از کار معانی بھی بعض متاخر صوفیاء کے مقلدین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق بیان کیے ہیں۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب وہ شہباز بلند پرواز کثرتِ اسماء وصفات کی فضاء کو طے کر گیا تو مقصورۂ برزخیہ کُبریٰ جو مراتبِ تعینات میں سے پہلا اور حقیقت محمدیہ کے نام سے موسوم ہے' پر دم لیا' اس کے بعد اس نے چاہا کہ آگے بڑھ کر حقیقتِ ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے تو اس سے خطاب کیا گیا کہ اے محمد ﷺ! اس برزخیت کبریٰ میں ٹھہر جایئے' جو عارفین کے مقامات کی انتہاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے یعنی وہ اس مرتبہ بلند اور قربتوں کی انتہائی منزلوں میں اپنے کامل بندوں پر رحمت فرمارہا ہے یا ٹھہر جانے کا حکم دے کر ان پر رحمت بھیجتا ہے کیونکہ اس مقام سے ماوراء جانے کا شوق محض تضییع اوقات ہے اور یہ آگے جانے کی طلب ایک ایسی شی کی طلب ہے جس کا حصول ناممکن ہے یا فان اللّٰہ یصلی کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی عبادت کر رہا ہے یعنی اپنے کمالاتِ ذاتیہ کی ثناء کر رہا ہے اور اُن کی طرف متوجہ اور

کائنات سے بے نیاز ہے اس کے حریمِ ذات اور عزت و جلال کی جانب سعی کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں

تعالٰی العشق عن همم الرجال — ومن وصف التفرق والوصال
متى ما جل شيء عن خيال — يحل عن الاحاطة والمثال

''عشق لوگوں کے ارادوں سے بالا ہے اور ہجر و وصال سے بھی مبرا جب کوئی چیز خیال میں نہ آ سکے تو وہ احاطہ و مثال سے بھی آزاد ہوتی ہے''

ایک اور مرتبہ شیخ عبدالحفیظ نے محققین کے قول ''شرط الولی ان یکون محفوظاً'' اور حضرت جنید قدس سرہٗ سے جو سوال کیا گیا کہ کیا عارف سے زنا سرزد ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا: ''وکان امر اللّٰه قدراً مقدوراً'' میں موافقت و مطابقت کے متعلق استفسار کیا تو حضرت شیخ نے یہ جواب لکھا:

دونوں اقوال صحیح ہیں اور معتبر اکابرین کا ان پر اتفاق ہے دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ ولایت کی تین قسمیں ہوتی ہیں: ولایتِ ایمانی، ولایتِ عرفانی اور ولایتِ احسانی۔ ولی ولایت ایمانی و عرفانی کے ساتھ گناہِ کبیرہ کے عمداً ارتکاب سے بھی نہیں بچ سکتا چہ جائیکہ گناہِ صغیرہ سے۔ مگر ولی ولایت احسانی کے ساتھ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے مطلقاً اور گناہِ صغیرہ کے عمداً ارتکاب سے محفوظ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کے ایک خط سے اقتباس یہ ہے:

بنائے طریقۂ رضائیہ

طریقۂ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد دس کلمات پر ہے:

(۱) تنزیہ المقصود — (۲) تفرید الہمۃ
(۳) تجرید التوحید — (۴) مطالعہ جمال فی الانفس والآفاق
(۵) فنا فی اللاہوت — (۶) بقا بالاہوت
(۷) ذکر بالاجتماع — (۸) الجمع بین الجہر والاخفاء
(۹) الخدمع الاصفیا — (۱۰) حضور رسالت پناہ ﷺ پر درود و سلام در ابتداء و انتہاء

آپ کے بعض خودنوشت مسوّدات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے: بامقدر عام سے متعلق ہے جو کہ وجود ہے اور اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے جو کہ موجود بنفسہٖ' جامع صفاتِ کمال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ الرحمن الرحیم دونوں تفضّل واحسان کے معنیٰ میں اس کی رحمت کے اسماء ہیں' پہلا نام اس فیضِ مقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعے وہ صور عظیمہ اپنی استعدادات کے مطابق حاصل ہوتی ہیں' جنہیں حقائق وماہیات کا نام دیا گیا ہے اور دُوسرا نام یعنی الرحیم اس فیضان مقدس کے لحاظ سے ہے' جس کی وساطت سے وہ ماہیت مذکورہ اپنے لوازم وتوابع کے ساتھ خارج میں حاصل ہوتی ہیں' اس طرح اس کا معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ پہلے علمی طور پر حقیقتوں اور ماہیتوں کا بخشنے والا اور فیاض ہے اور اس کے بعد خارج میں ان تمام حقیقتوں اور ماہیتوں کو وجود بخشنے والا فیاض ہے' لہٰذا رحمان ورحیم دونوں اسم ذات کی صفات ہیں' یا اس کا بدل واقع ہوئی ہیں یا دونوں اس کا بیان ہیں' یا رحمٰن و رحیم دونوں صفات اس مقدر کی خبر ہیں' جو اس کی طرف لوٹتا ہے یا دونوں مفعول ہیں' اور اس کا بیان ہیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود ذات واجب کے ظہور کے سبب حضرت غیب وشہادت میں ہے۔

تفسیر فاتحہ

سورۂ فاتحہ کی تفسیر آپ نے اس طرح بیان فرمائی:

حامدیت ومحمودیت اللہ سے مختص ہے اور یہ:

(۱) یا تو مرتبہ جمع علی الجمع کی حیثیت سے ہے' جہاں اس مرتبہ غیب ومعانی میں پہلی اور دُوسری تجلّی کے ساتھ اس نے خود اپنے کمالاتِ ذات کو اپنی ہی ذات پر ظاہر کیا اور اسی طرح اوّلاً اس نے اس چیز کا بھی اظہار کیا کہ جس پر شیونات اور اعتبارات میں سے وہ دونوں مشتمل ہیں اور حقائق الٰہیہ کونیہ۔

(۲) ثانیاً اور یا یہ مرتبہ جمع علی الفرق کی بناء پر ہے کیونکہ اس ذاتِ پاک نے اپنے فیض اور افاضۂ نور وجود کے ساتھ حقائق پر ان کے استعدادات موجودہ اور خارج میں اپنے کمالات تابعہ کو ظاہر کر دیا۔

(۳) یا یہ مرتبہ فرق علی الجمع کی بناء پر ہے کیونکہ موجودات روحانی ومثالی اور حسّی اس کے

کمالات ذات وصفات وافعال کو تمام زبانوں میں قولاً فعلاً اور حالاً ظاہر کرتے ہیں۔

(۴) یا مرتبۂ فرق علی الفرق کی بناء پر کیونکہ چاہے مظاہر خلقیہ اور مجالی الکونیہ اپنے کمالات کو اقوال وافعال اور احوال کی زبان میں بھی ظاہر کریں' پھر بھی وہ حقیقتاً ذات سبحانہٗ کی ایسی تعریف ہے جو خود اس نے اپنی ذات کے لیے کی ہے۔ نیز آپ کے مسودات میں یہ بھی دیکھا گیا۔

جمال ہانسوی کا قول ہے: ''تاهت عقول الاغیار فی احوال الاخیار'' اغیار کی عقلیں اخیار کے احوال میں بھٹک گئیں۔

اس کے متعلق فقیر کا کہنا یہ ہے کہ ''تاهت عقول الابرار فی اسرار الاخیار وتاهت عقول الاخیار فی اسرار الاحرار'' (ابرار کی عقلیں اخیار کے رموز میں حیران رہ گئیں اور اخیار کی عقلیں احرار کے رموز میں بھٹک گئیں)

ایک دُوسرے مقام پر آپ کی یہ تحریر ملی:

وجود تیرے اِس وجدان سے عبارت ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے جملہ اسماء وصفات کے ساتھ تیری ذات میں جلوہ گر ہے یہاں تک کہ تو خود باقی نہ رہے اور صرف ذاتِ حق ہی لازوال صورت میں باقی رہ جاتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے لکھا:

فقر کے نزدیک توحید تفریدِ لطیفہ ہے غرور نسب اور دیگر اضافات سے تفرید توحید نہیں۔

ایک اور بحث میں آپ نے تحریر فرمایا:

محققین نے کہا ہے کہ عجز آخری منازل پر پہنچنے والوں کی انتہاء اور غایات کی طرف ترقی پانے کا راستہ ہے' اس لیے اس عجز سے وراء نہ کسی کامل کا گزر ہو سکتا ہے اور نہ کسی کمال حاصل کرنے والے کے لیے جائے ترقی ہے یہاں عجز سے مراد وہ عجز نہیں جو مبتدیوں کے اذہان میں موجود ہے بلکہ یہ عجز تو حضرت الحضرات کے مرتبہ میں حصولِ ادراک ازلی کے بعد غایتِ کمال سے عبارت ہے اور یہی مقامِ او ادنــــی ہے مگر اس ادراک ازلی کا درک پانے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں' کیونکہ اس ادراک ازلی کا درک پانے سے عاجز ہونا ثابت ہے' جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''العجز عن درک الادراک اِدراک''

اور ادراک کا درک پانے سے عاجز آنا ہی ادراک ہے۔

مزید تحریر فرمایا کہ کمالِ مطلق ولی کا وہ مقام ہے، جس میں کامل کو حقائق اشیاء پورے طور پر بتا دی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں اُسے بیک وقت ربوبیت و عبودیت کے جملہ صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے۔

آپ نے مزید لکھا:

غنا لوازم بشریہ کے فقدان کا نام ہے اور یہ فقدان یا تو ان لوازم سے ذہول برتنے کی بناء پر ہوتا ہے یا ان کے منعدم ہونے کے علم کی بناء پر اور یا حقیقی حال طاری ہونے کے سبب ہوتا ہے۔

فناء کے نو (۹) مراتب ہیں:

(۱) پہلا مرتبہ ذہول ہے یہ اہلِ حجاب کا ذکر میں مستغرق رہتے ہوئے اپنی ذات کے عدمِ شعور سے عبارت ہے یا یہ اہلِ کشف پر انوارِ جمالِ محبوبِ حقیقی کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ ذہاب ہے، اس سے مراد بندے کا افعالِ حق کو مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے افعال کو فانی سمجھنا ہے، جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اور کبھی ذہاب کا اطلاق ترقی پر بھی ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ سلب ہے اور یہ صفاتِ خلق کو صفاتِ حق کے ظہور ہونے کے نتیجے میں فنا کر دینے کا نام ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ اصطلام ہے، یہ وجودِ ذاتِ حق کے لیے بندے کا اپنے آپ کو فانی کر دینے کا نام ہے۔

(۵) پانچواں مرتبہ انعدام ہے، یہ بندے کا اپنے فنا ہونے کے شعور سے بھی بے خبر ہونے کا نام ہے۔

(۶) چھٹا مرتبہ محق ہے، یہ نفسِ عبد سے عجب کے زائل ہو جانے اور صفاتِ الٰہیہ کو اس طرح بے چون و چرا اپنے اندر جذب کر لینے کا نام ہے، جیسے وہ اپنی صفات کو قبول کرتا ہے اور یہ تحقق باللہ کے مقامات میں سے پہلا مقام ہے۔

(۷) ساتواں مرتبہ محق ہے' یہ بندے کی جسمانیت اور روحانیت سے حد اور احاطے کا زائل ہو جاتا ہے۔

(۸) آٹھواں مرتبہ طمس ہے' اس میں بندے کی طبیعت' عادت اور ظاہر و باطن سے تمام لوازماتِ بشری اٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ اسے سخت بھوک ستاتی ہے اور نہ ہمیشہ جاگتے رہنا اسے تکلیف دیتا ہے۔

(۹) نواں مرتبہ محو ہے' یہ تمام آثارِ طبیعت کے زوال اور ظہور آثار حقیقت کے کمال کا نام ہے۔

پس پہلے پانچ مراتب اہل فنا سے مخصوص ہیں اور چار آخری مراتب اہلِ بقا کے حصے میں آتے ہیں اور بقا صفتِ الٰہیہ ہے جس سے بندے کو اس وقت متصف کیا جاتا ہے جب وہ خود کو فنا کر دیتا ہے۔

فرائض ولایت کُبریٰ

حضرت شیخ نے رسالہ اصول الولایہ میں آیۂ کریمہ ''یایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ولایتِ کُبریٰ کے فرائض چھ ہیں' چار مذکورہ بالا آیت میں ترتیب وار موجود ہیں:

(۱) پہلا صدقِ دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا۔

(۲) دوسرا تقویٰ یعنی مامورات پر عمل کیا جائے اور محظورات سے اجتناب کیا جائے۔

(۳) تیسرا شیخ طریقت کی طلب کہ وسیلہ اسی سے عبارت اور وصالِ محبوب کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔

(۴) چوتھا انانیت کو فنا کرنے اور نبوت کے اثبات کا جہاد ہے' خود سے آزادی کو دُور کر کے شہود دوست کی بقاء کا گرفتار ہو جا کیونکہ فنا اسی سے عبارت ہے اور ولایت کُبریٰ یہی ہے۔

تربیّت سالک

اسی رسالے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جب مرید صادق خلوت میں داخل ہو تو پوری طرح اپنی دنیا سے باہر نکل آئے' غسلِ کامل کرے' نماز پڑھنے کی جگہ اور کپڑے پاک ہوں تا کہ عبادت حق کے شایان ثابت ہو' قبلہ

رو ہو کر دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے ادا کرے' اپنی نجات حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں سمجھے' نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ خلوت گاہ میں بیٹھے' صلوٰۃ پنجگانہ اور نمازِ جمعہ میں تکبیر اولیٰ کو فوت نہ ہونے دے' سلام پھیرنے کے بعد فوراً خلوت گاہ کی طرف چلے اور ساتھ والوں سے بچ بچ کر گزرے' دائیں بائیں نہ دیکھے' لوگوں کی نظروں سے بچ کر رہے' لذتِ نفس سے گریز کرے اور غفلت کو قریب نہ پھٹکنے دے' جو خلوت اس انداز کی نہیں ہوگی وہ کسی کام کی نہیں' ہر وقت ذکر' مراقبہ' پاکیزگی اور انکسار کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے' خود کو نوافل' تلاوت اور درود و استغفار میں مشغول رکھے' تاکہ کسی سُستی و کاہلی کے لیے گنجائش باقی نہ رہے۔ اگر طبیعت ملول ہو تو وضو تازہ کرے' اگر غنودگی کا غلبہ ہو تو سو جائے تاکہ فضول باتوں سے بچ جائے اور بُرائی کے راستے سے محفوظ رہے' دن اور رات کا تیسرا حصہ آرام کرے تاکہ نفس اضطراب کا شکار نہ ہو۔ یعنی چھ ساعت رات اور دو ساعت دن کے وقت آرام کرے۔ روز و شب کے گھٹنے بڑھنے کی نسبت رات و دن کے مقررہ آرام کو گھٹاتا بڑھاتا رہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مکمل طہارت کے ساتھ مصلّے پر قبلہ رُو ہو کر ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے ہوئے نماز مغرب کا انتظار کرے اور اوقاتِ مغرب و عشاء کو اس طرح باہم ملا دے کہ درمیانی مدت ذکر' مراقبہ اور نوافل میں بسر ہو۔ یہ عمل قلب کو روشن کرنے میں خاصا مؤثر ہے۔ جب صبح طلوع ہو تو یہ چار دعائیں پڑھے تاکہ دنیا میں محو ہو جانے اور شیطان اور نفس کے شر سے امان میں رہے۔

پہلی دعا: اللھم یا رب انت الہ عالم و انا عبد جاھل اسالک ان ترزقنی علماً نافعاً حتّٰی اعبد بعلملک و الاھکت.

دوسری دعا: یا رب انت الہ غنیّ و انا عبد فقیر اسالک ان تحفظنی حتّٰی لا اسئل من سواک کفاف الدنیا و الاھلکت.

تیسری دعا: یا ربّ انت الہٗ قوی و انا عبد ضعیف اسالک ان تعین حتّٰی اغلب الشیطان بقوتک و الاھلکت.

چوتھی دعا: یا رب انت الہ قادر و انا عبد عاجز اسالک ان تجعلنی قاھراً علی نفسی حتّٰی اقھرھا بقدرتک و الاھلکت.

اس کے بعد دو رکعت سنتِ فجر گھر ہی میں ادا کرے۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: جو شخص فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس (۴۱) بار ''یا حیّی یا قیوم یا حنّان یا منّان یا بدیع السّمٰوٰت والارض یا ذالجلال والاکرام لا الہ الا انت اسألک ان تحیی قلبی بنُورِ معرفتک یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ '' پڑھے گا تو اگر سارے دل مُردہ ہو جائیں لیکن اس کا دِل بیدار و زندہ رہے گا اور اس کا ایمان سلامت رہے گا' جب جماعت میں شامل ہونے کے لیے گھر سے باہر قدم رکھے گا تو کہے: ''بسم اللّٰہ وبا اللّٰہ والی اللّٰہ والتکلان علی اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ'' جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے: ''اللھم عبدک ببابک مذنبک ببابک وجہ الیک عمن سواک یستغفرک ویطلب رضاک ان لم تفتح باب فضلک فأی باب سوی بابک '' پھر داہنا پاؤں مسجد کے اندر رکھے اور پڑھے: ''بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسُول اللّٰہ '' اور جب اندر داخل ہو جائے تو یہ دُعا پڑھے: ''اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم'' تو وہ شرِ شیطان سے محفوظ رہے گا اور جب اندرونِ مسجد پہنچ جائے تو سلام کہے' اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز میں مشغول ہو تو کہے: ''السلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰہ الصّالحین'' نماز ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور پورے انہماک کے ساتھ ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے کیونکہ اس وقت سونا نہایت مکروہ فعل ہے۔ اگر نیند کا غلبہ ہو بھی جائے تو اُٹھتے بیٹھتے ذکر کرتے ہوئے اُسے دُور کر دے یہاں تک کہ جب سورج بقدر ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو رکعت شکرانے کی نیت سے ادا کرے۔

اس کے بعد مسجد یا خلوت گاہ جہاں بھی اسے جمعیت خاطر حاصل ہو' پھر ذکر و مراقبے میں مشغول ہو جائے۔ جب دن کا چوتھائی حصہ گزر جائے تو وہیں چار رکعت نمازِ چاشت ادا کرے' اس کے بعد اگر کوئی تعلیم و تعلّم یا ضروری کام ہو تو وہ سرانجام دے ورنہ پھر سے تازہ وضو کر کے مراقبے کے لیے بیٹھ جائے' اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہو تو کھا لے اور کھانے کے دوران زبان پر ذکر اور دل میں تصوّر رہے' اس کے بعد تازہ وضو کر کے ذکر کرتے ہوئے قیلولہ کرے اور سورج ڈھلنے سے پہلے بیدار ہونے کو غنیمت جانے تا کہ زوال کے وقت وہ

طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رُو ہو کر مصلّی پر بیٹھا ذکر و مراقبے میں مشغول بھی ہو چکا ہو' جب سورج آگے بڑھے تو چار رکعت نمازِ زوال ادا کرے' نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی ضروری کام ہو مثلاً کسی سے میل ملاقات' عیادت' آل و اولاد کی تعلیم یا ان کی خبر گیری تو حسبِ ضرورت اُن کے لیے وقت نکال لے' مگر ان سے جلدی فراغت حاصل کرے اور استغفار پڑھے: ''حسنات الابرار سیئات المقربین '' اس کے بعد طہارت کی تکمیل کر کے نمازِ عصر کی تیاری کرے اور نمازِ عصر و مغرب کے درمیان وقت کو ذکر و مراقبے میں صرف کرے۔

عمر برف است آفتاب تموز — اندکے ماندہ خواجہ غرّہ ہنوز

دل گفت مرا علم لدنّی ہوس است — تعلیم کن وگرت بدیں دسترس ست

گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگو — درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

''عمر برف ہے اور سورج ساون کے مہینے کا ہے' تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے اور خواجہ ابھی تک مغرور ہے' دل نے کہا: مجھے علم لدنّی کی ہوس ہے اگر تو اس میں دسترس رکھتا ہے تو مجھے سکھلا' میں نے کہا: الف تو اس نے کہا اور کچھ مت کہنا کیونکہ اگر کسی کا خانہ خالی نہیں ہے تو اس کے لیے بھی ایک حرف کافی ہے''

شیخ ابوالرضا قدّس سرّہ کا سفرِ آخرت

شیخ محمد ظفر رہتکی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ ابتدائی زمانہ میں اکثرت اوقات فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہو گی' جب آپ کی عمر پچاس برس سے متجاوز ہو گئی تو آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ہمیشہ کھٹکا رہنے لگا' جب آپ پچپن برس کی عمر کو پہنچے تو اتفاقاً مجھے کسی تقریب سے رہتک جانا پڑا' رخصت ہوتے وقت میں نے آپ سے اپنے اس خدشے کا ذکر کر لیا' آپ نے تبسّم فرماتے ہوئے میری بات کو ٹال دیا اور فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن ضرور جانا چاہیے' اس خیال کو دل سے نکال دو۔ حضرت شیخ کے یہ آخری کلمات تھے جو میں نے سُنے۔ گلشن شاعر نے بیان کیا کہ حضرت شیخ کے آخری ایام میں ایک روز شیخ عبدالاحد آپ کی زیارت کے لیے تشریف لائے' اس وقت میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا' جب ہم لوگ خدمت اقدس میں پہنچے تو اس وقت آپ خلافِ عادت پلنگ پر تشریف فرما تھے

اور تمام اصحاب فرش زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو دیکھتے ہی تبسّم فرمایا اور خندہ پیشانی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے اسی پلنگ پر اپنے ساتھ بٹھایا' کچھ دیر یہ صحبت قائم رہی تاہم باہم کسی قسم کی گفتگو یا کلمہ وکلام نہیں ہوا' ایسے لگتا تھا جیسے آپ کا دل تمام دنیوی رشتوں سے سرد ہو گیا ہے اور بے خودی اور فرطِ رمیدگی کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے' پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور چونکہ آپ کے اہل خانہ شیخ عبدالاحد سے قریبی رشتہ داری رکھتے تھے' اس لیے شیخ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے' اسی انداز سے کچھ وقت پھر خاموش صحبت برقرار رہی کہ اسی وقت اذانِ مغرب ہوئی' آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ فخر العالم نے آ کر عرض کی کہ اذان ہو چکی ہے اب باہر جانا چاہیے۔ حضرت شیخ نے اس پر فرمایا کہ بابا! ابھی تک اندر باہر میں فرق باقی ہے؟ یہ فرما کر باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز ادا کی' اس صحبت کے ختم ہونے کے بعد شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ گویا حضرت شیخ اسی حالت میں بیٹھنے پر مامور ہیں اور شاید آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے اور رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی تڑپ کا غلبہ ہے' اس کے تھوڑے عرصے بعد آپ نے انتقال فرمایا۔

اصحاب شیخ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ حضرت شیخ کچھ کمزوری اور کسل محسوس کرنے لگے تو آپ نے دو تین روز کھانا تناول نہ فرمایا اور آپ کی طبیعت میں نہایت بے تعلقی سی پیدا ہو گئی' یہاں تک کہ کسی چیز کی طرف توجہ باقی نہ رہی' نمازِ عصر کے وقت مسجد کی طرف جانے لگے تو اہل خانہ کو الوداع کہا' نمازِ عصر پڑھ لینے کے بعد آپ نے ''مقامات خواجہ نقشبند'' طلب فرمائی اور اس میں سے کچھ مطالعہ فرمایا' اسی دوران معتقدین میں سے کسی نے پان پیش کیا' اس میں سے آپ نے ایک دو ٹکڑے لیے اور خوشی ومسّرت کے عالم میں پہلو میں پڑے تکیے کا سہارا لیا' اسی وقت آپ کی رُوح مبارک جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ نے رحلت سے تھوڑی دیر پہلے حضرت شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کی طرف اشارہ کیا' کچھ لوگ اُن کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے آپ کو غشی کے عالم میں سمجھتے ہوئے اٹھایا اور گھر کے دروازے تک لے آئے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم اسی وقت آ گئے' انہوں نے دیکھا کہ آپ کی رُوح پرواز کر چکی تھی' یہ محرم الحرام کی سترہ تاریخ ۱۱۰۰ھ کا واقعہ ہے۔ بعض احباب نے آفتابِ حقیقت سے تاریخ نکالی ہے (اللہ ان سے راضی ہو اور اللہ انہیں راضی کرے اور جنت

الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے)۔

یہاں پر مخدومنا وسیّدنا الشیخ ابوالرضا کے احوال و آثار جس قدر میں نے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا' ختم ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات

الحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات وعلیٰ فضلہٖ المعول فی جمیع الحالات وبسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللّٰہ علیٰ سیّدنا محمد و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین' اما بعد'

فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ ہی ان کا دنیا و آخرت میں کفیل ہو) کہتا ہے کہ یہ چند اوراق اس فقیر کے بعض اجداد کے حالات کے بیان میں ہیں اور اس کا نام (الامداد فی مآثر الاجداد) رکھا گیا ہے۔ **حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل.**

واضح رہے کہ اس فقیر کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے: فقیر ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاون بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔ پرانے نسب ناموں میں جو رہتک اور شاہ ارزانی بداونی کے خاندان میں موجود ہیں جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے' ان میں ایسا ہی پایا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں لفظ ملک تعظیم کے لیے مستعمل ہوتا تھا' جیسے ہمارے زمانے میں خان' زیادہ حقیقتِ حال خدا جانتا ہے۔

معلوم رہے کہ ہمارے اجداد میں سے جس نے سب سے پہلے شہر رہتک میں اقامت اختیار کی وہ شیخ شمس الدین مفتی ہیں اور یہ رہتک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو تیس کوس دہلی سے قبلہ کی طرف واقع ہے' ابتداء میں جب ہندوستان فتح ہوا تو سادات اور قریش بڑی تعداد میں یہاں آ کر آباد ہوئے' اس علاقے کا کوئی دوسرا شہر اس سے زیادہ بارونق اور

آباد نہ تھا' مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ وہ آبادی اور رونق ختم ہو گئی۔

حضرت شیخ شمس الدین مفتی' عالم اور عابد تھے اور یہی وہ پہلے فرد فرید ہیں' جو خاندانِ قریش میں سے اس شہر میں آباد ہوئے۔ آپ نے یہاں شعائر اسلام کی ترویج کی اور کفر کے زور کو توڑا' ان کے عجیب حالات میں سے ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ نماز کے بعد اس مسجد میں رکھ دیا جائے' جو ان کی عبادت گاہ اور جائے اعتکاف تھی' اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے مسجد کو خالی چھوڑ دیا جائے' پھر اگر جنازے کو موجود پائیں تو دفن کر دیں ورنہ واپس چلے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور کچھ دیر بعد جب دیکھا گیا تو وہاں جنازہ موجود نہیں تھا۔ حضرت والد ماجد اس حکایت کو جب بیان فرماتے تو اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے کے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے حالات کی کتابوں میں مَیں نے اس واقعہ کو دیکھا ہے' اگرچہ وہاں اس بزرگ کا نام متعین نہیں ہے۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں میں جو ذی وقار شخص اس قسم کے قصبات میں اقامت اختیار کرتا تھا تو قضاء' احتساب اور افتاء وغیرہ کی ذمہ داریاں اسی کے سپرد ہوا کرتی تھیں' بسا اوقات ان مناصب کے بغیر بھی ایسے مقتدر افراد کو قاضی اور محتسب ایسے معزز الفاظ سے پکارا جاتا تھا' شیخ شمس الدین مفتی کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کمال الدین مفتی لائق ترین آدمی اور ان اُمور میں اپنے والد کے جانشین ہوئے' ان کے بعد ان کے صاحبزادے قطب الدین اور ان کے بعد ان کے خلف الرشید عبدالملک نے اسی انداز پر اپنی زندگیاں بسر کیں۔

ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضا کا منصب قائم ہوا تو قاضی بدھا ابن عبدالملک نے اپنے سابقہ استحقاق کی بناء پر منصب قضاء اختیار کیا' آگے ان کے دو صاحبزادے ہوئے' ایک قاضی قاسم کہ جو اپنے والد کے بعد اُن کے جانشین ہوئے اور دُوسرے منگن' ان کے بھی آگے یونس نام کے ایک صاحبزادے ہوئے۔

قاضی قاسم کے دو لڑکے ہوئے' ایک قاضی قادن جو اپنے والد کے جانشین اور شہر کے رئیس تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پورا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہوگا جو ہندوؤں کی زبان پر اس طرح بگڑ گیا' واللہ اعلم' دوسرے کمال الدین تھے جن کا ایک لڑکا نظام الدین نامی تھا۔

قاضی قادن کے دو صاحبزادے ہوئے' شیخ محمود اور شیخ آدم جن کا عرف بھائی خاں تھا' ان کی نسل باقی ہے۔ شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے' انہوں نے کسی سبب سے منصبِ قضاء قبول نہ کیا اور سرکاری ملازمت کر لی۔ اس دوران انہوں نے زمانے کے سرد و گرم کا خوب تجربہ کیا۔ ان کا ظاہری حال رہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا' ان کی شادی سونی پت کے سید گھرانے کی ایک لڑکی آفریدہ سے ہوئی' جس سے شیخ احمد پیدا ہوئے۔

شیخ احمد بچپن ہی میں رہتک چلے گئے اور انہوں نے شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ نشوونما پائی۔ انہوں نے شیخ احمد کی اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کر دی اور ایک مدت تک ان (شیخ احمد) کی تربیت کی' اس کے بعد وہ رہتک واپس آ گئے اور قلعہ سے باہر ایک عمارت بنا کر اپنے عزیزوں اور خادموں سمیت قیام پذیر ہو گئے۔ شیخ احمد کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے دو کی اولاد باقی رہی' ایک شیخ منصور جو بہادری' حلم وغیرہ صفاتِ ریاست سے پوری طرح متصف تھے' انہوں نے پہلے شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی کی لڑکی سے شادی کی جو ان کے ماموں تھے' اسی عفیفہ کے بطن سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے۔ اس کی وفات کے بعد انہوں نے دُوسری شادی کی' جس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ دوسرے شیخ حسین تھے جو خوشحال اور فارغ البال تھے' ان کے دو صاحبزادے ہوئے: محمد سلطان اور محمد مراد۔ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) نے محمد مراد کو دیکھا تھا۔

محمد مراد کی قوتِ گرفت کے عجیب و غریب قصّے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسّی سال کی عمر میں انگوٹھے اور شہادت کی انگلی میں دینار کو لے کر رگڑتے اور اسے دوہرا کر دیا کرتے تھے۔

انہوں نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) کو صغرسنی میں دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کو دیکھنے سے میرے دل پر رعب و ہیبت طاری ہوتی ہے جیسا کہ اس کے دادا شیخ معظم کی زیارت سے ہیبت طاری ہوا کرتی تھی۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ مطالعہ کرنے والا سلسلۂ نسب کے اس حصے پر اچھی طرح مطلع ہو جائے کیونکہ اس سے مقصود صلہ رحمی ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تعلموا من انسابکم ما تَصِلُونَ به ارحامکم فان صلة الرحم محبةٌ فی الاهل

مثراة فی المال منساة فی الاثر ''(رواہ الترمذی والحاکم) (اپنے نسب کا علم حاصل کرو تاکہ تم اس کے ذریعے اپنی رشتہ داریاں قائم کر سکو' صلہ رحمی محبت کا ذریعہ ہے' اس کی بدولت مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے)۔

امام ناصرالدین کی روحانی امداد

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ عبدالغنی مذکور کی اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم اور متورع تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ ان کی بہت تعظیم و توقیر کرتا تھا' جب بادشاہ الحاد و گمراہی میں مبتلا ہو گیا تو محبت کا وہ رشتہ ختم ہو گیا اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی' ایک عرصے کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی۔ اس طرف لگاتار فوجیں بھیجی جاتی رہیں' لیکن فتح نہیں ہوئی۔ اسی دوران ایک رات امام ناصرالدین شہید ابن محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار مبارک کے بعض معتکفین نے بیداری میں دیکھا کہ ایک جماعت اپنے سردار سمیت ہتھیار جنگ سے لیس ہو کر آئی ہے اور اُن کے ساتھ ایک مشعل ہے اور یہ لوگ روضۂ امام میں داخل ہو گئے' دیکھنے والے نے سمجھا کہ شاید مسافر ہیں جو زیارتِ خانقاہ کی نیت سے آئے ہیں' وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سردار قبر میں داخل ہو گیا اور اس مسلح گروہ کا ہر آدمی ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ سردار کون ہے اور یہ مسلح افراد کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ حضرت امام ناصر الدین شہداء کی ایک جماعت کے ساتھ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ اس نے کہا: چتوڑ کو فتح کرنے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں بُرج کی طرف سے فتح کر لیا ہے۔ شیخ عبدالغنی کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے پورا واقعہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیجا' کچھ دنوں بعد فتح چتوڑ بالکل اسی طرح واقع ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت امام ناصرالدین رحمہ اللہ کی خانقاہ کے لیے بارہ (۱۲) گاؤں وقف کر کے شیخ عبدالغنی کے انتظام میں دے دیئے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے والدِ گرامی (شیخ عبدالاحد) ایک راز معلوم کرنے کی خاطر کافی عرصہ شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے لیے آرزومند رہے اور اس کا قصہ یوں ہے کہ شہر سون

پت کے ایک عمر رسیدہ اور درویش بزرگ تھے۔ یہ راز شیخ عبدالغنی کو ان بزرگ سے پہنچا تھا اور وہ راز یہ تھا کہ انہوں نے بتایا کہ میرے مرشد جو کہ میرے جد مادری بھی تھے' نے اپنے انتقال کے وقت مجھے ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بُلایا تا کہ نسبت اور فیوضِ باطنی عطا فرمائیں' جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا' اس کے سنتے ہی وہ درویش تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ رہ گیا' حضرت والد ماجد شیخ عبدالغنی سے اس بات کے سننے کے بہت خواہش مند تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں' اتفاقاً شیخ مذکور کا کسی مہم کے سلسلے میں سرہند سے گزر ہوا' جب وہ سرہند میں پہنچے تو ایک کارواں سرائے میں ٹھہرے' ہمارے والد ماجد بھی وہاں پہنچ گئے' ملاقات اور رسمی مزاج پُرسی کے بعد اُنہوں نے خلوت کی درخواست کی اور اس رازِ حقیقت کو ظاہر کرنے کی التجا کی' شیخ نے انہیں وہ رازِ حقیقت بتایا' جب میرے والد (شیخ عبدالاحد) شیخ عبدالغنی سے مل کر باہر نکلے تو انہیں شیخ جمیل الدین جو صاحبِ دل' فاضل اور والد گرامی کے خلفاء میں سے تھے' ملے انہوں نے پوچھا کہ آپ نے وہ راز معلوم کر لیا؟ والد ماجد نے فرمایا: ہاں' انہوں نے کہا: وہ کیا تھا؟ فرمایا کہ وہی مسئلہ ہے کہ جس پر ہم ہیں اور جو ہمارے مشرب و طریقہ کی جان ہے یعنی یہ سب کچھ جو نظر آ رہا ہے واحدِ حقیقی ہے' جو کثرت کے عنوان سے نمودار ہو رہا ہے' مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا۔ جب اچانک اس کے کان میں یہ راز پڑا تو وہ اس کا متحمل نہ ہو سکا اور ہلاک ہو گیا اور چونکہ شیخ عبدالغنی' عالم' صاحبِ مقام اور واقفِ راز تھے' اس لیے اپنی جگہ برقرار رہے۔

حالاتِ شیخ معظم

شیخ معظم شجاعت وغیرہ ایسی اعلیٰ صفات سے متصف تھے' اس سلسلے میں ان کے عجیب وغریب واقعات حد و شمار سے زیادہ ہیں' حضرت والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار شیخ منصور کی کسی راجہ سے لڑائی ٹھن گئی' تو انہوں نے لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا' اس وقت وہ بارہ سال کے تھے' بہت سخت لڑائی ہوئی' طرفین میں سے کئی لوگ قتل ہوئے۔ اسی اثناء میں کسی نے شیخ معظم سے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے ہیں اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا ہے۔ اس پر شیخ معظم کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور انہوں نے کفار کے رئیس کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا'

اسی جذبے اور جوش میں جو بھی مزاحمت کی خاطر ان کے سامنے آتا اسے قتل یا زخمی کر کے راستے سے ہٹا دیتے۔ کافی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے' رؤسائے کفار میں سے ایک شخص نے مقابلہ کیا لیکن تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اس کی لاش گھوڑے کے نیچے ڈال دی' اس پر لوگوں نے انہیں گھیر لیا' راجہ نے ان سب کو منع کیا اور ڈانٹا کہ جو شخص اتنی کم عمری میں ایسی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتا ہے' اس کی شخصیت نادرۂ روزگار ہے۔ اس کے بعد راجہ نے شیخ معظم کے دونوں ہاتھ چومے اور بہت احترام کے ساتھ پیش آیا اور ان کے غصے کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں' میں نے پختہ ارادہ کیا کہ حملہ کروں گا' پیچھے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ راجہ کو قتل کر دوں یا خود قتل ہو جاؤں۔ راجہ نے کہا: آپ کو غلط خبر پہنچی ہے' آپ کے والد زندہ ہیں اور اُن کے جھنڈے فلاں جگہ نظر آ رہے ہیں۔ راجہ نے اسی وقت شیخ منصور کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم نے اس نوجوان بہادر لڑکے کی وجہ سے صلح کر لی ہے اور شیخ منصور کے تمام مطالبات اس نے قبول کر لیے اور واپس ہو گئے۔

حضرت والد گرامی نے موضع شکوہ پور جو کہ شیخ معظم کا تعلقہ تھا' کے ایک بوڑھے کسان سے سُنا کہ ایک مرتبہ تیس ڈاکوؤں نے اس گاؤں میں ڈاکہ ڈال کر یہاں کے تمام مویشی لوٹ لئے' اس وقت شیخ معظم بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے علاوہ ان کی اولاد' بھائیوں اور چچازاد بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا' انہیں اس حادثے کی اطلاع اس وقت پہنچی جب کہ دستر خوان بچھ چکا تھا' شیخ معظم نے کسی بے چینی یا عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر حسب عادت کھانا کھایا' فراغت کے بعد ہاتھ دھوئے اور کہا: میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا لاؤ۔ جب سوار ہونے لگے تو دیہاتی لوگوں کا ایک مسلح گروہ آ گیا مگر انہوں نے سب کو واپس کر دیا اور کہا میں بہت تیزی سے جاؤں گا' تم میرے گھوڑے کی دوڑ کو نہ پہنچ پاؤ گے' مگر اس واقعے کے راوی کو جو گھوڑے کی دوڑ کے ساتھ بھاگ سکتا تھا' ساتھ لیا تا کہ وہ اپنی قوم کو اس جنگ کی تفصیل بتا سکے جو ڈاکوؤں اور ان کے درمیان واقع ہو۔ وہ دوڑے یہاں تک کہ ان ڈاکوؤں کو جا لیا' اس وقت وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔ حیرت انگیز کلمات سے جوش دلا کر انہیں میدان میں نکال لائے اور کمال ہنرمندی سے ایک تیر سے دو دو آدمیوں کو مارنا شروع کیا' جب دو تین

ایسے تیر انہوں نے دیکھے تو وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر انہوں نے فریاد و فغاں شروع کر دی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کر دیجئے۔ شیخ معظم نے کہا کہ تمہاری توبہ یہی ہے کہ خود اپنے ہتھیار اُتار دو اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھے، پھر اپنے ہتھیار اور گھوڑے لے کر اسی گاؤں میں واپس چلو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مذہب کے مطابق قسمیں کھائیں کہ دوبارہ اس قصبے کی طرف بُری نظر سے نہیں دیکھیں گے اور شیخ معظم کی منشاء کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

شیخ معظم کی اولاد

شیخ معظم کے سیّد نور الجبار سون پتی (جو ایک عالی نسب سیّد تھے اور ان کے بزرگ علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ تھے) کی صاحبزادی سے تین لڑکے پیدا ہوئے:

(۱) شیخ جمال　(۲) شیخ فیروز　(۳) شیخ وجیہ الدین

مختصر ذکر شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین شجاعت و تقویٰ میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ حضرت والا قدس سرہٗ (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن مجید کے دو پارے تلاوت کرتے اور یہاں تک کہ سفر، حضر، غم اور خوشی میں بھی اس معمول کو ترک نہیں کرتے تھے، بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کے سبب جلی خط میں لکھا ہوا قرآن حکیم اپنے ساتھ رکھتے تھے، جسے وہ سفر میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے، نیز والد ماجد فرماتے تھے کہ سارے لشکر کے کھیت میں گزرنے کے باوجود وہ اپنا گھوڑا کھیت میں نہیں ڈالتے تھے اس لیے انہیں بعض اوقات جانے پہچانے راستے سے بھی ہٹ کر چلنا پڑتا تھا، والد گرامی نے فرمایا کہ ایک دفعہ کسی لڑائی میں شیخ وجیہ الدین کا ساز و سامان گم ہو گیا، کھانے پینے کا سامان بھی مہیا نہ تھا۔ ایسے میں ان کے ساتھی تو زبردستی گاؤں کے مویشی لے کر کھا جاتے تھے مگر انہوں نے ایسی پرہیزگاری اختیار کی کہ دو تین فاقے ہو گئے، قوت بالکل جاتی رہی تو رازق حقیقی جل شانہٗ کی رزاقیت نے اس صورت میں ظہور فرمایا کہ وہ اتفاقاً چابک سے زمین کرید رہے تھے جیسے عموماً سوچ بچار کے وقت کیا جاتا ہے تو وہاں سے ان کو خوراک بھر چنے ملے، چونکہ گری پڑی چیز کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس لیے ان کو دھو کر صاف کیا اور اُبال کر کھا لیے۔

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین رحمہ اللہ) خدام ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ کے ساتھ ایسی شفقت اور انصاف سے پیش آتے تھے کہ اس زمانے کے متقیوں سے بہت کم ایسا برتاؤ دیکھا گیا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرے والد نے کسی ولی کی ولایت کے بعض ایسے شواہد ملاحظہ کیے کہ انہوں نے اس سے بیعت کر لی اور اشغال صوفیاء میں مصروف ہو گئے' کم گوئی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنایا اور اس سلسلے میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا کہ اس زمانے کے صوفیاء میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر رہتکی میرے والد ماجد اور عم بزرگوار کے متعلق ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے ارتباط کو بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان کے فیوضِ اشغالِ صوفیاء سے مستفید ہوتے ہوں گے اور یہ دونوں اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوئے ہوں گے۔

حضرت والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدین کی بہادری کی بہت سی حکایتیں بیان کرتے تھے' میں ان سے کچھ واقعات بیان کرتا ہوں تا کہ اہل خاندان کو اخلاقِ فاضلہ کے اکتساب کی تحریص وترغیب ہو' انما الاعمال بالنیات۔

معرکہ دہا مونی

والد ماجد نے فرمایا کہ میری عمر چار برس کی تھی کہ میرے والد بزرگوار (شیخ وجیہ الدین) سید حسین کی ہمراہی میں جو اپنے زمانے کا ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جس کی بے خوف بہادری کی شہرت اس زمانے میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی' مالوہ کے علاقے میں قصبۂ دہامونی کی طرف متوجہ ہوئے' اتفاق سے میں بھی اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھا' وہاں ایک کافر جو کہ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھا' نے فساد برپا کر رکھا تھا' بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لیے آیا' دربان یہ چاہتے تھے کہ وہ ہتھیار لگائے بغیر مجلس میں حاضر ہو' وہ اس پر راضی نہ ہوا' بحث نے طول پکڑا تو اس کافر نے سید حسین کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ سپاہی ہیں اور آپ کے ساتھ ایک لشکرِ کثیر بھی موجود ہے' آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں نہیں آنے دیتے۔ سید حسین اس بات سے متاثر

ہوئے اور حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے اسلحہ کو نہ روکے' فرمایا کہ ان کا ہشاش بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور سے نہیں اترتا' وہ پان چباتے ہوئے اور بڑے ناز و انداز سے چل رہا تھا جیسے کسی شادی کی محفل میں آیا ہو' جب میرے والد بزرگوار نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ہاتھا پائی کرے گا' انہوں نے جلدی سے اپنے خدمت گار کو طلب کیا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اس بچے کو کسی بلند جگہ پر بٹھا دو تا کہ اس دنگا فساد سے اسے نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ سلامی کی جگہ سے آگے بڑھنے لگا تو دربان نے اسے روکا اور کہا: یہیں سے سلام کرو' آگے مت بڑھو۔ اس نے دربان کی یہ بات سُنی اَن سُنی کر دی اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دوں تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ جب بالکل قریب پہنچا تو اس نے سید حسین پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسین بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گئے اور تلوار سید صاحب کے تکیے پر پڑی اور اسے کاٹ ڈالا۔ دوسری بار تلوار اٹھا کر پھر سید حسین پر وار کرنے کا ارادہ کیا' اسی لمحے میرے والدِ گرامی انتہائی عجلت کے ساتھ اس تک پہنچے اور خنجر کے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کیا۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے' فرماتے تھے کہ اسی علاقے میں ایک روز سیّد حسین کے ساتھ ایک جنگ میں (شیخ وجیہ الدین) حاضر ہوئے' جب دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں تو کفّار کے سردار نے تلوار گلے میں حمائل کیے ہوئے گھوڑے پر سوار بآوازِ بلند کہا: میں فلاں ہوں' اس معرکے میں تنہا کھڑا ہوں' چاہو تو مجھے قتل کر سکتے ہو مگر شرط بہادری تو یہ ہے کہ سیّد حسین اکیلے میرے مقابلے کو نکلیں' سیّد صاحب کی رگوں میں ہاشمی خون کھول اُٹھا' اپنے گھوڑے کو صف سے باہر لے آئے اور اس کے ساتھ مقابلے میں مشغول ہو گئے۔ اس کافر نے چابک دستی کے ساتھ سیّد صاحب پر وار کر ڈالا' جسے انہوں نے ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال کی ایک طرف کو کاٹ کر دوسرے میں پھنس گئی' جب کافر نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار کو ڈھال میں سے کھینچا تو سیّد صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے' کافر کود کر سیّد صاحب کے سینے پر سوار ہو گیا اور انہیں ذبح کرنے کی کوشش کرنے لگا تو میرے والد بزرگوار اسی وقت ان کے پاس پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کافر سردار کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ جب وہاں سے اُٹھے اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پہنچ گیا تو دشمنوں کی صف میں سے ایک اور سوار ہُو بہُو پہلے کی تصویر آگے بڑھا اور بآوازِ بلند پکارا کہ

میں مقتول کا بھائی ہوں' آپ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں' جو چاہے قتل کرے مگر شرط شجاعت یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرے مقابلے کو آئے' میرے والد بزرگوار اس کی طرف بڑھے اور چند واروں کے بعد اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار ویسی ہی شکل و صورت کا سامنے آیا اور اسی طرح دعوتِ مبارزت دی۔ میرے والد بزرگوار مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ارادہ کیا کہ انہیں زمین پر پٹخ دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ انہوں نے مزاحمت کی' آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ کافر بہت طاقتور ہے تو دھوکہ دیتے ہوئے کہا: اے فلانے! اس سرادر کو پیچھے سے وارد کرو۔ حالانکہ پیچھے کوئی بھی نہ تھا' کافر نے منہ پیچھے پھیرا تو اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی' اتنے میں انہوں نے خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور خنجر کے ساتھ اسے بھی واصلِ جہنم کر دیا۔ اس مبارزت کے بعد کفار نے شکست اٹھائی اور لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہو کر اپنی چھاؤنی میں آ گیا۔ اس واقعے کے تین دن بعد ایک ضعیف العمر عورت پوچھتے پوچھتے حضرت والا کے خیمہ تک پہنچی اور کہنے لگی کہ میں ان تین مقتولوں کی ماں ہوں' میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بہادر اور طاقتور نہیں ہے' لیکن خدا کی رحمت تو تجھ پر ہو کہ تو سب سے بڑھ کر بہادر اور قوی ہے' اس لیے ان کی بجائے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں' میری آرزو یہ ہے کہ مجھے اپنی ماں سمجھتے ہوئے میری بستی میں کچھ دن رہ جاؤ تا کہ تجھے جی بھر کر دیکھوں اور اس طرح مقتولوں کے غم سے تسلی پاؤں' آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے اقرباء میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہنے لگے: عجیب بات ہے کہ آپ جیسا عقل مند آدمی بھی ایسا اقدام کرے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین نے ان لوگوں کے روکنے کو کوئی اہمیت نہ دی تو انہوں نے جا کر سیّد حسین سے اس بات کا اظہار کیا۔ سیّد حسین فوراً اُن کے خیمہ میں آئے اور انہیں انتہائی کوشش اور اصرار کے ساتھ اس بڑھیا کی بستی کی طرف جانے سے روکا۔ جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر فرمایا: ماں! میرے ساتھی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانے دے رہے' چند روز بعد میں تیری بستی میں آؤں گا' کچھ دن بعد جب ان کے ساتھی غافل ہوئے تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس معمر عورت کے گھر کی طرف چل پڑے۔ وہ عورت اس قدر محبت واخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ والدۂ حقیقی اور

اس میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا کہ میں کئی بار اُس کے گھر گیا اور میں اسے دادی جان کہتا تھا اور وہ شفقت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی تھی' چونکہ میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا' اس لیے مجھے بچپن میں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس معمر عورت کے علاوہ میری دادی کوئی دوسری تھی۔

فیلِ مست سے مقابلہ

ان کی شجاعت و بہادری کے سلسلے میں ایک حکایت یہ ہے' والد گرامی (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) نے فرمایا:

جب عالمگیر بادشاہ ہوا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف خروج کیا' عالمگیر نے اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا اور حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) بھی عالمگیر کے لشکر میں شامل تھے' سخت لڑائی ہوئی اور دونوں لشکر تھک کر چُور ہو گئے۔ آخر دو تین مست ہاتھیوں نے شاہ شجاع کی طرف سے عالمگیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا' صورتِ حال جب اس طرح ہو گئی کہ عالمگیر کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور فوجی ہر طرف بھاگنے لگے۔ عالمگیر کے ہاتھی کے اردگرد چند آدمی باقی رہ گئے' اس وقت میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں' انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ جان کی قربانی کا وقت ہے' ایسے موقع پر استقامت ہر ایک کا کام نہیں' جو شخص علیحدگی چاہتا ہے اسے میری طرف سے اجازت ہے' اس پر سوائے چار آدمیوں کے سب نے باگیں پھیر لیں۔ فرمایا: اگر ہمارے احباب میں سے کوئی ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہی چار ہوں گے۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے تھاما اور آپس میں یہ قول و قرار کیا کہ جہاں وہ (شیخ وجیہ الدین) ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے بعد انہوں نے سب سے زیادہ سرکش ہاتھی پر حملہ کیا اور انہوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ ہاتھی ان کو گھوڑے سے گرانے کے لیے اپنی سونڈ اوپر اٹھائے' جب اس نے سونڈ اٹھائی تو حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) نے ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر رکھ دیا' ہاتھی بُری طرح چنگھاڑتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف بھاگا اور اُلٹا اپنے لشکر کے لیے نقصان کا باعث بنا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس سارے معاملے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فتح

کے بعد یہ چاہا کہ حضرتِ والا کا منصب بڑھا دے لیکن انہوں نے استغناء اختیار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا۔

اسی ضمن میں ایک واقعہ یہ ہے' فرمایا کہ ایک بار سیّد شہاب الدین کو بادشاہ کے سامنے محاسبے کے لیے پیش ہونا پڑا۔ حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) ان کے ضامن بن گئے' جب انہوں نے رقم کی ادائیگی میں تساہل کیا تو والد گرامی سے مطالبہ ہوا۔ آپ نے سیّد شہاب الدین سے رقم کی ادائیگی کے بارے میں بات کی تو انہوں نے کہا: میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

تلوار حاضر ہے' مسکرائے اور فرمانے لگے: شمشیر پکڑنا تو آسان ہے مگر اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل۔ سید شہاب الدین کی حمیت جاگ اٹھی اور خنجر سے ان پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور دائیں ہاتھ سے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ اُلٹا زمین پر آ رہا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا' آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے قید کر لو اور اس کے اصطبل سے اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لو' تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری وہ ڈینگیں کہاں گئیں؟ کہنے لگا: میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے میرے ہاتھ سے پہلے آپ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا' ایسے میں میری کیا تقصیر ہے؟ آپ نے فرمایا: درست کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی مُشکیں کھول دے اور اس کا خنجر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ اس نے خنجر پکڑ کر حملے کا ارادہ کیا کہ اس کے تمام جسم میں لرزہ طاری ہو گیا اور حملہ کرنے کی سکت نہ ہوئی۔ حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) نے یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا تھا۔

منجملہ ان حکایات کے ایک یہ ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کی قلبی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایک معرکۂ جنگ میں سخت خونریز مقابلہ ہوا' طرفین میں سے بہت سے لوگ مارے گئے' لیکن انجام کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی' جب لشکرِ اسلامی کا سپہ سالار رات کے وقت اپنے کیمپ میں واپس آیا تو فوجی افسر اکٹھے ہو گئے اور مقتولین کی تعداد کے بارے میں گفتگو چل پڑی اور یہ بحث خاصا طول پکڑ گئی' اس میں ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا۔ آپ (شیخ وجیہ

الدین) نے فرمایا: میرے خیال میں طرفین کے پانچ کم دوسو یا پانچ اوپر دوسو آدمی ہلاک ہوئے ہیں اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگے ہیں اُن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا' حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی' ان کے اس تردد پر آپ کے دل میں خیال آیا کہ حقیقتِ حال کا پتہ لگایا جائے اور اس مجلس سے اس شخص کی طرح نکلے جو قضائے حاجت کے لیے اٹھتا ہے اور اس بادوباراں کی تاریک رات میں میدانِ کارزار کو روانہ ہو گئے۔ اسی دوران ان کا ہاتھ ایک ایسے زخمی پر پڑا کہ جس میں ابھی تک زندگی کے آثار باقی تھے۔ اس زخمی نے چیخ ماری' آپ نے اسے تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ اس کے بعد ان کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ جنگ گاؤں کے وسط میں بھی ہوئی تھی' اُسے بھی دیکھ لینا چاہیے جہاں انہیں کوئی شک گزرتا' اسے اچھی طرح تلاش کر لیتے' اسی اثناء میں آپ کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا' جو لڑائی کے دوران ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی' وہ بُری طرح چیخی' آپ نے اس کو بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی اور پھر آپ لشکر کی طرف واپس ہو گئے تو اس مجلس کو بدستور اسی حالت میں دیکھا' آپ نے جو کچھ کیا اور دیکھا انہیں بتایا تو ان کا تعجب مزید بڑھ گیا اور سپہ سالار نے تقریباً سو آدمی مشعلوں کے ساتھ متعین کیے تاکہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دو زخمی آدمیوں کو بھی لے آئیں' یہ لوگ اس پُر ہیبت رات میں ایسی خوفناک جگہ پر جانے کے لیے تیار نہ تھے' ناچار گئے' مقتولین کی گنتی کی اور ان دو زخمیوں کو بھی لے آئے تو گنتی ان کے کہنے کے مطابق تھی اور ان دو زخمیوں نے ان (شیخ وجیہ الدین) کے میدانِ جنگ آنے کی تصدیق بھی کر دی' آپ کے اس قسم کے عجیب وغریب واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم نے چند ایک پر اسی لیے اکتفاء کیا ہے کہ تھوڑا زیادہ کی دلیل اور چلو بھر پانی دریا کا پتہ دیتا ہے۔ شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد ابن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز کی لڑکی سے ہوئی' جس سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے:

(۱) مخدومی شیخ ابوالرضا محمد (۲) مخدومی شیخ عبدالرحیم (۳) مخدومی شیخ عبدالحکیم

والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میرے والد (شیخ وجیہ الدین) تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے' ان کو سجدے میں بہت زیادہ دیر ہو گئی۔ میں نے سمجھا کہ شاید ان کی

رُوح پرواز کر گئی ہے۔ انہیں جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے اس لمبے سجدے کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے غیبت واقع ہوئی تو میں نے اپنے ان عزیزوں کے حالات جو کہ شہید ہو گئے ہیں ملاحظہ کیے۔ ان کے درجات اور مقامات سے میں بہت خوش ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی اور بہت زیادہ گڑگڑایا' یہاں تک کہ میری دُعا قبول ہو گئی اور مجھے اشارے سے بتایا گیا کہ تیری شہادت دکن کی طرف ہو گی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے ازسرِ نوسفر کا ارادہ کیا اور سامانِ سفر فراہم کرنے لگے' حالانکہ نوکری چھوڑ چکے تھے اور اس کام سے ایک نفرت سی بھی ہو گئی تھی' گھوڑا خریدا اور دکن کو چل دیئے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید یہ مقابلہ سیوا سے ہو گا' جو اس وقت کفار کا بادشاہ تھا اور جس سے مسلمانوں کے قاضی کی بہت بے حُرمتی ہوئی تھی' جب آپ برہان پور پہنچے تو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ جائے شہادت کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں' یہاں سے پھر واپس پلٹے اور راستے میں آپ نے بعض صالح اور متقی تاجروں سے عہد موافقت باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کے راستے ہندوستان میں داخل ہوں' اسی دوران آپ سے ایک ضعیف العمر شخص ملا' گرتا پڑتا جا رہا تھا۔ آپ نے اس پر رحم کرتے ہوئے اس کا مقصد و منزل پوچھی' اس نے کہا: میرا دہلی جانے کا ارادہ ہے' آپ (شیخ وجیہ الدین) نے فرمایا: میرے ملازمین سے ہر روز تین پیسے لے لیا کرو' دراصل وہ بوڑھا کافروں کا جاسوس تھا' جب یہ قافلہ نونبریا کی سرائے میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی' چنانچہ لٹیروں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں پہنچ گیا' آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ اس گروہ میں سے تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے؟ جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا: ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں' ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حقِ نمک بھی ہے' لیکن ان تاجروں کے پاس تو اتنا اتنا مال ہے' ان کو ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے' چونکہ آپ کو اس سفر کے اصلی سبب سے پوری طرح آگاہی حاصل تھی' اس لیے ان تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور انہیں قتل ولوٹ سے بچانے کے لیے آگے بڑھے' اس مقابلے میں آپ کو بائیس زخم آئے اور

ایک زخم سے سرتن سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک آپ نے کفار کا تعاقب کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی' آپ اسی وقت گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصے میں آپ مثالی جسم میں متمثل ہو کر میرے سامنے تشریف لائے اور زخموں کے نشانات دکھلائے' میں نے ایصالِ ثواب کے لیے کچھ صدقہ دیا' آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ آپ کے جسد کو وہاں سے منتقل کروں' لیکن ایک روز انہوں نے میرے سامنے متمثل ہو کر اس بات سے مجھے منع کر دیا' آپ کے قتل کی خبریں حد سے زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ رفیع الدین محمد[1] کے خاندان کے حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو منعم اور وہ نعمتیں بخشنے والا ہے جو حد و شمار سے باہر ہیں اور درود و سلام ہو افضل الانبیاء پر اور ان کی آل و اصحاب پر بھی سلامتی اور رحمت ہو جو اربابِ فہم و فراست کے قائد ہیں۔ فقیر ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے) کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ (النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیہ) کے نام سے موسوم ہیں، شیخ عبد العزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف قدست اسرارہم کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جدِ اعلیٰ ہیں۔

شیخ طاہر رحمہ اللہ

شیخ طاہر کا اصلی وطن اوچ (ملتان) ہے اور آپ وہاں کے سربرآوردہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ابتدائے حال میں سارا وقت سیر و تفریح اور شکار میں گزارا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ مشاغل انہیں تحصیل علم سے بھی باز رکھنے لگے۔ ایک دن آپ کی ہمشیر نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم دریافت کیا، جس کا جواب آپ سے نہ بن پڑا۔ یہی واقعہ ان کی غیرت نفس کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر وطن مالوف کو خدا حافظ کہا۔ جہاں بھی جاتے، استفادۂ علم کرتے۔ جب تھانیسر پہنچے تو اسی آیت کی تفسیر و تشریح لکھ کر ہمشیر کو بھجوادی۔ اس کے بعد حصول علم کا شوق انہیں بہار لے آیا جو کہ ان دنوں علماء کا مرکز تھا اور اس دوران میں مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل بھی انہیں حاصل ہوئی۔ تحصیل علم کے بعد بہار کے قاضی نے جب ان کے علم و فضل اور وجاہت کو دیکھا تو اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دے دی، اس کے بعد آپ پورب کے کسی علاقے میں قیام

[1] حضرت شیخ رفیع الدین محمد جناب شیخ عبد الرحیم والد گرامی شاہ ولی اللہ محدث کے نانا اور شیخ وجیہ الدین کے خسر تھے۔

پذیر ہو گئے‘ اس زوجہ سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جون پور میں رہائش اختیار کی اور یہیں رحلت فرمائی‘ آپ کا مزار مبارک اسی شہر میں واقع ہے‘ جو زیارت گاہِ خلائق اور مرکزِ برکات ہے۔

شیخ حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ طاہر کے بڑے صاحبزادے شیخ حسن تھے‘ جنہوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام کتبِ متداولہ سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بچپن ہی سے آپ میں طلبِ معرفت اور عقیدت اولیاء کے آثار نمایاں تھے۔ جن دنوں سید حامد راجی شاہ کی عظمت کا شہرہ عام تھا‘ شیخ حسن آزمائش و امتحان کی غرض سے سیّد صاحب کی ملاقات کو گئے تو سید صاحب کی پہلی نگاہ ہی نے آپ کو اپنے دائرۂ ارادت کی طرف کھینچ لیا۔ سید صاحب اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے اور شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ آپ شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے۔ شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہو گزرے ہیں‘ وہ صاحبِ عشق و محبت‘ ذوق و شوق‘ تصرف و کرامات اور ریاضات و مجاہدات تھے۔ یہ اپنے والد شیخ علاء الحق ابن سعد کے خلیفہ تھے جو کہ علومِ ظاہر و باطن کے جامع‘ مرجع عوام و خواص اور پورب و بنگال کے معروف ترین بزرگوں میں سے تھے۔ شیخ علاء الحق ابن سعد شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ تھے جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفاء میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ شارح ہدایہ شیخ اللہ داد اور دیگر نامور علماء جو شیخ حسن کے ہم درس اور ان کے ہم پیالہ و نوالہ تھے‘ نے سید حامد راجی سے آپ کی بیعت پر حیرانگی و تعجب کا اظہار کیا کیونکہ سید صاحب علوم ظاہری سے پوری طرح بہرہ ور نہ تھے۔ شیخ حسن نے ان سے کہا کہ اہل علم کی ایک جماعت سیّد صاحب کی خدمت میں جا کر ان سے ہر قسم کے اشکالات کے بارے میں سوال کرے‘ اگر صحیح جواب ملے تو عقیدت کے ساتھ ان سے بیعت ہو جائے ورنہ جیسے اُن کی مرضی‘ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا‘ ان میں سے بعض کے اشکال تو راستے ہی میں حل ہو گئے اور بعض لوگوں کے اعتراضات سیّد صاحب کے جمال پُر انوار پر نگاہ پڑتے ہی کافور ہو گئے اور باقی حضرات کے مسائل آپ کی حکمت آمیز اور

پُراسرار گفتگو سے حل ہو گئے۔ الغرض سب کے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے' کچھ عرصے تک شیخ حسن اس سرزمین میں طالبان معرفت کی تعلیم وارشاد کا منصب سنبھالے رہے اور اس کے بعد سلطان سکندر جو کہ سلاطین دہلی کے انتہائی انصاف پسند بادشاہوں میں سے تھے' کی درخواست پر دہلی تشریف لائے' یہاں آپ۔نے بجے منڈل کے محل میں رہائش اختیار کی اور یہیں پر ہی جان جان آفریں کے سپرد کی اور آپ کا مزار بھی اسی جگہ ہے' کہا جاتا ہے: فتح خاں پسر سلطان سکندر شیخ کے معتقد تھے' اس کے دل میں اچانک بغاوت کا خیال پیدا ہوا اور امرائے مملکت اس سے اس سلسلے میں متفق ہو گئے۔ جب اس نے شیخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور امن کی بشارت دی' چنانچہ یہی بات سلطان سکندر کی آپ سے عقیدت کا سبب بنی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ کو خواب میں ان کے بعض کمالات کا علم ہوا' اس طرح اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں رحلت فرمائی' اس وقت آپ کی مجلس میں یہ رباعی پڑھی جارہی تھی۔ ع

اے ساقی ازاں مے کہ دل و دینِ من است الخ

آپ کی کتاب ''مفتاح الفیض'' علم سلوک میں ان کی یادگار ہے' شیخ کے چار فرزند تھے جن میں سے دو سے آگے نسل چلی:

(۱) شیخ محمد خیالی (۲) شیخ عبدالعزیز

شیخ محمد خیالی

شیخ محمد خیالی صحیح الحال' پاکیزہ مشرب اور قوی الریاضت تھے۔ آپ اپنے والد گرامی سے بیعت تھے' لیکن بعد میں سلسلۂ قادریہ کی نسبت آپ پر غالب ہو گئی' آپ نے حرم مدینہ منورہ میں سالہا سال تک عبادات وریاضات کے مجاہدے کیے' حاجی عبدالوہاب بخاری جب دُوسری بار زیارتِ حرمین کے لیے تشریف لے گئے تو شیخ محمد خیالی کو یہ خوشخبری سنائی: ''مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزارا ہے' اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ'' انہوں نے کہا: جب تک مجھے بذاتِ خود اس بات کا حکم نہیں ہو گا میں یہاں سے

ہرگز نہیں ہلوں گا‘ آخر انہیں بھی حکم دے دیا گیا چنانچہ حاجی عبدالوہاب انہیں ہندوستان لے آئے‘ جہاں بجے منڈل میں وہ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے خلفاء بے شمار ہیں‘ جو سب کے سب مرتبۂ کمال کو پہنچے‘ ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جھنجھانی اس علاقے کے مشہور بزرگ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ

آپ دو یا تین برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لیے (جو ابھی صغیر سن تھے)‘ بطور امانت شیخ قاضی خاں ظفر آبادی کے حوالے کر گئے جو کہ شیخ حسن کے خلیفہ اور استقامت و کرامت‘ زہد و تجرید اور ریاضت و تاثیر صحبت کے حامل بزرگ تھے‘ جب شیخ عبدالعزیز نے شعور سنبھالا تو جناب سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوہاب بخاری سے علم حاصل کیا اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کر کے سلسلۂ سہروردیہ کا خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا‘ حاجی عبدالوہاب مذکور نے سید راجر قتال سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا جو کہ مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی اور عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے برادر مخدوم جہانیاں اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا اور ان کا سلسلہ معروف ہے‘ حاجی عبدالوہاب شیخ عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے‘ اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے اپنے فرزند شیخ عبداللہ کو شیخ عبد العزیز کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں وہ امانت یاد دلائے جو شیخ کے والدان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود آتا مگر مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں طلب شرط ہے‘ شیخ عبد العزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد روانہ ہو گئے‘ جب وہاں پہنچے تو جو کچھ کپڑے‘ نقدی اور گھوڑے وغیرہ ساتھ تھے‘ سب کے سب راہِ خدا میں دے دیئے اور تجرید کے عالم میں مسلسل تین سال تک ریاضات کے دور سے گزر کر ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے‘ پھر شیخ قاضی خاں کی اجازت سے واپس دہلی آئے اور قواعدِ ارشاد کی بناء ڈالی اور اس دوران فرصت کے لمحات میں سید ابراہیم ایرچی سے علوم تصوف کا استفادہ کر کے خرقہ قادریہ بھی حاصل کیا‘ سید ابراہیم ایرچی تمام فنونِ علم میں درجہ کمال رکھتے تھے اور کئی خانوادوں کی برکات کے جامع تھے‘ مگر نسبت قادریہ ان پر غالب تھی اور سلسلۂ قادریہ میں انہیں شیخ بہاء الدین قادری سے خلافت

حاصل تھی۔

الغرض شیخ عبدالعزیز کی زندگی مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی' انہوں نے جن چیزوں کو بچپن سے خود پر لازم ٹھہرایا انہیں آخری سانس تک قضاء نہ کیا' اسلاف کے طور طریقوں کی اتباع میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ آداب مشائخ کی حفاظت اور حاجت مندوں کی اعانت کے سلسلے میں بہت سعی فرماتے تھے' تواضع' انکسار' شگفتگی طبع' علم' بردباری' صبر' رضا و تسلیم الغرض تمام اخلاقِ محمودہ میں مشائخ چشت کا مثالی پیکر تھے۔ آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رُوح پرواز ہوتے وقت زبان پر یہ آیت کریمہ تھی: ''فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون''۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعے میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے سلسلۂ قادریہ لکھا ہوا دیکھا جسے تبرکاً من وعن نقل کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں راہِ ہدایت دکھائی اور حق کی اتباع پر مامور فرمایا اور درود وسلام ہوں اس کے نبی علیہ السلام اور ان کی صاحب ولایت وارشاد آل پر اور درود وسلام ہوں ان کے مکرم اور صاحب مجد وکمال اصحاب پر۔

یہ بندۂ ناچیز خاکپائے خدام اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے عیوب کی ستر پوشی کرے اور اس کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہوں کہ برادر محترم ومکرم' عالم باعمل' فخر فضلاء وکاملین' مایۂ اولیاء اور نمونۂ اصفیاء شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ اسے بندگانِ مقبول بارگاہ میں سے بنائے اور اسے نگاہِ انتخاب سے نوازے' ان کے خلوص محبت اور کمالِ معرفت کی بناء پر جب ہم نے ان کے ہاں شرف حضوری اور صحبت پائی اور جب ہمارے ساتھ ان کا تعلق اور جذبۂ محبت پوری طرح استوار ہو گیا تو ہم نے ان کے ساتھ اخوتِ دینی کا ناطہ باندھا اور میں نے انہیں خرقۂ مشائخ پہنایا' جبکہ یہ خرقۂ خلافت میں نے بطور ارشاد' وکالت' نیابت اور اجازت اپنے شیخ ومرشد مخدومی وسیدی سید السادات' سرچشمہ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر ابن مرتضیٰ الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے اپنے شیخ ومرشد ابوالبرکات بہاء الملۃ والدین ابراہیم الانصاری

القادری سے اور انہوں نے اپنے شیخ السید قطب عصر ابو العباس احمد بن حسن الجیلی المغربی الشافعی سے اور انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار سید حسن سے' انہوں نے اپنے والدِ گرامی سیّد موسیٰ سے' انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار سید علی سے' انہوں نے اپنے والد ماجد سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد صلواحمد سے' انہوں نے اپنے والد سید محی الدین ابونصر سے' انہوں نے اپنے والد سید ابوصالح سے' انہوں نے اپنے والد عبد الرزاق سے' انہوں نے اپنے والد گرامی قطبِ ربانی غوثِ صمدانی محی الملة والدین ابومحمد عبد القادر الحسنی والحسینی الجیلانی سے' انہوں نے اپنے شیخ ابوسعید علی المخرمی سے' انہوں نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الهنکاری سے' انہوں نے اپنے شیخ ابوالفرح یوسف الطرطوسی سے' انہوں نے اپنے شیخ عبد الواحد بن عبد العزیز الیمنی سے' انہوں نے ابوبکر شبلی سے' انہوں نے اپنے شیخ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمہ اللہ سے' انہوں نے شیخ سری سقطی سے' انہوں نے شیخ معروف کرخی سے' انہوں نے ابوسلیمان داؤد ابن نصر الطائی سے' انہوں نے امام علی بن موسیٰ رضا سے اور انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے' انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے' انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے' انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے' انہوں نے اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے' انہوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالب سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیّین حبیب رب العالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین سے حاصل کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ادبنی ربی فاحسن تادیبی'' میرے رب نے مجھے سکھایا (یعنی اپنی معرفت کی تعلیم) اور کیا ہی خوب سکھایا۔

شیخ قطب العالم

حضرت شیخ عبد العزیز کے فرزندوں میں شیخ قطب العالم اپنے فضل وکمال' علم ودانش اور جود وسخاء کی بناء پر سب سے ممتاز تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ طریقہ وجد وسماع اور صوفیاء کے تمام احوال واطوار کے معترض اور منکر تھے' چنانچہ ایک روز شیخ عبد العزیز قدس سرہٗ نے اپنی ایک مجلس میں ان پر توجہ فرمائی تو بے خود ہو گئے' حاضرین نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ضرور صوفیاء کے معتقد ہو جائیں گے اور انکار واعتراض سے باز آ جائیں گے۔ شیخ نے فرمایا

کہ ابھی اس کا انکار پوری طرح مستحکم ہے اور ابھی تک اس کی طلب کا وقت نہیں آیا' جب شیخ قطب العالم ہوش میں آئے تو حاضرین نے بے ہوشی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے: ایک خواب جیسا سماں تھا' اس کا کیا اعتبار؟ جب شیخ عبدالعزیز واصل بحق ہوئے تو شیخ نجم الحق جو ان کے سب سے بڑے خلیفہ تھے' اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت اور پس ماندگان شیخ سے تعزیت کے لیے آئے' جب زیارت سے فارغ ہوئے ارادہ کیا کہ اس جگہ سے باہر نکلیں تو دیکھا کہ شیخ قطب العالم درس دے رہے ہیں' ان کی جانب نظرِ التفات سے دیکھ کر تصرّف کیا اور سوار ہو گئے' ابھی ان کی پالکی تھوڑی دُور نہیں چلی تھی کہ شیخ قطب العالم پر بے قراری واضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی' یہ کیفیت لحہ بن لحہ بڑھنے لگی' یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیادہ پا شیخ نجم الحق کی طرف چل پڑے اور ان سے بیعت ہو گئے اور خواجہ محمد باقی قدس سرۂ کے طریقۂ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغولیت کے بعد شیخ قطب العالم اکثر ان کی خدمت میں پہنچتے اور فیضِ صحبت جو کہ طریقۂ نقشبندیہ کی بہترین روایت ہے' حاصل کرتے اگرچہ ابتداء میں خواجہ محمد باقی نے شیخ قطب العالم کے آگے زانوئے تلمذتہ کیے اور ان کی خانقاہ میں ایک عرصے تک مجاور بن کر رہے تھے' والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں خواجہ محمد باقی ان کی خانقاہ میں مقیم تھے تو شیخ (قطب العالم) پر نصف شب کے وقت یہ آشکارا ہوا کہ خواجہ محمد باقی کی تعلیم وتلقین کی تکمیل بخارا میں ہوگی' اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ محمد باقی سے فرمایا کہ آپ کو مشائخ بخارا بُلاتے ہیں' آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے' اس وقت خرقہ موجود نہ تھا' صرف تہ بند تھا' وہی عنایت کیا' جسے خواجہ محمد باقی نے دستار کے طور پر سر پر باندھ لیا اور فوراً بخارا کو روانہ ہو پڑے' وہاں آپ حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض وبرکات کی لازوال نعمت حاصل کی۔

شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سب سے بڑے اور صاحب فضل شیخ رفیع الدین محمد تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد

آپ علومِ ظاہری وباطنی کے جامع اور کتب تصوّف کے ماہر تھے اور صوفیاء کے رموز و کنایات کو بیان کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ پہلے پہل اپنے والدِ گرامی قدر سے طریقۂ

چشتیہ قادریہ میں بیعت کی اور شیخ نجم الحق کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرتے رہے' اس کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت اختیار کی اور حضرت خواجہ ہی کی نسبت ان پر غالب آ گئی' حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رفیع الدین محمد کے ساتھ خواجہ محمد باقی بے حد مہربان تھے' جو کچھ عرض کرتے خواجہ محمد باقی اسے ضرور مان لیتے تھے' اس لیے حضرت خواجہ کے احباب حضرت شیخ رفیع الدین محمد کو خواجہ کا معشوق کہتے تھے۔

نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب شیخ رفیع الدین کی زوجہ انتقال کر گئیں تو انہوں نے چاہا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ غفور اعظم پوری کی دختر سے نکاح کریں' چنانچہ انہوں نے حضرت خواجہ سے مجلس عقد میں تشریف آوری کی درخواست کی' حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر ظاہر کیا' شیخ نے کہا: اگر حضرت خواجہ اس مجلس میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی اس میں نہیں جاؤں گا' حضرت خواجہ محمد باقی کو مجبوراً اعظم پور جانا پڑا۔ جب وہاں کے صوفیاء نے آپ کی آمد کا سنا تو اطراف و جوانب کے سو فی صد صوفیائے کرام اس مجلس میں حاضر ہوئے اور ایسی عجیب محفل بپا ہوئی کہ ویسی کبھی سُنی نہ گئی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم) کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

مقام خواجہ محمد باقی باللہ

مزید آپ نے فرمایا کہ شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ سے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کی نسبت ایک ناگوار بات سرزد ہوئی' کہنے والے نے وہ بات جوں کی توں حضرت خواجہ کی خدمت میں بیان کر ڈالی' یہ سنتے ہی اُن کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور غصے کے عالم میں ایک قریب پڑی ہوئی ڈور اٹھائی اور قوت کے ساتھ اس میں گرہ لگا دی' شیخ رفیع الدین جو حضرت خواجہ کے مزاج شناس تھے نے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا' چند روز بعد شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ شدید قبض میں مبتلا ہو گئے اور اس کا سبب تلاش کرنے میں پڑ گئے' جب اصل حقیقت واضح ہوئی تو دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ کے احباب سے اس بارے میں سفارش کی درخواست کی' ان میں سے کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا اور انہوں نے کہا: ہم مرضی خواجہ کے خلاف کسی سفارش کی جرأت نہیں کر سکتے' البتہ حضرت خواجہ کے

محبوب جو چاہیں' کر سکتے ہیں۔ یہ سُن کر شیخ احمد نے شیخ رفیع الدین کی طرف رجوع کیا' شیخ رفیع الدین نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت ولعل کے بعد اُن کی نفرت وغضب کو دُور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: کیا کروں؟ وہ دھاگہ ہی گم ہوگیا ہے' شیخ رفیع الدین نے اسی لمحے وہی دھاگہ پیش خدمت کر دیا' حضرت خواجہ نے اس کی گرہ کھولی تو اسی وقت شیخ احمد کی قبض بسط سے بدل گئی اور گوہرِ مقصود دامن میں آ پڑا۔

والد ماجد (شاہ عبد الرحیم) فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاری جو اپنے وقت کے بڑے امراء میں سے ہونے کے باوجود جامع شرافت ونجابت اور معتقد صوفیاء تھے' نے ایک عمارت بنوائی۔ یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور' اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس عمارت کی تعمیر سے فراغت کے بعد انہوں نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور شہر کے مشائخ کو دعوت دی' شیخ رفیع الدین محمد بھی اس ضیافت میں موجود تھے' جب نغمۂ سرود کی لے چھڑی تو اہل مجلس میں سے ایک شخص کا حال متغیر ہوا' مستی کے عالم میں نعرے لگانے لگا' وہ رقص بھی کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے حزن واندوہ بھی ظاہر تھا۔ تمام حاضرینِ مجلس آداب سماع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تواضع کے لیے اُٹھے مگر شیخ رفیع الدین اپنی جگہ سے نہ ہلے' بعض لوگوں نے شیخ کے نہ اُٹھنے پر اعتراض کی زبان کھولی اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے آدابِ طریقت کی خلاف ورزی کی ہے' شیخ فرید بخاری نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے پوچھا کہ آپ صاحب وجد کی تعظیم کے لیے کیوں نہیں اُٹھے؟ شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ آپ وجد کرنے والے شخص سے اس کے وجد ورقص کا سبب دریافت کر لیجئے میرے نہ اٹھنے کی حکمت آپ کو خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ شیخ فرید نے اس شخص کو قریب بلا کر وجد ونعروں کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا: میں اور تو کچھ نہیں جانتا البتہ دو تین روز ہوئے ہیں کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے' اس کی جدائی کا غم وحزن میرے دل میں مضمر تھا' جب یہ حُزنیہ نغمے شروع ہوئے تو غم واندوہ بلا اختیار وجد ورقص کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس پر شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ ایک ایسے شیخ کی تعظیم کے لیے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو' مشائخ نے کہاں فرمایا ہے؟ یہ سن کر معترض حضرات

بہت نادم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے امراء میں سے خانِ عالم جو شیخ رفیع الدین کے معتقد تھے' ایک دفعہ ان کے گھر سے متصل باغ میں ایک درویش وضع شیخ وارد ہوا۔ یہ فقیر بظاہر دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے تعلق نظر آتا تھا' بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول نکلتا تھا' خانِ عالم چند ہی دنوں میں اس کا بہت معتقد ہو گیا۔ اتفاق سے ایک دن شیخ رفیع الدین محمد کا گزر اس باغ سے ہوا۔ آپ نے اس فقیر کو دیکھا اور خانِ عالم سے فرمایا کہ یہ تو کالا ناگ ہے' اس سے بچ کے رہو۔ خان عالم نے خیال کیا کہ شیخ نے شاید یہ بات حسد کے طور پر کہی ہے' چنانچہ اس نے شیخ کی یہ بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر مقرر کیا' چونکہ اس سفر کے لیے خان عالم کو رقم کی ضرورت تھی جو کہ ان کے پاس موجود نہ تھی' چنانچہ خان عالم اس وجہ سے متردّد اور پریشان ہوئے۔ اس فقیر نے ان سے اس پریشان خاطری کا سبب پوچھا' جب اسے پُوری بات بتائی گئی تو اس نے تسلّی آمیز لہجے میں کہا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے' میں اکسیر بنانا جانتا ہوں اس پر اتنی رقم خرچ ہو گی' خان عالم اس کے دھوکے میں آ گئے اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ کی خطیر رقم اس کے سامنے ڈال دی تاکہ وہ اس سے اکسیر کے لیے ضروری سامان منگوائے۔ اس فقیر نے عجیب عجیب حیلے شروع کر دیئے اور تمام روپیہ برباد کر کے ایک دن خود بھی روپوش ہو گیا' بہت جستجو کی گئی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا' خان عالم بھی اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر چپ ہو رہے' اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا متبنّٰی تھا ایک برہمن کو دیکھا' جس نے ڈاڑھی' مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت زبان میں گفتگو کرتا تھا' اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی ٹھگ ہے۔ حافظ محمد حسن نے اسے طرح طرح کی سزائیں دیں تو آخر کار اس نے دھوکہ دہی کا اقرار کر لیا اس سے کچھ مال برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ خانِ عالم نے خواب میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے بیعت کی چونکہ خانِ عالم مصوّری بھی جانتے تھے' علی الصباح اُٹھے' ایک صفحے پر اس بزرگ کی تصویر بنا کر اسے حضرت خواجہ محمد باقی کی

خدمت میں ارسال کر دیا اور اس خواب کی تعبیر بھی پوچھی' حضرت خواجہ نے کہلا بھیجا کہ میں اس بزرگ کو اچھی طرح جانتا ہوں' اس سے آپ کا بیعت کر لینا مناسب ہے اور شیخ رفیع الدین کی طرف اشارہ فرمایا' شیخ رفیع الدین سے خان عالم کی بیعت اور روحانی تعلق کا سبب ظاہری طور پر یہی واقعہ بنا' سننے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رہزنوں کے ایک گروہ نے شیخ رفیع الدین کے گھر کو لوٹنا چاہا۔ یہ ارادہ کر کے وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے میں سے ایک کو آگے بھیجا تا کہ آنے جانے کا راستہ دیکھ لے اور اہل خانہ کی حالت کے بارے میں بھی اطلاع دے' جب یہ جاسوس شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا اور ادھر اُدھر پاؤں مارنے لگا' جس کی وجہ سے اہل خانہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے چراغ کی روشنی میں ساری حقیقت حال معلوم کر لی۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے اس چور کو کچھ نہ کہا اور صرف یہ فرمایا کہ چلے جاؤ۔ چور نے جواب دیا: کیسے چلوں' بینائی تو ہے نہیں اور نہ ہی چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے قریب آئے اور اپنا عصا اس کے گھٹنوں اور آنکھوں پر لگایا' یہاں تک کہ ان کے عصا کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نجات پا کر اپنے گروہ سے آملا اور کہنے لگا: تمہارے برعکس یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ تمام ڈاکو پشیمان ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی شیخ کے دولت کدے کا رُخ نہ کیا' حالانکہ شیخ کا مکان آبادیٔ شہر سے الگ واقع تھا اور اس کی عمارت بھی پختہ نہ تھی' پھر آپ کی دولت مندی اور امارت کے قصے بھی مشہور تھے اور پہرے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

قدوۃ العارفین حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ العزیز کے مختصر حالاتِ زندگی اور کرامات کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے اپنے اولیاء کو مختلف نشانیوں کے ذریعے عزت بخشی اور اپنے بندوں میں سے مقربین کو فضائل کے ذریعے منتخب فرمالیا' وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین' فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ ''العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ'' کے نام سے موسوم ہیں' میرے جد مادری (نانا) قدوۃ العارفین عمدۃ الواصلین حضرت شیخ محمد پھلتی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز کے احوال و مناقب اوران کی کرامات پر مشتمل ہیں' واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد کے اجداد پہلے پورب کے ایک شہر سدھور میں مقیم ہوئے اور وہ نسلاً بعد نسلٍ مسند تدریس کو زینت بخشتے رہے' یہاں تک کہ شیخ احمد بن شیخ یوسف سلطان سکندر کی صحبت میں پہنچے اور وہاں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ سلطان سکندر نے انہیں معاش کے لیے بارہہ کے علاقے میں چند مواضعات پیش کیے۔ اسی بناء پر قصبہ پُھلت کو اُن کی مستقل قیام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا' کچھ مدت کے بعد ان کی آل اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی' شیخ احمد مذکور کے برادر شیخ محمود کے فرزندوں میں سے دو' شیخ فرید اور شیخ محمد وہیں رہ گئے' مجموعی طور پر شیخ فرید اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر کاربند اور علومِ کسبی و وہبی سے بہرہ ور تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے: شیخ فیروز' شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمٰن' ان تینوں میں سے شیخ ابوالفتح نے عین جوانی کے عالم میں تحصیل علوم کی طرف توجہ کی' انہیں علم سے وافر حصہ ملا۔ اس کے بعد سلوکِ باطن کی طرف اپنی بلند ہمت کو مبذول کیا اور کافی عرصے تک اس دور کے صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بھی مستفیض ہوئے' بعدازاں شیخ نظام نارنولی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ خانوی گوالیری کے خلفاء میں سے تھے' کی

صحبت اختیار کی، یہ صحبت ان کو غایت درجہ راس آئی، برسوں ریاضتیں کیں اور بے پایاں فیوض سے اپنی تشنہ رُوح کو سیراب کیا۔

جب آپ نے سلوک و ارشاد کی تکمیل کر لی تو اپنے وطن واپس ہوئے۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود علوم ظاہری زیادہ نہیں جانتے تھے، ان کے گھر میں ان علوم کا فیض شیخ ابوالفتح ہی کے ذریعے پہنچا، حضرت شیخ نے اپنے مرشد کی اولاد کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں پڑھا لکھا کر دانش منداور نامور بنا دیا۔

مزید یہ سنا گیا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے جب شیخ ابوالفتح کو حضرت نظام کی بارگاہ میں دیکھا تو سخت تعجب کے انداز میں کہا: آفتاب ستارے کی پناہ لیے ہوئے ہیں۔ مزید یہ سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز کے خلفاء میں سے شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ پھلت کے باشندے تھے، نے سفرِ آخرت اختیار کرنے سے پہلے یہ وصیّت کی کہ اُن کا جنازہ شیخ ابو الفتح پڑھائیں جب کہ عین اسی وقت حضرت شیخ ابوالفتح نارنول میں تھے، لوگ انتظار میں تھے اور وضو کر رہے تھے کہ اتنے میں شیخ ابوالفتح نہایت تیزی سے پہنچ گئے اور نمازِ جنازہ کے امام بنے۔ نارنول میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ فوری طور پر وطن روانہ ہوئے، گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی بات سے متعلق تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں شیوخ (شیخ ہیبت اللہ اور شیخ ابوالفتح) نے آپس میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو بھی پہلے رحلت کرے گا، دوسرا اس کی نمازِ جنازہ پڑھائے گا۔ جب شیخ ہیبت اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور شیخ ابوالفتح نے نارنول کا عزم کیا تو جاتے وقت شیخ ہیبت اللہ نے انہیں اپنا وعدہ یاد دلایا۔ شیخ ابوالفتح نے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پُھلت پہنچنے کا سبب دراصل یہی وعدہ تھا۔

مزید سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتح کا رشتہ خواجہ طیفور کی عفت مآب صاحبزادی کے ساتھ ہونا قرار پایا۔ مجلس نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتح کی حالتِ متغیر ہوگئی اور وجد و رقص کی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ خواجہ طیفور کا مشرب انکارِ سماع تھا، اس لیے اس واقعے کو خواجہ طیفور تک پہنچایا گیا، خواجہ صاحب آئے اور خود آنکھوں سے دیکھا

تو کہنے لگے کہ اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے' جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور ایک روایت یہ بھی سُنی گئی ہے کہ جب شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو بلوایا اور اشارے سے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھو۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ''سبحان ربک رب العزۃ عمّا یصفون'' (الصفت:۱۸۰) پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے کہ آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ شیخ ابوالفتح کا اوراد و وظائف پر مشتمل ایک نہایت لطیف رسالہ آپ کی یادگار ہے' الغرض جب شیخ ابوالفتح کے ایامِ زندگی پورے ہوئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضل ظاہری و باطنی فیوض عام کرنے کے لیے ان کے جانشین ہوئے۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الٰہی' ترکِ دنیا و اہلِ دنیا' تدریسِ علومِ دینیہ اور کتبِ سلوک مثلاً احیاء اور عین العلم کی تحقیق و توضیح اور ان کی اشاعت و عمل میں گزاری۔ آپ آدابِ طریقت میں نہایت خوش مسلک تھے۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضل نے اپنی قلم سے حواشی لکھے ہیں' دیکھا ہے۔ اس کتاب کے حواشی کی خوبی ان کی تحقیق و تدقیق پر دلیل ہے۔

سنا گیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو کوئی چیز لانے کو کہا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی اور باقی شیخ کی خدمت میں پہنچا دی' اسی دوران کہیں بطور نیاز آپ کی خدمت میں حلوہ آ گیا' شیخ اسے تقسیم کرنے لگے' جب اس شخص کی باری آئی تو اسے سب سے کم دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری اس خیانت کا بدلہ ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کی۔

شیخ ابوالکرم

جب شیخ ابوالفضل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالکرم جو کہ پہلے ملازم پیشہ تھے' سجادہ نشینی کے لیے کوشاں ہو گئے اور اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کے ارادہ کیا' اعزہ و اقارب میں سے ایک گروہ ان کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا' جب شیخ مبارک جو کہ شیخ ابوالفضل کے خادم تھے نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ متفکر ہوئے اور حضرت شیخ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ شیخ کی طرف سے سجادہ نشینی کے منصب کی

وضاحت ہو جائے۔ شیخ ابو الفضل نے خواب میں اپنے خادم شیخ مبارک سے فرمایا کہ میرا سجادہ نشین وہی ہو گا جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا۔ شیخ مبارک نے یہ سارا واقعہ حاضرین کو بتا دیا۔ صبح سویرے یہ عجیب اتفاق ہوا کہ تقسیم طعام کا کام اسی درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھا۔ رفتہ رفتہ شیخ ابو الکرم کی جمیعت میں تفریق کے اسباب پیدا ہو گئے اور وہ اس مشکل وقت میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے جو کہ فقراء کا خاصہ ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طالبانِ علم اور فقراء کی رعایت فرماتے تھے اور وظائف و اوراد پر سختی سے کاربند رہنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ آپ جود و سخاء اور ترکِ دنیا میں بہت بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم شیخ محمد تھے۔

حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ

بچپن ہی سے شیخ محمد کی جبین مبارک سے رشد و ہدایت کے آثار ہویدا تھے اور اہل دل بزرگ ان کے ساتھ التفات سے پیش آیا کرتے تھے' چنانچہ شیخ جلال جو شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور اس علاقے میں گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی تھی' شیخ محمد عاقل کے ساتھ بہت قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جب شیخ محمد پیدا ہوئے تو انہوں نے بشارت دی اور بالوضاحت تمام خواص کو یہ خبر دی کہ یہ نومولود بچہ بلند رتبے کا مالک ہے۔ شیخ جلال نے اس بچے کی ولادت پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کا نسخۂ قرآن مجید شیخ محمد کو دیا جائے۔

جب شیخ محمد سنِ شعور کو پہنچے تو تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نارنول میں اور کچھ مخدومی شیخ ابو الرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا' بعد ازاں قدوۂ اربابِ کمال سیّدی و والدی شیخ عبد الرحیم قدس سرہٗ کی صحبت میں پہنچے جو انہیں حد درجہ موافق آئی' یہاں انہوں نے علوم کی تکمیل کی' اسی دوران پردۂ غیب سے انہیں راہِ معرفت کی طرف آنے کی دعوت ملی' جسے حضرت شیخ نے مردانہ وار لبیک کہا۔ انہوں نے ان تمام سرچشموں سے استفاضہ کرتے ہوئے سال ہا سال تک معرفت کی طلب میں پوری مستعدی دکھائی اور صوفیاء کے تمام اشغال حاصل کئے' یہاں تک کہ

کان للہ بودۂ درما مضٰی تا کان اللہ لہٗ آمد جزا

"کیا تو ماضی میں اللہ کے لیے تھا کہ اس کے بدلے میں خدا تیرے لیے ہو جائے"
کے مصداق مقامات تکمیل و ارشاد سے دامن بھر کر آپ وطن مالوف کی طرف لوٹے' الغرض آپ کی سیرت یہ تھی کہ جود و سخا' تواضع و انکساری' ترکِ خواہشاتِ نفس' اپنے مرشد کے احترام اور ایامِ طلب و ارشاد دونوں حالتوں میں اپنے شیخ کی رضا جوئی' افادۂ ظاہری و باطنی اور تاثیر توجہ میں اپنے تمام خاندان میں صاحب فضیلت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے بلند مقام کا یہ عالم تھا کہ ہم عصروں کے لیے اُن کے ساتھ برابری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

حضرت شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ تحصیلِ علم کے دوران چونکہ ہمارے شیخ اکثر و بیشتر تجرد میں مستغرق رہتے تھے اور اس بناء پر ہمارے اسباق تھوڑے ہوا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں قلق پیدا ہوا' انہیں دنوں اتفاقاً میرا گزر شہر کے ایک عالم کے درس سے ہوا تو وہاں کی پابندی درس دیکھ کر میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کچھ ضروری کتابیں اس درس میں پڑھ لینی چاہئیں' جب میں واپس حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین لفظ لکھے اور اسے وہیں پھینک کر گھر تشریف لے گئے' میں نے کاغذ کا وہ پرچہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا: "آج تم کہاں گئے ہوئے تھے کہ میں تمہارے اندر ایک ظلمت دیکھ رہا ہوں"۔ میں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز آیا' پھر اس قسم کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہ گزرا۔

اس روز حضرت شیخ (مرشد شیخ محمد) نے اپنے ایک مرید کو کسی صاحب کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا' جب اس نے بکری کو ہانکنے اور اٹھانے دونوں صورتوں میں دشواری محسوس کی تو اس نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی' مگر اسے کوئی مزدور ہاتھ نہ آیا' اس لیے اس کام میں تاخیر ہوگئی۔ شیخ محمد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بکری کو کاندھے پر اٹھا کر چل پڑے۔ جب شیخ محمد واپس آئے اور حضرت شیخ کو دونوں کے بارے علم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ محمد کو اس کی حُسنِ خدمت نے مقربین کے درجے پر پہنچایا اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبے کے حصول سے باز رکھا۔ شیخ محمد نے فرمایا کہ لگ بھگ آدمی رات کا وقت تھا کہ حضرت شیخ مسجد سے اٹھ کر جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک لمحے کے لیے مراقبے کی صورت میں بیٹھ گئے اور اس وقت مجھ سے فرمانے لگے: اگر کوئی طالب راہ سلوک

تمہاری طرف رجوع کرے تو جو کچھ تمہیں مجھ سے پہنچا ہے' اسے اس کی تلقین کرنا' تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں قدرے توقف میں پڑ گیا اور میرا دل کہ جس میں کبھی اس طرح کا خیال نہیں آیا تھا' اس بات سے گھبرا گیا' حضرت شیخ میرے اس خدشے پر مطلع ہو کر فرمانے لگے: اس وقت خدا تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے نام مجھے الہاماً بتا دیئے ہیں جو تم سے براہِ راست یا بالواسطہ بیعت کریں گے' چاہو تو میں ان میں سے کچھ کے نام تمہیں بتا دوں' یہ جان لو کہ جب کوئی امر خدا تعالیٰ کے ہاں مقدر ہو جائے تو پھر وہ محلِ توقف نہیں ہوتا۔

تاثیرِ صدقہ

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک امیر کو رکاوٹِ پیشاب کا عارضہ لاحق ہو گیا' بہت علاج معالجہ کیا' مگر افاقہ نہ ہوا۔ اسی دوران شیخ بایزید اللہ گو درویشوں کی اللہ اللہ پکارنے والی جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ امیر کے متعلقین ان کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک بیمار ہے' اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ شیخ بایزید اللہ گو اس گھر میں داخل ہوئے' بیمار کی پریشانی دیکھ کر شفقت فرمائی اور خدا کی راہ میں کوئی چیز دینے کے لیے کہا' اس نے کہا: جس قدر فرمائیں؟ آپ نے فرمایا: فی الحال ایک ہزار روپیہ حاضر کرو۔ شیخ دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے اور اپنا پرایا جو بھی سامنے آیا وہ روپیہ ان میں تقسیم فرماتے گئے' یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی تو پوچھا کہ اب مریض کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: ابھی تو ویسے ہی ہے' فرمایا: ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ' وہ لے آئے' وہ بھی تقسیم کر دیا' اور پوچھا کہ اب کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے۔ یہ سُن کر آپ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے خدا! اب کے مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے' اپنے فضل سے اس مریض کو شفا عطا فرما دے۔ اسی وقت مریض کے پیشاب کی رکاوٹ ختم ہو گئی اور وہ شفاء یاب ہو گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ سترہ سال ہوئے ہیں خود کو خود میں نہیں پا رہا اور اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے

اے دوست ترا بہ ہر مکاں می جُستم — وز تو خبر زایں و آں می جُستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی — خجلت زدہ ام کز تو نشاں می جُستم

''اے محبوبِ ازل! تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور ایں واں ہر چیز سے تیری خبریں

پوچھیں۔ جب میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تُو ہی تھا' اس لیے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان پانے کی تلاش میں سرگرداں تھا"

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایک دوست کی صورت میں اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: بارِ خدایا! تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کرے۔اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد مخدومی شاہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ جو کہ حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے' پیدا ہوئے۔

حیاتِ شہید

فرمایا کہ میرے اقارب میں سے محمد تخی نامی ایک شخص جو کہ پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گیا تھا' طالب علمی کے دور میں ایک دن میں مسجد جٹو کے ایک حجرے میں تنہا کواڑ بند کیے بیٹھا تھا کہ اچانک وہ عزیز میرے سامنے ظاہر ہوا' اس کے لباس اور ہتھیاروں کی چمک زمین پر پڑ رہی تھی' میں نے کہا: کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ' کہنے لگا کہ جب میں زخم کھاتا تھا تو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی کہ جس کی حلاوت اب بھی میرے دل میں باقی ہے' اس وقت بادشاہ کی فوج فلاں بُت خانے کو توڑنے کی خاطر جا رہی ہے' میں بھی ان کی رفاقت میں جا رہا ہوں' یہاں سے گزر رہا تو آپ سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

حیاتِ اولیاء

جب حضرت شیخ محمد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت والد بزرگوار (شاہ عبد الرحیم) نے ان کے مزار پر بیٹھ کر حاضرین کو ذکر بالجہر کا حکم دیا۔اس مجلس ذکر کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محمد کی رُوح نے میرے سامنے ظاہر ہو کر کہا: میں چاہتا تھا کہ اپنے جسم سمیت آپ کے پاس آؤں' کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے مگر یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔

حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ کے تصرفات اور بعض کرامات

صورتِ شیخ کا کرشمہ

آپ کے مرید خاص سید علی بیان کرتے ہیں کہ آغازِ جوانی میں شراب نوشی کا مرتکب تھا اور کسی بھی بُرے فعل سے احتراز نہیں کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے میں ان قبیح اُمور سے باز آ گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری میرے دل میں جاگزیں ہو گئی تو میں اس کی صحبت اختیار کروں گا اور اسی سے بیعت کروں گا۔ حضرت شیخ محمد کسی تقریب کے سلسلے میں قریہ سرائے میں تشریف لائے' چونکہ میرے والد ان کے معتقد تھے' اس لیے میں بھی ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: تم کہاں تھے؟ اور کہاں نوکر ہو؟ یہ دو تین لفظ انہوں نے میرے بارے میں ادا فرمائے ہی تھے کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کی کشش پیدا ہوئی اور تمام بُرے اُمور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی جو لحظہ بڑھتی گئی' یہاں تک کہ میں اٹھا شراب کی تمام بوتلیں توڑ ڈالیں' بُرے افعال کے تمام اسباب ہٹا دیئے' غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور توبہ کر کے آپ سے بیعت ہو گیا اور باقاعدگی سے آپ کی صحبت میں شامل ہونے لگا' کچھ عرصہ بعد مجھے سفرِ کابل کا اتفاق ہوا تو میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ وقت آپ کی صحبت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتا مگر کیا کروں کہ قسمت کابل کی طرف کھینچے لے جاتی ہے۔ اس پر آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا

گر در یمنی چو بامنی پیش منی — در پیش منی چو بے منی در یمنی

"چاہے تم یمن میں بھی رہو' لیکن مجھے اپنے ساتھ رکھو تو یہ یوں ہے جیسے میرے سامنے ہو اور اگر میرے ساتھ بھی رہو مگر میرے تصوّر کے بغیر ہو تو یہ ایسے ہے' جیسے یمن میں ہو"

اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور میں کابل پہنچ گیا' وہاں ایک دن اتفاق سے مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آ گئی اور بدکاری کی خواہش نے مجھ پر پوری طرح غلبہ پا لیا' قریب تھا کہ میری توبہ ٹوٹ جاتی کہ عین اسی وقت حضرت شیخ محمد کی صورت

مبارک میری آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئی۔آپ کی شکل مبارک دیکھتے ہی مجھ پر سوار شہوت کا بھوت یکدم غائب ہوگیا۔اس کے بعد میں نے کابل میں تین چار سال گزارے لیکن اس دوران عورتوں کا خیال تک میرے دل میں پیدا نہ ہوا۔اس نے مجھے یہ گمان گزرا کہ میں نامرد ہوگیا ہوں' مگر جب وطن واپس آیا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں تھا بلکہ یہ عصمت حق تھی (جس کے طفیل میں بدکاری سے محفوظ رہا)۔

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم حضرت شیخ محمد کی خانقاہ میں مقیم تھا' جو حسین شکل و صورت کا مالک تھا' جب وہ نغمہ کی لے چھیڑتا تو حضرت شیخ بہت خوش ہوتے تھے'ایک رات آپ حددرجہ مسرور تھے کہ عظمت اللہ کو گانے کے لیے فرمایا۔اس نے تن داری کرتے ہوئے بات سُنی اَن سُنی کردی' آپ نے اسے دوتین بار طلب فرمایا' مگراس نے اسی طرح انکار پر اصرار کیا۔اس پر آپ غضب ناک ہوگئے اور بنظرِ غضب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی حالت میں عجیب وغریب تبدیلی آ گئی' چہرہ زرد پڑ گیا' جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور اسے اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا' چنانچہ اس نے آپ کے خادمِ خاص محمد جعفر سے سفارش کی التجاء کی' جب اس نے حضرت شیخ کے حضور اس کی سفارش کی تو آپ کا غصہ فرو ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کی جس خوش الحانی سے مجھے دلچسپی تھی وہ تو واپس نہیں آئے گی' اس کے بعد وہ واقعۃً اس خوش آوازی سے محروم ہوگیا اور تمام لوگوں کی طبیعتیں اس سے اچاٹ ہوگئیں' بعد ازاں کئی طرح کی برا ۔ں اور بدعقیدگیوں کا مرتکب ہوگیا اور کہیں امن وسکون نہ پا سکا۔(العیاذ باللہ)

سلبِ مرض

ایک بار سید برہان بخاری قولنج کے درد میں مبتلا ہوگئے اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے' آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اوران کے سرہانے بیٹھ کراس کے مرض کواس طرح سلب کرلیا کہ اسے فوراً شفائے کاملہ ہوگئی'البتہ کبھی کبھی قولنج کا یہ عارضہ حضرت شیخ کو ہوجاتا تھا۔

تصرّف شیخ

میر عبداللہ جو کہ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے‘ بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ ایک دفعہ ایک جگہ تشریف لے گئے‘ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا‘ آپ نے جب واپس آنے کا عزم کیا تو مجھے تیز بخار نے آلیا‘ یہاں تک کہ ہلنے کی سکت باقی نہ رہی‘ میرے لیے سواری تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی۔ آخر فرمانے لگے کہ اگر کر سکے تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چل‘ تجھے ایک عجیب واقعہ دکھائی دے گا‘ چنانچہ بہت وقت اور محنت کے ساتھ لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور حضرت شیخ کی نظر کے سامنے لے آئے۔ میں نے تکلیف کی شدّت میں قدرے کمی محسوس کی اور آپ کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا‘ بخار کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگ گئی‘ یہاں تک کہ میں پوری طرح صحت یاب ہوگیا اور ساری مسافت پیدل طے کی۔

تکثیرِ طعام

قصبہ سنوتہ میں ایک دفعہ آپ کے ایک معتقد نے دعوت کا اہتمام کیا اور صرف پندرہ آدمیوں کا کھانا تیار کرایا۔ ابھی دستر خوان لگا ہی تھا کہ شیخ یعقوب حاکم نلوہہ ایک کثیر جماعت لیے ہوئے آپ کی زیارت کو آیا‘ میزبان کچھ گھبرا سا گیا‘ آپ نے فرمایا: فکر کی بات نہیں‘ اس کی ذمہ داری ہمارے اُوپر ہے‘ اسی وقت حکم دیا کہ بہت ساری پلیٹیں لائی جائیں‘ سب کو اچھی طرح پُر کیا جائے اور تمام لوگ سیر ہو کر کھانا کھائیں‘ چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا‘ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: بعض اوقات فقرایوں بھی کیا کرتے ہیں۔

مَنْ عَادٰلِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

شیخ الٰہ بخش جو آپ کے خاندان کا ایک فرد اور باوقار و معتمد انسان تھا‘ نے ایک دفعہ آپ کی شان میں کوئی نامعقول بات کہی اور گستاخی کی۔ آپ طیش میں آگئے اور فرمانے لگے: خداوند! اس شخص کا منہ پھر مجھے مت دکھانا اور اسی وقت سوار ہو کر کسی جگہ تشریف لے گئے‘ وہ اسی دم بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اس پر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا‘ تیسرے روز جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ دم توڑ چکا تھا‘ چنانچہ آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

شیخ عبدالوہاب جو حضرت شیخ محمد کا چچازاد بھائی تھا' نے ایک عمارت تعمیر کرائی' اس علاقے کے ایک رئیس رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عدم موجودگی میں اس عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا۔لوگوں نے یہ بات حضرت تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ بہت نامناسب سی بات ہے کہ رستم شیخ عبدالوہاب کی عمارت گرائے اور ہم بھی موجود ہوں' جنگ و جدل تو فقراء کا شیوہ نہیں البتہ میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے گا' چنانچہ جب رستم عمارت گرانے کی خاطر لشکر لے کر باہر نکلا تو سیّد لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک آدمی اس کے ساتھ اس بارے میں متفق نہ ہوا اور اس نے راستے میں ان کے ساتھ تنازعہ شروع کر دیا' نتیجہ یہ نکلا کہ اس عامل کا بھائی مارا گیا' رستم اس میں ماخوذ ہوا اور اسی مواخذے میں ہی مر گیا۔

امدادِ اولیاء

سیّد محمد وارث کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا۔ میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے خیر و عافیت کی خوشخبری دی' اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا' اس حالت میں حضرت شیخ کی جناب میں متوجہ ہوا' فوراً مجھ پر رعشہ طاری ہو گیا اور خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: فلانے! تمہیں کس نے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دو لڈو عنایت فرمائے جو میں نے جیب میں رکھ لیے۔ جب اس غنودگی سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لڈو بدستور میری جیب میں موجود ہیں' چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے اور ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر سکا۔ وہ لڈو ایک عرصے تک (بطور تبرک) میرے پاس موجود رہے' مگر جب حضرت شیخ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھا لیے۔

حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک عمر رسیدہ عورت تپِ لرزہ میں مبتلا ہو گئی اور انتہائی کمزور پڑ گئی۔ رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اُوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی' خود اسے اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور پاس کوئی تھا نہیں' چنانچہ حضرت شیخ متمثل ہو کر تشریف لائے' آپ نے اسے پانی پلایا' لحاف اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

جب شاہ عالم اور اعظم ایک دوسرے کے خلاف صف آراء[1] ہوئے تو آپ کے ایک مرید نے عریضہ ارسال کر کے آپ سے استفسار کیا کہ ان دونوں میں سے کون فتح مند ہوگا؟ آپ جس کی فتح اور کامیابی کی تصدیق فرمائیں' میں اسی کا ساتھ دوں۔ آپ نے اسے وضاحت سے لکھ بھیجا کہ فتح شاہ عالم کی ہے' چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

ختم خواجگان

کفار مانکیان نے اپنا ایک جتھہ بنا رکھا تھا جو اکثر اس علاقے کے شہروں کو لوٹا کرتا تھا' بستی والے بہت پریشان ہوئے اور آپ کے حضور دُعا کے لیے درخواست کی' آپ نے فرمایا: اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا اپنی قوتِ تصرف کو متوجہ کر دیا کرتا تھا' اب تو ہمت و ارادہ باقی نہیں رہا جو کسی چیز سے متعلق ہو' مگر حکمِ خداوندی کے تحت اس کے اسمائے گرامی سے تمسک ضرور کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر آپ ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے: دعا قبول ہو گئی ہے' حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس قوم کفار کو ہماری طرف آنے سے روک دیا ہے' چند روز گزرے ہی تھے کہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت شیخ محمد جب کسی کے حق میں بنظر قبول التفات فرماتے تو وہ ایک دم عالم غیبت میں پہنچ جاتا اور عجیب وغریب حالات رونما ہوتے۔

تاثیر نظر

ایک دفعہ موضع سنبلہیڑہ کے باشندوں نے آپ سے توجہ اور تاثیر کی استدعا کی' آپ نے ایک ہی نظر ڈالی تو سیّد نور علی' سید ملتانی وغیرہ سترہ (۱۷) کے سترہ (۱۷) (حاضرین مجلس) شخص بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک مرتبہ قصبہ لادر کے رہنے والے شیخ مانکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: حضور! میں آپ کی توجہ و تاثیر کو آزمانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس پر توجہ فرمائی تو وقتِ اشراق سے لے کر جمعہ تک بے ہوش پڑا رہا' جب اسے جھنجھوڑا گیا تو وہ مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو اس سے اس کی حالت کے

---

[1] اورنگ زیب عالمگیر کے ان فرزندوں کے درمیان ۱۱۱۹ھ میں اکبر آباد میں جنگ ہوئی۔

بارے میں پوچھا گیا' اس نے کہا کہ اگر ایک ساعت حضرت شیخ مزید توجہ فرماتے تو میری رُوح بدن سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیم اور سید ہاشم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت وصحبت کا ناطہ جوڑا' آپ کی صحبت کی تاثیر کی وجہ سے دونوں میں عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

کشفِ قبور

سیّد عبدالرحیم کو کشف قلوب اور کشفِ قبور حاصل ہوا' جس قبر پر جاتے اس کی حقیقت بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کھاتولی کے قریب کہنے لگے: مجھے ایک شعلہ نظر آتا ہے جو زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ جب ایک قبر کے نزدیک پہنچے تو فرمایا کہ شعلہ اس قبر سے نکل رہا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحبِ قبر زندگی میں ظلم اور بدکاری میں مبتلا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص سامنے سے گزرا تو سیّد عبدالرحیم فوراً اس کے دل کا حال بیان کر دیا کرتے تھے' رفتہ رفتہ سیّد عبدالرحیم پر جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے اور مجذوبوں کی سی حالت ہوگئی۔ ان کی والدہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں فریاد وزاری کی تو آپ نے فرمایا: اُسے کچھ عرصے کے لیے میری صحبت میں حاضر رہنا چاہیے' کچھ وقت تک اسے صرف شیخ کی نگرانی میں رکھا گیا تو اُن کی حالت معمول پر آ گئی۔

سید ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ جو آسیب زدہ بھی ان کے سامنے لایا جاتا۔ ان کا سامنا کرتے ہی جن بھوت فوراً فرار ہو جاتا۔ اس طرح ایک عالم آپ کے کرشمۂ نظر کے نتیجے میں آسیب جنّات سے چھٹکارا حاصل کرتا تھا' رفتہ رفتہ ان پر بھی حالتِ جذب طاری ہوگئی' سارا دن صحرا و بیابان میں گھومتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ ایک ہندو جوگی کے تکیے پر پہنچے' اس نے ایسا جادو کیا کہ تالاب کے کنارے پر سنگریزوں سے خشک کھالوں کی رگڑ کی آواز سنائی دینے لگی' آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد بھینسے کی شکل میں ایک خوفناک دیو ظاہر ہوا' جس نے سیّد ہاشم پر حملہ کر دیا' مگر آپ عالم مستی میں حق حق کا نعرہ لگاتے ہوئے جو اس کی طرف پلٹے تو ایک ہی ساعت میں اسے راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا' جب ہندو جوگی نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً مسلمان ہوگیا۔

ایک دفعہ عبد السبحان نامی شخص حضرت شیخ محمد کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے تصرف فرمایا تو اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی' جس کے نتیجے میں وہ دیوانہ وار گلی کوچوں میں گشت کرتا ہوا ہر چیز کو خدا کہنے لگا اور ہر قسم کے شرعی و عرفی آداب سے بے نیاز ہو گیا۔ لوگ اس بات سے تنگ آ گئے اور اس کو دوبارہ شیخ کی خدمت میں لے آئے' آپ نے اس کی اس ساری کیفیت کو سلب فرمالیا اور وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔

کشفِ غیوب

سید عنایت اللہ ساکن سنبھیڑہ کو حضرت شیخ کی توجہ سے قلیل مدت میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سید صاحب بیمار پڑ گئے اور حضرت شیخ ان کی عیادت کو گئے' سیّد صاحب پر شیخ کے سوار ہونے کے وقت سے لے کر گھر پہنچنے تک کے تمام حالات اس طرح منکشف ہو گئے' جیسے چشمِ ظاہر سے دیکھ رہے ہیں' شیخ ادھر سوار ہوئے' ادھر انہوں نے کہا کہ اب سوار ہوئے ہیں' پھر کہا: اب فلاں جگہ پہنچے ہیں' اب شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ دوستو! اٹھو' شیخ کے استقبال کے لیے نکلو' پھر کہا: اب میرے دروازے پر تشریف لے آئے ہیں' اس لیے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔

مثال وحدۃ الوجود

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں عجیب و غریب غیبت حاصل ہوئی' لوگوں کے شور و شغب کا کوئی احساس نہیں کرتے تھے کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا۔ کسی نے ان سے توحید کی مثال پوچھی' کہنے لگے: جس طرح ایک مٹکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ذرّے میں سرایت کر جاتا ہے اسی طرح ذات وحدہٗ لاشریک کائنات کے ہر ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

نگاہِ ولی

محمد محسن حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں آگاہی ذات سے مشرّف ہو کر ہمہ اوست کی معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ حضرت شیخ نے محمد جعفر کو اس پر مقرر کر دیا کہ محمد محسن سے نماز نہ چھوٹ جائے لیکن تھوڑے عرصے بعد محمد محسن کو اس کیفیت سکر سے قدرے افاقہ ہو گیا' بعد ازاں محمد محسن کی توجہ تھوڑی ہی مدت میں یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک

شخص جو کسی عورت کی محبت میں مبتلا اور دیوانہ وار زاروقطار روتا پھر رہا تھا' اس کے بارے میں بعض دوستوں نے آپ سے کہا کہ افسوس ہے کہ ایسا مرد ہاتھ سے جا رہا ہے' اس پر محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بُلایا اور ایک دو لمحے اس پر توجہ ڈالی تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل زائل ہو گئی اور اس کی جگہ محبت الٰہی نے گھر کر لیا۔

عبدالہادی نامی ایک شخص جو کہ سماع اور وجد کا منکر تھا' آپ کی خانقاہ میں وارد ہوا۔ اتفاقاً اسی روز آپ ایک مجلسِ سماع میں مدعو تھے' راستے میں اس سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا: کبھی تو نے وجد بھی کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو؟ تو اس نے تعجب کا اظہار کیا' سماع کے دوران آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر اپنا تصرف کیا تو وہ شخص مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مسلسل دو روز اسی طرح بے خود رہا۔

جہاں آباد کا رہنے والا نھو نامی ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ ایسا بے خود ہوا کہ جو بھی اس وقت اس پر نظر ڈالتا' اس پر بھی بے خودی کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ محمد پھلتی کے تصرفات اور باطنی توجہات حد و شمار سے باہر ہیں ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت شیخ محمد ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوئے' رضی اللہ عنہ وارضاہ والحقنا بہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخِ حرمین کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود وسلام ہوں، ہمارے آقا سید الکونین محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں ''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حرمین شریفین کے بعض ان مشائخِ صوفیاء اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں، جن سے اس فقیر کو سلسلۂ خرقہ صوفیاء اور اسنادِ حدیث پہنچی ہیں، **جزاھم اللّٰہ تعالٰی عنی خیر الجزاء.**

شیخ احمد شناوی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ علی بن عبد القدوس بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہو گزرے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علومِ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ علمِ حدیث شمس رملی اپنے والد بزرگوار سیّد غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقۂ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر اُن کے خلیفہ بنے۔ کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انہوں نے کہا: ''**لو کان الشعراوی حیاً ما وسعہ الا اتباعی** '' (یعنی اگر شعراوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ ''**عھدنا بحفظٍ وان لم یحفظ** ''۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ

متاخرین اہلِ حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے' یعنی جب بھی مشائخ صوفیاء کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے زندہ ہوں یا گزشتہ' کی برکات اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ ''لا یدخل النار من رانی ورای من رانی الٰی یوم القیامة''
(وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا' یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا' حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا۔ ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہودِ وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان اُلجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا' نشانہ چُوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا' آپ بہت خوش ہوئے اور کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لیے دونوں باتیں جمع کر دیں۔ شیخ احمد قشاشی رحمہ اللہ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ اس کا کوئی تضاد نہیں' اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیضِ خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے' لہٰذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بُجھ جاتی ہے اور حکمِ شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت' کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رُکاوٹ نہ بنے۔

چُوں کہ بیرنگی اسیرِ رنگ شد موسوی با عیسوی در جنگ شد

''چونکہ بے رنگی نے رنگ کا رُوپ اختیار کر لیا' اس لیے مُوسوی عیسوی کے خلاف میدانِ جنگ میں کُود پڑا''

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشی رحمہ اللہ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبد النبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ ''دجانہ'' (بتخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبے کے نہایت بزرگ باشندے تھے' شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں' شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اُجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تا کہ وہ نبی ﷺ پر درود وصلوٰۃ پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے سامان کو کہتے ہیں مثلاً دواتیں' پُرانے جوتے اور اسی طرح کی دُوسری اشیاء۔ آپ کے والد بزرگوا محمد مدنی بھی عالم اور مردِ صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علمِ حقیقت وشریعت کے امام تھے۔ حقائق معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات واحادیث سے مدلّل ہوتی تھی' کئی مشائخ کی صحبت میں رہے اور خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا' مگر انہیں گوہرِ مقصود شیخ احمد شناوی سے حاصل ہوا۔ اسی لیے انہوں نے خود کو اُن کی طرف منسوب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ صوفیاء کی تلاش میں سفر اختیار کیا' جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالتِ کشف میں اُن پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں اور اُن کی شرمگاہ سے مادۂ منویہ خارج ہو رہا ہے' جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو اُن کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ شیخ شناوی مرتبۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن اُن سے اکتسابِ فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں' اس کے فوراً بعد وہ حضرت شناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا: ہم اس شخص کو مرحبا کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لیے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی[1]

---

[1] شیخ ابوبکر محی الدین محمد بن علی المعروف ابن عربی و شیخ اکبر ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۱۶۵ھ میں مرسیہ میں پیدا ہوئے' جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے' آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے بنو طے سے تھا۔ آپ ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے' جو اس وقت علم وادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم وتعلّم اور اسلامی فلسفے کے مطالعے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے انہیں خرقۂ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیر ان کے نکاح میں دے دی ہے' اس کی تعبیر انہوں نے یہ سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے' کیونکہ شیخ ابن عربی کی ہمشیر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں گزارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلادِ مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر' مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بغداد اور حلب گئے' بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے نظریۂ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بناء پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں' حقیقت کائنات' ذات واجب الوجود' مابہ الموجودیت' امر و خلق' انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے' اس میں وہ اپنے اندازِ فکر' قوتِ استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ' مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیاء نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراجِ عقیدت کے طور پر انہیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے' مشائخ صوفیاء کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی رحمہ اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا' جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجدد رحمہ اللہ خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیّت کا حامل نہیں' پھر حضرت مجدد رحمہ اللہ کا نظریہ وحدت الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی' لیکن بعد میں برصغیر کے متشدد المسلک حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی' حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانشور اور مبصر گزشتہ پچاس سالہ پروپیگنڈے کی بناء پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹتے ہی نظریۂ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک و کشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود مانے بغیر آخر توحید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔ سید محمد بن علوی نے انہیں لکھا کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے' انہوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علوی نے کہا: میں نے دوسری دفعہ حضور ﷺ کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا: احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اُسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں: جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے: ہمارے لیے کوئی مقام نہیں اس لیے کہ ہم اہلِ یثرب سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''**یا اهل یثرب لا مقام لکم**'' گویا اس سے مقامِ بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین ﷺ کے نقشِ قدم پر کاربند تھے۔

شیخ احمد قشاشی کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے جو کم و بیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلّم رہی ہے' محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصوّرات ویدانت یا دیگر عجمی افکار سے ملتے ہیں' کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں۔ مولانا جامی رحمہ اللہ نے آپ کی تصانیف پانچ سو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی' اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں' آپ کی تصانیف تفسیر' حدیث' سیرت' ادب' متصوفانہ شاعری' علومِ طبیعی' ہیئت اور علوم مخفیہ پر مشتمل ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والملکیہ'' سب سے ضخیم اور غالباً آخری تصنیف ہے' جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ''فصوص الحکم'' دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ ''تنزلات'' بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبلِ قاسیون میں زیارت گاہِ خلائق ہے اور زبانِ حال سے یہ پکار رہا ہے

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری ۔۔۔ کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

(سید محمد فاروق قادری)

مجید خواب کی حالت میں حضور ﷺ کو سنایا۔ شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کی کہ "ما علی احدکم ان یکون فی بیته محمد و محمد ان ثلثة" اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جن میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے متمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشی میرے خدشے پر مطلع ہوگئے اور فرمایا: ان میں سے ایک ابوسعید' دوسرا ابوالحسن اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد ویسے ہی ہوا جیسا انہوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے میرے دل میں ایک بات کہہ ڈالی' مجھے خیال آیا کہ کاش! یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی۔ شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشی کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشی کی زندگی فقہاء کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق' تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ' نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربی نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قشاشی کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا' خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا' میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا' رحمۃ اللہ علیہ۔

سیّد عبدالرحمٰن ادریسی المجوب رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ مغرب کے شہر مکناسہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب' مصر' روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت

اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انہوں نے یہ مشہور مقولہ سُن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس' یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غیب قسم کے واقعات اور دلچسپ ورنگین صحبتیں میسّر آئیں' پھر جب مکہ واپس آ گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے اُن سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقۂ صوفیاء بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعی مفتیٔ مدینہ سے میں نے سنا انہوں نے اپنے والد جو کہ سیّد محمد کے خادم تھے اور یہ سید محمد' سید عبد الرحمٰن کے معتقد تھے' سے نقل کیا کہ شریفِ مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی' سید عبد الرحمٰن مجوب کی طرف دُعا کے لیے رجوع کیا' سیّد عبد الرحمٰن ایک لمحے تک سر بگریباں رہے' کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلّے میں ایک اس قسم کا گھر ہے' بیت المال کے افسر کو چاہیے کہ جس قدر شریفِ مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے' اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے کہ سیّد صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انہوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں کو مقفل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے' آپ نے شریفِ مکہ کے حوالے کر دی تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ دوسری بار شریفِ مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرّف میں لے آئے مگر گھر کا پتہ ملا نہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سیّد عبد الرحمٰن سے اس معاملے کا راز پوچھا' آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا' اس کا کوئی وارث نہ تھا' میں نے تصرّف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لا کھڑا کیا' وہاں سے جو کچھ تم نے لینا تھا' لے لیا اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سیّد عبد الرحمٰن ایک دفعہ سید احمد بن ملوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیّد احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبد الرحمٰن کے آنے کی خبر دی اور فرمایا: کل ان کا استقبال و تعظیم بجا لانا' خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا' بہت تلاش کیا' مگر سیّد صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا' نا امید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں' حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض (بندش لطائف) لاحق ہو گئی۔ مسلسل

چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلۂ حج میں آئے تو انہوں نے شیخ ابراہیم کے لیے شیخ قشاشی سے حج پر جانے کی اجازت چاہی، شیخ قشاشی نے اجازت دے دی، جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبد الرحمٰن نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا، جس پر شیخ قشاشی کے قلم سے لکھا ہوا تھا: اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے، اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ڈبو دیں گے۔ اس وقت انہیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیم مکہ پہنچے اور سیّد عبد الرحمٰن محجوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیم پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیم احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لیے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا، اس لیے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیم کی حالتِ قبض رفع ہوگئی، گویا یہ شیخ قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان مصالحت تھی، جسے سیّد ابراہیم نے انجام دیا، سیّد عبد الرحمٰن جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالاتِ ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے، جود وکرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دستر خوان پر صبح و شام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں نذر و نیاز پیش ہوتیں، جسے آپ فقراء میں تقسیم فرما دیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا، جو بھی ایک دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بناء پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانش مند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے، چاہے ایامِ حج میں بھی کیوں نہ ہو، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے، جو بھی ان کی زیارت کو آتا، استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد ایسے نیک اُمور کی تلقین فرماتے اور اسی طرح جس میں استعداد دیکھتے، اسے صوفیاء کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محجوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمیٔ شوق کے آثار ظاہر ہونے لگتے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا، جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ

نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے' واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلاء بابلی رحمہ اللہ

آپ حافظِ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے' نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع' ذکاوت اور اخلاق و محبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب وغیب آثار مشاہدہ کیے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ بار خدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی[1] کی طرح بنا دے' چنانچہ آپ کی یہ دُعا مستجاب ہوگئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیشِ نظر رکھے: پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ گیا ہو' دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو' تیسری کوئی چیز مغلق ہو اور اس کی شرح پیشِ نظر ہو' چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو' اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی اور تفسیرِ مطالب کو راہ نہ دے' پانچویں کسی بات میں خلط مبحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو' چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو' ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے۔ اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا سات وجوہ میں سے ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری' مؤطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ مؤطا' بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد

[1] احمد نام' ابوالفضل کنیت اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا' اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کیے۔ اکثر اسلامی بلاد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظہ' ثقاہت' امانت' معرفت اور علوم وفنون میں مہارت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح بخاری' تہذیب التہذیب' لسان المیزان' تعلیق التعلیق' نخبۃ الفکر مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قاہرہ کے باہر نمازِ جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی کے قریب مدفون ہوئے۔

تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں' جو کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے مصداق ہے: ''نضر الله امرأ سمع منّی الحدیث الخ'' آپ کی شان وعظمت اور جلالت وبزرگی کا عجیب انداز تھا' بادشاہ' اُمراء اور وزراء آپ سے توجہ ودُعا کے طلب گار رہتے تھے اور آپ کے کسی حکم سے سرِمُو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے' مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے' پھر الجزائر میں آ گئے اور سجلماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ' مصر اور حرمین کے علماء سے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظّمہ کو مستقل وطن بنالیا۔ آپ نے ''مقالید الاسانید'' کے نام سے ایک معجم[1] بھی تصنیف فرمائی' الغرض وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث وقرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے جو آدمی دیکھنا چاہے کسی ایسے شخص کو کہ جس کی ولایت شک وشبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے اور سید محمد بن علوی نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی۔ انہیں اعمالِ حسنہ' پابندیٔ نماز باجماعت' کثرت طواف اور مداومت صیام وقیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام اُمور میں اعتدال پسند تھے۔ ننگ وناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے' اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا' تاہم سلسلہ شاذلیہ سے باقاعدہ منسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ

---

[1] حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے موجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ معاجم کو حروفِ تہجّی کے اعتبار سے مرتب کرنے کے سہرا طبرانی (۳۶۰ھ) کے سر ہے۔

نے مسلک امام ابوحنیفہ کے مطابق ایک مسند[1] بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلۂ حدیث متصل[2] نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوئے۔

محمد بن محمد بن سلیمان مغربی

آپ حافظ حدیث تھے اور علم و ریاست اور دین و دنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابومدین مغربی سے خرقۂ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخۂ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہلِ حرمین کے استاذ اور متبحر وثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نسخۂ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدر شناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکّے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا مگر محمد بن سلیمان نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے' شیخ تاج الدین قلعی کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمان علم روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب وغریب علوم وفنون میں یدِ طُولیٰ رکھتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''**زادہٗ بسطةً فی العلم والجسم**'' کے مصداق تھے۔ تدبیرِ معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا' اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا' واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے' کیونکہ انہوں نے اپنے والد

---

[1] اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو' باعتبار حروف تہجی' بلحاظِ سبقت الاسلام' باعتبار شرافت نسبی' بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مُسند موسیٰ کاظم رحمہ اللہ (۱۸۳ھ) کی ہے' اس کے بعد مسندِ ابوداؤد طیالسی ہے۔

[2] متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بلا واسطہ غیر اپنے شیخ سے بذاتِ خود سُن کر روایت کی ہو۔

سے ان تمام مرویات کی قراءت' سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انہوں نے مؤطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمدللہ

شیخ ابراہیم کردی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی' حدیث اور عربی ادب میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے' ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی' پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے' اس اثناء میں آپ اکثر سیّدی شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے مزار مبارک کو مرکزِ توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا' پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط و تعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردی نے شیخ قشاشی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث روایت کی' ان سے خرقہ پہنا اور اُن کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی' کردی' ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی' تبحرِ علم' زہد' انکساری' صبر اور حلم و حوصلہ ایسے خصائلِ حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں؟ چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبر ان کے پاپوش سے گرد و غبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے۔ شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایامِ حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ اپنے احباب و معتقدین کے ہمراہ اہل مصر کی ایک جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے' راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور لہو و لعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سیّد محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا' شیخ نے انہیں ایسا کرنا سے منع کیا' کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا' سیّد محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے' شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے' جب شیخ اور ان کے رفقاء منزلِ

مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغمے کا آغاز اس شعر سے کیا:

ان شرقوا سادتی وان غربوا ویلی وان عاشروا غیرنا ویلاً علی ویلی

یہ شعر قاعدہ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد کے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیم نے سنا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرہ ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ رو پڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی۔ سید محمد برزنجی بھی رو پڑے اور ان کے دل سے سیاہی اعتراض دُھل گئی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاد جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء و احباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی، جس کا قلع قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا: وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا: مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی: "**ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا**" (البقرۃ آیت: ۱۱۴) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نامِ خدا لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا۔ فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا، جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھما دیں۔ شیخ نے فرمایا: اگر تقلید کی بات ہے تو میں کسی اور کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لیے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لیے ضروری نہیں ہو گا اور اگر تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لیے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے۔ چونکہ حضرت شیخ کے احباب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولتِ عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز ہے، اس لیے انہوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا: حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہیے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالہ کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے، وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور حقیقت کھل

کر سامنے آ گئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہر مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحیٰی شاذلی حرمین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انہوں نے شیخ ابراہیم سے بھی ملاقات کی جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا نے شیخ یحیٰی سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: وہ تو ایک بُت ہیں۔ وزیر یہ سُن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحیٰی کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحیٰی شاذلی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذاء پہنچانے کی نیت سے حرمین آنے کا ارادہ کیا لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا: جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا۔ جب شیخ یحیٰی طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہاء اور صوفیاء کی طرح بڑے بڑے عمامے لمبی آستینیں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہلِ حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے جو مختصر سی پگڑی اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے معتقدین مناظرے اور مذاکرے کے ذریعے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: بہر حال یہ ایسے ایسے ہے کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی؟ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے عبداللہ عیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی۔ جب مسائلِ حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیاء بھی بیان فرماتے اور کلامِ صوفیاء کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ آپ کی تاریخِ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے: "واللہ انا علیٰ فراقک یا ابراھیم لمحزونون" (۱۰۷۱ھ)۔

شیخ حسن عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ شیخ الحدیث جامع علوم وفنون اور فصاحت یادداشت اور تیزیٔ فہم کے پیکر تھے۔

آپ اکثر و بیشتر شیخ عیسیٰ مغربی کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشی' شیخ محمد بن العلاء بابلی اور امام و مفتی شوافع شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی' آپ دعوت اسماء کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابو طاہر ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن حنفی تھے' مگر سفر کے دوران ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے۔ آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انہیں حنفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کر دیا کرو تا کہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمی باوجود حنفی ہونے کے تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے ہاں کسی حقیقتِ ممتعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کیے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

شیخ ابو طاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمی خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں عیب بھی تھا' اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی ﷺ کا اثر تھا کہ ''نضر اللہ عبداً''[1] الحدیث' آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے جس سے علمِ حدیث میں ان کے تبحر کا بخوبی پتہ چلتا ہے' آپ فرماتے تھے: لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں' ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی' ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو

---

[1] ''نضر اللہ عبداً سمع مقالتی ووعاہ'' یعنی خدا اس شخص کو شگفتہ رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر لے۔

نصف نہیں کیے جا سکتے۔ گویا خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو۔
آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرد پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے۔ شیخ ابو طاہر آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور قرأتِ حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں: پہلا طریقہ سرد سے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے، دونوں صورتوں میں لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء رجال کے بارے میں کوئی بحث و تحیص کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب، اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شانِ نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

تیسرا طریق ایمان و تعمق ہے، اس کے مطابق ہر ہر لفظ کا مالۂ وما علیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمۂ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلامِ شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و استعمال کی جگہوں کے پیش نظر رکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں، نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے، اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجمی، شیخ احمد قطان اور شیخ ابو طاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریق سرد تھا، مگر یہ طریقہ صاحبانِ علم و فضل اور منتہی طلبائے حدیث کے لیے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے، تا کہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث اور سلسلۂ روایت کو مکمل کر لیں اور دوسرے مباحث شروح کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروح پر ہی ہے اور مبتدی و درمیانے درجے کے طلبائے حدیث کے

لیے طریقۂ بحث وحل ہے تا کہ وہ علمِ حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروح کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیشِ نظر رکھیں تا کہ بحث وتمحیص کے دوران ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے' اس کا مقصد روایت وتحصیلِ علم نہیں بلکہ علم وفضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے' اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات' تصحیح اسماء' ان کی ثقاہت کی معرفت' خصوصاً صحیحین (بخاری ومسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں' اور ''لیس منا من فعل کذا'' اور ''فان اللّٰہ قبل وجھہ'' اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات' فقہی فروعات' فقہاء کے اختلافات مذاہب' مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق وتدقیق اور گہرائی وگیرائی پر حاوی ہونا چاہیے' مگر اس اُمتِ مرحومہ کے متقدمین علماء ان اُمور میں دل چسپی نہیں رکھتے تھے۔ ہاں فقہاء ومتکلمین اس سلسلے میں غور وخوض کرتے ہیں' لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی' واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا تایا کئی ہوتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اوّل کہ جس کے باعث مُرید دائرۂ بشریت سے نکلا' یا اس نے ظاہری علوم حاصل کیے' کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرۂ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے' کا معاملہ اعمام کا ہے' لہٰذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہیے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترکِ سکونت کر کے طائف میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے: ''لیس بمکۃ من یقرا الیہ'' آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے' مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید عبدالرحمٰن مجوب' سید محمد رومی' سیّد عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء بابلی' شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہی سے بخاری و مؤطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا' ابتداء ہی سے علم و علماء کی محبت کی طرف مائل' اُن کی صحبت میں حاضر' صوفیائے کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ ہے کہ شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ اعیانِ مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔ شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن نخلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی' جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کے لیے اولیاء اللہ سے دُعا کی درخواست کی اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے۔ وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کو شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنبھلی نے قدرے تأمل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں' بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحبِ فضل اور سعادت مند ہے' یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے۔ جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنبھلی کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچے کو دے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں' جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سُنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا: اپنے مالک سے کہہ دو کہ اُن کا مُدعا پُورا ہو گیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفرِ آخرت کی تیاری کے لیے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد اسی مدت میں اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گئے اور شیخ احمد نخلی نے نوّے سال کی عمر پائی۔ شیخ

عبدالرحمٰن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں مَیں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخلی) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آ گئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز و اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے' والد بزرگوار نے فرمایا: اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو' مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی' جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہوگئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آ ہی پہنچی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریقۂ خلوتیہ میں میرے شیخ' شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نمازِ تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے' اوراد و وظائف میں مشغول ہو جائیں' اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردّد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی' اسی تردّد کے عالم میں مَیں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضۂ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نمازِ جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ زیارتِ عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں' مَیں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دستِ مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی' بعد ازاں حضور ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزارِ مقدس کے سرہانے' صف اوّل کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا: یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے' اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقۂ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے

اس طریقے کی اجازت عطا فرمادی ہے۔

شیخ عبداللہ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار انجام دیا' مثلاً مسندِ امام احمد جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید رُوئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا محال ہو جائے۔ آپ نے مصر' عراق' شام اور اطراف واکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزاء کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اُسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کیے اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''ضیاء الساری'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی' جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرد و بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری۔ الغرض آپ واقعۃً اس آخری دور کے حافظ الحدیث تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امتِ مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔

پہلا دور صحابہ وتابعین کا ہے' جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا۔

دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے' ان کے نزدیک ضبط اِن اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر' حرکات وسکنات اور نقاط میں احتیاط' ہیئت حروف کی حفاظت' احادیث کا اصول صحیحہ سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔

تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظِ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل وغریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصّل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ ومشکل مقاماتِ حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبطِ حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف وشروح کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان ... میں تساہل سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدما سختی سے کاربند تھے' چونکہ متوسطین نے

حفظِ حدیث میں سستی برتی' اور صرف عبارت پر ہی اکتفاء کر لیا' جس کے نتیجے میں طبقاتِ سابقہ کے برعکس ان میں وجادت[1] اور اجازتِ مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج ہو گئیں' حاصل کلام یہ کہ ضبطِ حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں بکمال موجود تھا بلکہ اس سلسلے کی بقاء کا سبب بھی انہی کی ذات بنی' حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم و علماء اور اصلاح و تقویٰ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے' روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے' مگر بڑھاپے میں حسب استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس و تدریس' تلاوتِ کلام پاک' نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سُنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تو شیخ عبداللہ' شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک مصالحے سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرۂ کعبۃ اللہ میں دوبار صحیح بخاری ختم کی' پہلی بار مرمتِ کعبہ کے وقت اور دُوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جا رہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح و جمع کے بعد حضور ﷺ کے مزارِ مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپّن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی' جو سب کی سب رضائے الٰہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ' حافظہ اور حواس درست رہے' البتہ قوتِ سماعت میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا' آپ ۴ رجب ۱۱۳۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی رحمہ اللہ

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے' خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا' جنہوں نے آپ کے لیے بے شمار بزرگوں سے خرقہ و اجازت حاصل کی تھی' ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے' آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویہ د

---

[1] کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو' ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا: "او جدت بخط فلاں "فلاں شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا یا "قرأت بخط فلاں" اسے وجادہ کہتے ہیں۔

سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابو طاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اُن کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۂ تبت تلاوت کی، جب وہ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے: میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سیّد الکونین ﷺ کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں، تاہم یہ اربابِ تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے، مگر ہمارے لیے تو صحابہ و تابعین کا طرزِ عمل ہی کسوٹی ہے، وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر ﷺ کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی ﷺ پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد دو ماہ سے بھی کم عرصے میں سُنی، ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے، جن سے آپ نے ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹی[1] کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ

[1] ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۰۰۸ھ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ کے علمی تبحر اور مسلمہ حیثیت کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبر آباد میں سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی و شروح سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ شرح شمسیہ، تکملہ حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے

خیالات خیالی بس عظیم است برائے حل او عبدالحکیم است (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی[1] کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علمی دنیا میں مشہور اور مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہانِ مغلیہ آپ کے علمی مقام و مرتبے کو ہمیشہ خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شہاباں روڈ پر ہے۔

[1] سرخیلِ صوفیاء، امام المحدثین، عاشقِ مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالمِ اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے مقامِ محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اُسے حبِّ رسول ﷺ کا جاں بخش پیغام دیا۔ آپ ایک مشہور علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور سیکری میں جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ موسیٰ گیلانی (المعروف موسیٰ پاک شہید رحمہ اللہ) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارتِ حرمین کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ بارگاہِ رسالت سے فیوض حاصل کیے۔ ہندوستان کے تمام اکابر و اعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کر کے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادرِ طریقت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ آپ نے حضرت مجدد کے بعض مکشوفات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجدد کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوالِ صوفیاء کے اختلاف تھے، جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار اور احترام کی فضاء میں۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدت مندی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب و آلام میں گھری ہوئی امتِ مسلمہ کو محبتِ نبوی ﷺ اور دامنِ رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کو نئی زندگی بخش سکتا ہے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے دراصل حضرت محدث ہی کے مشن کو آگے بڑھایا ہے، آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، زاد المتقین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۴۲ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کی کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ' عبادت' علمی شغف اور بحث و تمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے' جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں' لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدّام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابو طاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرورِ کائنات ﷺ کی انتہائی جامعیت (جامعیتِ کُبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تر اضداد و موافقات سموئے ہوئے ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن احوالِ صوفیاء اور ان کی باہمی تردید و تنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا کہ میں صوفیاء کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیاء کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لیے تردید و تنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں' یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی' اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذلی اس دُنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح و سالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن و تشنیع نہیں کرنی چاہیے' یہاں انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب وصیّت فرمائی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب

الوصیت پڑھ کر سنایا' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لیے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابو مدین مغربی پر طعن و تشنیع کرتا تھا' جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت و بزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمہیں فلاں شخص سے کیوں بُغض ہے؟ میں نے عرض کی: اس لیے کہ وہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا: رکھتا ہے۔ فرمایا: گویا تمہیں ابو مدین سے اس کے بُغض کی بناء پر تو عداوت ہے' لیکن میرے محب ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی' اس شخص کے گھر گیا' اُسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابو مدین کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بناء پر ابو مدین سے عداوت رکھی جاتی' تو میں نے اسے حقیقتِ حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابو مدین کے بارے میں طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں اُلفت نبی ﷺ کی برکات جاری و ساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔ جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابو طاہر کی خدمت میں الوداعی سلام کے لیے حاضر ہوا تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسیتُ کل طریق کنت اعرفهٗ　　الّا طریقاً یؤدینی لربعکم

''میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گیا''

یہ شعر سُنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفی

آپ قاضی عبد المحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے' کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کیے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی' آپ ابھی کمسن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لیے اجازت حاصل کی' آپ فرماتے تھے

کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا' انہوں نے ختم کے بعد تمام حاضرینِ مجلس کو اجازت دی' جن میں مَیں بھی شامل تھا' آپ نے علمِ حدیث کا اکثر حصہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری کی خدمت میں مکمل کیا' فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں مَیں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں' صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں' ان کی اجازت بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر اُن سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا' آپ نے شیخ احمد نخلی سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قطان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے' جن کی صحبت میں سالہا سال رہ کر اُن سے درس کا طریقہ سیکھا' شیخ تاج الدین فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطان کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبد اللہ مصری اور شیخ احمد نخلی وغیرہ اس پر مُصر ہوئے کہ شیخ احمد کی جگہ حرمِ کعبہ میں مصلی مالکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں' جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں پڑتی تھی' اس لیے میں اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمی جو اُن دنوں طائف میں مقیم تھے' کی خدمت میں ساری صورت حال لکھ بھیجی' انہوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی۔ آخر کار اس معاملے میں ہر طرح استخارہ و غور و فکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لیے تیار ہو گیا اور مسندِ شیخ قطان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا' جہاں شیخ نے چھوڑا تھا' ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کُردی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی' حدیث مسلسل[1] بالاولیت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدین سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی' جو یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک دفعہ میں سخت بیمار ہو گیا' اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی' اسی حالت میں ایک رات خواب

---

[1] حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کے روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو' خواہ یہ حالت اور صفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں' اس کی کئی اقسام ہیں: مثلاً مسلسل بسمعتُ' مسلسل باخذ اللحیہ' مسلسل فان قیل لفلانٍ۔

میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آ کر کہنے لگا کہ اس مریض کی شفاء کے لیے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تا کہ بیمار اسے کھا کر شفایاب ہو' جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیگچہ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکارتے رہے۔ جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے: میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے' اسے کھا لو۔ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ مرض کا نشان بھی باقی نہ رہا اور صحیح وتندرست ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ حضرت امام بخاری کے اس قدر لطف وکرم سے مجھے جتنی مسّرت وشادمانی حاصل ہوئی' وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں' جو ان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے' دو تین روز لگاتار حاضر ہوا' اس دوران ان سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے' مسند دارمی' امام محمد کی کتاب الآثار اور موطا سماعت کیں' حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کی' جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارتِ نبوی ﷺ سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیم سے سماعت کی: ۱۱۴۴ھ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خودنوشت حالاتِ زندگی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم' الحمد للّٰہ الذی بدا بالنعم قبل استحقا قہا وخص من شاء بمعرفۃ الاسماء واذواقہا والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیدنا محمد المتحلیٰ بتیجان الکرامات واطواقہا المکرم بصنوف العطیات واطباقہا وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین بھم قیام الملۃ ورواج اسواقہا' اما بعد.

فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم (خدا اسے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے) رقم طراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' کے نام سے تحریر کیے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا ہے کہ میری پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجے میں تھا۔ زہرہ آٹھویں' عطارد اکیسویں' زحل دسویں اور حمل ومشتری پندرھویں درجے میں تھے اور وہ سال علویین کے قران کا سال تھا۔ یہ قران درجہ اوّل میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ''عظیم الدین'' سے نکالی ہے[1] میرے والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صُلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بشارتیں ہوئیں' چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے ''قولِ جلی'' میں بیان کی ہیں' (اللہ اسے اس کی بہترین جزاء

---

[1] عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہِ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے' اسی لیے شاید تاریخ نکالنے والوں نے یہ دو ماہ شمار نہیں کیے۔ (سید محمد فاروق القادری)

عطا فرمائے اور اسے اور اس کے اسلاف واخلاف کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے اور اس کے دینی ودنیوی مقاصد پورے فرمائے)۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لیے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا' ختنہ بھی اسی سال ہوا' اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملاّ پڑھتا تھا' اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی' چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سُسرال والوں نے سامانِ شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس' میری اہلیہ کے نانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم' میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ' اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغالِ صوفیاء خصوصاً مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ وتلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیاء حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا' اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی' خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علومِ متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کر لی۔ میں نے جملہ علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں: علمِ حدیث میں کتاب البیع سے کتاب الآداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوٰۃ' صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک' شمائل النبی ﷺ مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی)۔ تفسیر میں بیضاوی ومدارک کے کچھ حصے' اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآنِ عظیم کے معانی' شانِ نزول اور کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے

کلامِ قدسی میں تدبّر حاصل کرنے کا موقع ملا' جو میرے لیے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے' فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ' اصولِ فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ' منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ' کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے' سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ' حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی' لوائح' مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص' خواص اسماء و آیات میں' والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انہوں نے چند بار اجازت دی' طب میں موجز القانون' حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ' نحو میں کافیہ اور اس پر شرح مُلاّ' معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر مُلاّ زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ و حساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصولِ علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور و فکر سے کئی اور راہیں سجھا دیتے' میں اپنی عمر کے سترھویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی اور یہ جملہ کہ ''یدہٗ کیدی'' (اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ) دوبار ارشاد فرمایا: میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے' مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی باپ کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ میں نے کسی ایسے والد' استاد یا مرشد کو نہیں دیکھا جو اپنے فرزند' شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو' جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت' رحمت اور نعمت کا انہیں ہزار دو ہزار گنا اجر عطا فرما' بے شک تو قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا درک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے' جذب کا راستہ کھل جاتا' سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا' مذاہب اربعہ اور اُن کے

اصولِ فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں' کے مطالعے کے بعد مجھے نورِ بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا' ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورتِ مکہ مکرمہ' زیارتِ مدینہ منورہ شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ حرمین میں سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضۂ اقدس کو مرکزِ توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے' علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابو طاہر سے خرقۂ جامعہ حاصل کیا' جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے' اسی سال کے آخر میں فریضۂ حج ادا کیا' ۱۱۴۵ھ میں عازمِ وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب المرجب صحیح سالم وطن پہنچ گیا'' واما بنعمة ربک فحدّث '' (اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ''خلعتِ فاتحیہ'' سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا اور مجھے اس طرح رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہِ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں۔ اسی طرح اسرارِ حدیث' مصالح احکام' ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول مقبول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے' ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے' اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عز الدین ابن عبد السلام کی کتاب ''قواعد کبریٰ'' دیکھنی چاہیے جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عُشرِ عشیر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقۂ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے' وہ مجھے الہام کیا گیا' جسے میں نے اپنے دو رسالوں ''لمعات'' اور ''الطاف القدس'' میں قلم بند کر دیا ہے' میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا ہے' حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول

وعرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور اُن کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا اور حکمتِ عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے' مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے' اس کے ساتھ مجھے کتاب وسنّت اور آثارِ صحابہ کے ذریعے اس حکمتِ عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کیے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنّت ہے یا ہر فرقے نے جونئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں' ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے' اگر میرا ہر بن مو زبان بن جائے تو بھی میں کماحقہ' اس کا شکر نہیں بجا لاسکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

سات کے ہندسے کی دینی اور دنیاوی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے مثلاً قرآن پاک کی منزلیں سات ہیں، سورۃ فاتحہ کی آیتیں سات ہیں، زمینیں سات ہیں، آسمان سات ہیں، دنیا کے مشہور عجوبے سات ہیں۔ حضرت مصنف نے فقہ حنفی کی مستند کتب سے مسائل اخذ کر کے سات کے حوالے سے بیان کئے ہیں مثلاً فرمایا کہ علماء سات ہیں، علم کے دنیاوی فائدے سات ہیں، مختصر یہ کہ اس کے اکثر مسائل سات کے گرد گردش کرتے ہیں، کتاب مختصر بھی ہے اور مفید بھی۔

تصنیف

امام علامہ ابوالطیب حمدان بن حمدویہ طرسوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

مولانا علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی مدظلہ
جامعہ نعیمیہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

شرح صحیح مسلم (۷ جلد) اور تفسیر تبیان القرآن (۱۲ جلد) کی عالمگیر مقبولیت اور
شاندار پذیرائی کے بعد علامہ غلام رسول سعیدی دامت فیوضہم کا ایک اور
عظیم تخلیقی شاہکار
نعمۃ الباری
فی
شرح صحیح البخاری
جس کی تصنیف پر کام کا آغاز ہو چکا ہے
چند خصوصیات
☆ مروج اردو زبان میں تمام احادیث کا آسان اور عام فہم ترجمہ۔
☆ متقدمین کی شروح کی روشنی میں احادیث کی واضح تشریح۔
☆ اصول حدیث کے مطابق احادیث کی فنی تحقیق۔
☆ ائمہ اربعہ کی امہات کتب سے ان کے مذاہب مع دلائل اور فقہ حنفی کی ترجیح۔
☆ اختلافی مسائل پر مہذب علمی گفتگو
☆ مسائل حاضرہ اور تازہ ایجادات کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر۔
☆ "شرح صحیح مسلم" میں جن احادیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے ان کا حوالہ دے دیا ہے اور ان کی مختصر شرح کی گئی ہے۔
☆ صحیح بخاری کی جن احادیث کی شرح "شرح صحیح مسلم" میں کم کی گئی ہے یا جو احادیث صحیح مسلم میں نہیں ہیں ان کی مفصل شرح کی گئی ہے۔
☆ صحیح بخاری کی ہر حدیث کی مفصل تخریج اور باب کے عنوان کی حدیث سے مطابقت واضح کی گئی ہے۔
☆ صحیح بخاری کی مکرر احادیث کا صرف ترجمہ کیا گیا ہے اور جہاں اس کی شرح کی گئی ہے اس حدیث کا نمبر دیا گیا ہے۔
☆ کتاب کے ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس میں حجیت حدیث اور اصطلاحات حدیث کا مفصل ذکر ہے۔
پیش کش: فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون: 092-42-7312173
فیکس: 092-42-7224899